ازواجِ مطہرات، بناتِ طاہرات اور اکابر صحابیات کی سوانح

سِیَرِ صحابیاتؓ

مع

اُسْوَۂ صحابیاتؓ

مصنّفین

مولانا سعید انصاری ندوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عبد السلام ندوی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبۃ البشریٰ

کراچی - پاکستان

سیرِ صحابیاتؓ

مع

اُسوۂ صحابیاتؓ

مصنّفین

مولانا سعید انصاری ندوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عبدالسلام ندوی رحمۃ اللہ علیہ

مقدمہ

علامہ سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

کتاب کا نام : سیر الصحابیات مع اسوہ صحابیات

مصنّفین : مولانا سعید انصاری ندوی/ مولانا عبد السلام ندوی رحمہما اللہ

تعداد صفحات : ۲۴۴

قیمت برائے قارئین : -/۵۵ روپے

سن اشاعت : ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء

ناشر : مکتبۃ البشریٰ

چوہدری محمد علی رفاہی وقف (رجسٹرڈ)

Z-3، اوورسیز بنگلوز، گلستان جوہر، کراچی۔ پاکستان

فون نمبر : +92-21-7740738

فیکس نمبر : +92-21-4023113

ویب سائٹ : www.ibnabbasaisha.edu.pk

ای میل : al-bushra@cyber.net.pk

ملنے کا پتہ : مکتبۃ البشریٰ، کراچی۔ پاکستان +92-321-2196170

مکتبۃ الحرمین، اُردو بازار، لاہور۔ پاکستان +92-321-4399313

المصباح، ۱۶ اُردو بازار لاہور 042-7124656-7223210

بك لینڈ، سٹی پلازہ کالج روڈ، راولپنڈی 051-5773341-5557926

دار الإخلاص، نزد قصّہ خوانی بازار پشاور 091-2567539

اور تمام مشہور کتب خانوں میں دستیاب ہے۔

فہرست

اسوۂ صحابیات رضی اللہ عنہن

دیباچہ
طبع اوّل

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ.

یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ الۡمَلِكِ الۡقُدُّوۡسِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَكِیۡمِ ○ هُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیۡهِمۡ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ۔[1]

اسلام کا مقصدِ وحید تمام دنیا کو ایک سطح پر لانا تھا۔ اس کی شہنشاہی میں پست و بلند، شاہ و گدا، امیر و غریب، وضیع و شریف، عالم و جاہل، عورت و مرد سب میانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے اس نے اپنی تعلیمات، احکام وقوانین کے ذریعہ سے تمام دنیا کو مساوات کا پیغام سنایا۔ جس سے مذہب، اخلاق، تمدّن اور سیاست کا قالب بدل گیا اور اس میں وہ نئی روح حرکت کرنے لگی جس کے پیدا کرنے کو اہلِ اسلام اپنا فرضِ اوّلین خیال کرتے تھے۔

اسلام سے پہلے دنیا نے جس قدر ترقی کی تھی، صرف ایک صنف (مرد) کی اخلاقی اور دماغی قوتوں کا کرشمہ تھی۔ مصر، بابل، ایران، یونان اور ہندوستان مختلف عظیم الشّان تمدّن کے چمن آرا تھے۔ لیکن ان میں صنفِ نازک (عورت) کی آبیاری کا کچھ دخل نہ تھا۔ اسلام آیا تو اس نے دو صنفوں (مرد و عورت) کی جدوجہد کو وسائلِ ترقی میں شامل کرلیا اس لیے جب اسکے باغِ تمدّن میں بہار آئی تو ایک نیا رنگ و بو پیدا ہوگیا۔

عورت کو دنیا نے جس نگاہ سے دیکھا وہ مختلف ممالک میں مختلف رہی ہے۔ مشرق میں عورت مرد کے دامنِ تقدّس کا داغ ہے، روما اس کو گھر کا اثاثہ سمجھتا ہے، یونان اس کو شیطان کہتا ہے، تورات اسکو لعنتِ ابدی کا مستحق قرار دیتی ہے، کلیسا اس کو باغِ انسانیت کا کانٹا تصوّر کرتا ہے، یورپ اس کو خدا یا خدا کے برابر مانتا ہے۔ لیکن اسلام کا نقطۂ نظر ان سب سے جداگانہ ہے،

---

[1] سورۂ جمعہ: ۱، ۲

وہاں عورت نسیم اخلاق کی نکہت اور چہرہ انسانیت کا غازہ[1] سمجھی جاتی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مکّہ میں ہم لوگ عورتوں کو بالکل ہیچ سمجھتے تھے۔ مدینہ میں نسبتاً ان کی قدر تھی، لیکن جب اسلام آیا اور خدا نے ان کے متعلق آیتیں نازل کیں تو ہم کو ان کی قدر ومنزلت معلوم ہوئی۔[2] عرب جاہلیت کے رسم دختر کشی پر نظر ڈال کر پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول پر

يَا أُنجَشَةَ! رُوَيْدَكَ بِالْقَوَارِيْرِ.

''انجشہ! دیکھنا یہ آبگینے ہیں۔''

غور کرو تو تم کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی صحیح تشریح معلوم ہوگی۔

اسلام نے صرف یہی نہیں کیا کہ عورتوں کے چند حقوق متعیّن کر دیئے بلکہ ان کو مردوں کے مساوی درجہ دے کر مکمّل انسانیت قرار دیا۔ صحیح بخاری میں وارد ہوا ہے:

اَلرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰى اَهْلِهٖ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا وَهِيَ مَسْئُوْلَةٌ.[3]

''مرد اپنے اہل کا راعی بنایا گیا ہے اور اس سے اس کے متعلق جواب طلب ہوگا اور عورت شوہر کے گھر کی راعیہ ہے اور اس سے اس کے متعلق باز پرس ہوگی۔''

سنن ابن ماجہ میں اس کی مزید تشریح ہے:

لَيْسَ تَمْلِكُوْنَ مِنْهُنَّ شَيْئًا غَيْرَ ذٰلِكَ اِلَّا اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ.[4]

''تم کو عورتوں پر بجز مخصوص حقوق کے کوئی دسترس حاصل نہیں ہے، لیکن ہاں جب کوئی گناہ کریں۔''

اس بنا پر اسلام میں عورت کی جو قدر ومنزلت قائم ہوئی وہ بلحاظِ نتائج دیگر اقوام و مذاہب سے بالکل مختلف تھی، تمام دنیا اپنی قومی تاریخ پر ناز کرتی ہے اور بجا طور پر کرتی ہے، لیکن اگر اس سے یہ سوال کیا جائے کہ ان افسانہائے پارینہ میں صنف نازک کی سعی وکوشش کا کس قدر حصّہ

---

[1] خوشبودار پاؤڈر [2] بخاری، رقم: ۶۱۶۱ [3] وأصل اللفظ: والرجل راع على أهل بيته وهو مسؤول عن رعيته والمرأة راعية على أهل بيت زوجها وولده وهي مسئولة عنهم. رقم: ۷۱۳۸ [4] رقم: ۱۸۵۱

تھا؟ تو دفعۃً ہر طرف خاموشی چھا جائے گی اور فخر وغرور کا سارا ہنگامہ سرد ہو کر رہ جائے گا، یونان بلاشبہ اپنی ''رباتِ النّوع'' کو پیش کر سکتا ہے، ہندوستان متعدّد عصمت و عفاف کی دیویوں کے نام لے سکتا ہے، یورپ کا ''گولڈن ڈیڈس'' چند جنگ آزما عورتوں کو منظرِ عام پر لاسکتا ہے لیکن کیا ان کی وجہ سے دنیا نے کچھ بھی ترقی کی ہے؟ اور تمدّن کا قدم ایک انچ بھی آگے بڑھ سکا ہے؟ تاریخ ان سوالات کا جواب نفی میں دیتی ہے۔

قومی تاریخ کو چھوڑ کر اگر دنیا کی مذہبی تاریخ کا مطالعہ کرو تو صاف نظر آئے گا کہ اس کے اوراق بھی صنفِ نازک کے عظیم الشّان کارناموں سے خالی ہیں۔ مصر اس سلسلہ میں آسیہ رضی اللہ عنہا بنت مزاحم کو پیش کرے گا، تورات مریم رضی اللہ عنہا اخت ہارون علیہ السلام کو آگے بڑھائے گی، ناصرہ مریم عذراء رضی اللہ عنہا کو سامنے لائے گا، ان خاتونوں کی مذہبی بزرگی اور عظمت مسلّم ہے لیکن کیا ان مقدّس اور پاک خاتونوں کا کوئی مذہبی یا اصلاحی کارنامہ تاریخ نے بھی یاد رکھا ہے؟

بخلاف اس کے اسلام نے جن پردہ نشینوں کو اپنے کنارِ عاطفت میں جگہ دی انہوں نے دنیا میں بڑے بڑے عظیم الشّان کام انجام دیئے ہیں جو تاریخ کے صفحات میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ کتاب خاص صحابیات رضی اللہ عنہن کے حالات میں ہے اس لیے ہم صرف ان ہی کارناموں کو پیش کریں گے جو صحابیات رضی اللہ عنہن سے متعلق ہیں، کیونکہ یہ صنفِ نازک کا پہلا قدم تھا جو ترقی کی راہ میں اُٹھایا گیا۔

صحابیات رضی اللہ عنہن کے کارنامے تمدّن کے تمام عنوانات پر منقسم ہیں اور ہم ان کو اجمالاً اس مقام پر لکھنا چاہتے ہیں۔

مذہبی کارنامے: مذہبی خدمات کے سلسلے میں سب سے اہم خدمت جہاد ہے اور صحابیات رضی اللہ عنہن نے جس جوش، جس خلوص، جس عزم اور جس استقلال سے اس خدمت کو ادا کیا ہے اسکی نظیر مشکل سے مل سکے گی۔ غزوۂ اُحد میں جب کہ کافروں نے عام حملہ کر دیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف چند جاں نثار رہ گئے تھے۔ حضرت اُمّ عمّارہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں اور سینہ سپر ہو گئیں، کفّار جب آپ پر بڑھتے تھے تو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں، ابن قمیہ جب درّاتا (غرّاتا) ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا تو حضرت اُمّ عمّارہ رضی اللہ عنہا نے آگے

بڑھ کر روکا چنانچہ کندھے پر زخم آیا اور غار پڑ گیا انہوں نے تلوار ماری لیکن وہ دہری زرہ پہنے ہوئے تھا، اس لیے کارگر نہ ہوئی۔ جنگِ مسیلمہ میں انہوں نے اس پامردی سے مقابلہ کیا کہ بارہ زخم کھائے اور ایک ہاتھ کٹ گیا۔[۱]

غزوۂ خندق میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے جس بہادری سے ایک یہودی کو قتل کیا اور یہودیوں کے حملہ کو روکنے کی جو تدبیر اختیار کی وہ بجائے خود نہایت حیرت انگیز ہے[۲] غزوۂ حنین میں حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا کا خنجر لے کر نکلنا ایک مشہور بات ہے[۳] جنگِ یرموک میں جو خلافت فاروقی میں ہوئی حضرت اسماء بنت ابی بکر، اُمّ ابان، اُمّ حکیم، خولہ، ہند اور اُمّ المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہن نے بڑی دلیری سے جنگ کی تھی اور اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا نے جو انصار کے قبیلہ سے تھیں خیمے کے چوب سے نو رومیوں کو قتل کیا تھا۔[۴]

نہ صرف برّی بلکہ بحری لڑائیوں میں بھی صحابیات رضی اللہ عنہن شرکت کرتی تھیں۔ ۲۸ ہجری میں جزیرۂ قبرص پر حملہ ہوا تو حضرت اُمّ حرام رضی اللہ عنہا اس میں شامل ہوئیں۔[۵]

میدانِ جنگ میں اس کے علاوہ صحابیات رضی اللہ عنہن اور خدمات بھی انجام دیتی تھیں مثلاً: (۱) پانی پلانا، (۲) زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا، (۳) مقتولوں اور زخمیوں کو اُٹھا کر میدانِ جنگ سے لے جانا، (۴) چرخہ کاتنا، (۵) تیر اُٹھا کر دینا، (۶) خورد و نوش کا انتظام کرنا، پکانا، (۷) قبر کھودنا، (۸) فوج کو ہمّت دلانا۔ چنانچہ حضرت عائشہ، اُمّ سُلیم، اُمّ سَلِیط رضی اللہ عنہن نے غزوۂ اُحد میں مشک بھر بھر کر زخمیوں کو پانی پلایا تھا[۶] اُمّ سُلیم اور انصار کی چند عورتیں زخمیوں کی تیمارداری کرتی تھیں اور اس مقصد کے لیے وہ ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک ہوا کرتی تھیں[۷] رُبیّع بنت معوّذ رضی اللہ عنہا وغیرہ نے شہداء و مجروحین کو قتل گاہ سے اُٹھا کر مدینہ پہنچایا تھا۔[۸] اُمّ زیاد اشجعیہ رضی اللہ عنہا اور دوسری پانچ عورتوں نے غزوۂ خیبر میں چرخہ کات کر مسلمانوں کو مدد دی تھی، وہ تیر اُٹھا کر لاتیں اور ستو پلاتی تھیں[۹] حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا نے سات غزوات میں

---

[۱] اصابہ، رقم: ۱۲۱۸۲　[۲] شرح زرقانی، رقم: ۱۰۰۶　[۳] صحیح مسلم، رقم: ۴۶۸۰
[۴] اصابہ، رقم: ۱۰۸۱۶　[۵] صحیح بخاری، رقم: ۶۲۸۲　[۶] صحیح بخاری، رقم: ۳۸۱۱، ۴۰۸۱
[۷] ابوداؤد، رقم: ۲۵۳۱　[۸] بخاری، رقم: ۵۶۷۹　[۹] ابوداؤد، رقم: ۲۷۲۹

صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے کھانا تیار کیا تھا[۱] اغواث اور ارماث وغیرہ کی جنگوں میں جو خلافتِ فاروقی میں ہوئیں، بچوں اور عورتوں نے گورکنی کی خدمت انجام دی تھی[۲] اور جنگ یرموک میں جب مسلمانوں کا میمنہ ہٹتے ہٹتے حرم کی خیمہ گاہ تک آگیا تو ہند اور خولہ رضی اللہ عنہا وغیرہ نے پُرجوش اشعار پڑھ کر لوگوں کو غیرت دلائی تھی[۳]

اشاعتِ اسلام بھی مذہب کی ایک بہت بڑی خدمت ہے اور صحابیات رضی اللہ عنہن نے اس سلسلے میں خاص کوششیں کی ہیں۔ چنانچہ حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا کی دعوت پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تھا[۴] اُم سُلیم رضی اللہ عنہا کی ترغیب سے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آستانۂ اسلام پر سر جھکایا تھا[۵] عکرمہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی اُمّ حکیم رضی اللہ عنہا کے سمجھانے پر مسلمان ہوئے تھے[۶] اور اُمّ شریک دوسیہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے قریش کی عورتوں میں اسلام پھیلا تھا جو نہایت مخفی طور پر اس خدمت کو انجام دیتی تھیں[۷]

اسلام کی حفاظت بھی ایک اہم کام ہے اور متعدّد صحابیات رضی اللہ عنہن میں سب سے زیادہ اس خدمت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ادا کیا ہے۔ ۳۵ ہجری میں جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور نظامِ مذہب درہم برہم ہوگیا تو انھوں نے اصلاح کی آواز بلند کی، جس پر مکّہ اور بصرہ کے لوگوں نے لبّیک کہا۔

نماز کی امامت بھی ایک اہم کام ہے اور متعدّد صحابیات نے اس کو کبھی کبھی عورتوں کے مجمع میں انجام دیا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ، حضرت اُمّ سلمہ، اُمّ ورقہ بنت عبداللہ اور سعدہ بنت قمامہ رضی اللہ عنہن عورتوں کی امامت کیا کرتی تھیں۔ اُمّ ورقہ رضی اللہ عنہا کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ انھوں نے اپنے مکان کو سجدہ گاہ بنالیا تھا جہاں وہ ہمیشہ امامت کرتی اور اذان دیتی تھیں۔[۸] (عورت کی اقتدا عورت کے پیچھے درست ہے مگر حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے)۔

سیاسی کارنامے: صحابیات رضی اللہ عنہن نے متعدّد سیاسی خدمات بھی انجام دی ہیں۔ چنانچہ

---

[۱] صحیح مسلم، رقم: ۴۶۹۰　[۲] طبری: یوم عماس　[۳] أعلام النساء: تذکرہ ہند بنت عتبہ وتذکرہ خولہ
[۴] اسد الغابہ، رقم ۷۱۸۲　[۵] اصابہ، رقم: ۱۲۰۷۷　[۶] اصابہ، رقم: ۱۱۹۴
[۷] اسد الغابہ، رقم: ۷۴۹۶　[۸] اسد الغابہ، رقم: ۷۶۲۶

حضرت شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا اس درجہ صائب الرائے تھیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی تحسین کرتے اور ان سے مشورہ کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بسا اوقات بازار کا انتظام بھی ان کے سپرد کیا ہے۔[1]

ہجرت سے قبل جب قریش نے کاشانۂ نبوّت کا محاصرہ کرنا چاہا تو رقیقہ بنت صیفی رضی اللہ عنہا نے جو عبدالمطلب کی بھتیجی تھی، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ارادہ کی اطلاع دی تھی۔ چنانچہ آپ خواب گاہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔[2]

عورت کے سیاسی اختیارات اس قدر وسیع ہیں کہ وہ دشمنوں کو پناہ دے سکتی ہے اور امام اس کے امان کو برقرار رکھ سکتا ہے۔ سنن ابی داؤد میں لکھا ہے کہ فتح مکّہ کے زمانے میں اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا نے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ تھیں، ایک مشرک کو پناہ دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ وَامَنَّا مَنْ امَنْتِ.[3]

''تم نے جس کو پناہ یا امان دی ہم نے بھی دی۔''

علمی کارنامے: اسلامی علوم یعنی قرأت، حدیث، فقہ، فرائض میں متعدّد صحابیات کمال رکھتی تھیں۔ حضرت عائشہ، حفصہ، اُمّ سلمہ اور اُمّ ورقہ رضی اللہ عنہن نے پورا قرآن مجید حفظ کیا تھا۔[4] ہند بنت اُسید، اُمّ ہشام بنت حارثہ، رائطہ بنت حیّان اور اُمّ سعد بنت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہن بعض حصّوں کی حافظہ تھیں۔ اُمّ سعد رضی اللہ عنہا قرآن مجید کا درس بھی دیتی تھیں۔[5]

تفسیر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خاص کمال تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری کے آخر میں ان کی تفسیر کا معتدبہ حصّہ منقول ہے۔

حدیث میں ازواجِ مطہرات عموماً اور حضرت عائشہ اور اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہما خصوصاً تمام صحابیات سے ممتاز تھیں۔[6] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات ۲۲۱۰ ہیں اور حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے ۳۷۸ حدیثیں روایت کی ہیں۔ ان کے علاوہ اُمّ عطیّہ اور اسماء بنت ابی بکر، ام ہانی اور فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہن بھی کثیر الرّوایہ گزری ہیں۔

---

[1] اصابہ، رقم: ۱۱۳۷۹ [2] طبقات ابن سعد، رقم: ۴۱۱۷ [3] ابوداؤد، رقم: ۲۷۶۳
[4] فتح الباری، تحت رقم: ۵۰۰۳ [5] اسد الغابہ، رقم: ۷۴۶۷ [6] ابن سعد، رقم: ۴۱۲۰

فقہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فتاویٰ اس قدر ہیں کہ متعدّد ضخیم جلدیں تیار ہوسکتی ہیں۔[۱] حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے فتاویٰ سے ایک چھوٹا سا رسالہ تیار ہوسکتا ہے۔ حضرت صفیّہ، حضرت حفصہ، حضرت اُمّ حبیبہ، حضرت جویریہ، حضرت میمونہ، حضرت فاطمہ زہرا، حضرت اُمّ شریک، حضرت اُمّ عطیّہ، حضرت اسماء بنت ابوبکر، حضرت لیلیٰ بنت قائف، حضرت خولہ بنت تویت، حضرت اُمّ الدّرداء، حضرت عاتکہ بنت زید، حضرت سہلہ بنت سہیل، حضرت فاطمہ بنت قیس، حضرت زینب بنت ابوسلمہ، حضرت اُمّ ایمن، حضرت اُمّ یوسف، حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہن کے فتاوے ایک مختصر رسالہ میں جمع کیے جاسکتے ہیں۔

فرائض میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خاص مہارت تھی اور بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سے فرائض کے متعلق مسائل دریافت کرتے تھے۔[۲]

اسلامی علوم کے علاوہ اور علوم میں بھی صحابیات دستگاہ رکھتی تھیں، مثلاً: علم اسرار میں حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو پوری واقفیت تھی۔ خطابت میں اسماء بنت سکن رضی اللہ عنہا کا خاص شہرہ تھا۔[۳] تعبیر میں اسماء بنت عُمیس رضی اللہ عنہا مشہور تھیں۔[۴]

طب اور جراحی میں رفیدہ اسلمیہ، اُمّ مُطاع، اُمّ کبشہ، حمنہ بنت جحش، معاذہ، لیلیٰ، اُمیمہ، اُمّ زیاد، ربیع بنت معوذ، اُمّ عطیّہ، اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہن کو زیادہ مہارت تھی۔ رفیدہ کا خیمہ جس میں جراح خانہ تھا، مسجدِ نبوی کے پاس تھا۔[۵]

شاعری میں خنساء، سعدی، صفیّہ، عاتکہ، اُمامہ، مریدیہ، ہند بنت حارث، زینب بنت عوام اروی، عاتکہ بنت زید، ہند بنت اثاثہ، امّ ایمن، قتیلہ عبدربہ، کبشہ بنت رافع، میمونہ، بلویہ اور رقیہ رضی اللہ عنہن زیادہ نامور ہیں۔ خنساء رضی اللہ عنہا کا جواب آج تک عورتوں میں نہیں پیدا ہوا۔ ان کا دیوان چھپ گیا ہے۔

عملی کارنامے: اس سے مراد صنعت وحرفت ہے جس میں حیاکت، فلاحت، کتابت، تجارت

---

[۱] اعلام الموقعین لابن قیم: المکثرون من الصحابۃ [۲] ابن سعد، رقم: ۴/۱۲۰

[۳] اصابہ، رقم: ۱۰۸۱۶ [۴] ایضاً، رقم: ۱۰۸۰۹ [۵] ایضاً، رقم: ۱۱۱۸۱

اور خیاطت وغیرہ داخل ہیں۔ اُسد الغابہ اور مسند امام احمد بن حنبل کی متعدّد روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابیات رضی اللہ عنہن عموماً کپڑے بُنا کرتی تھیں جو انکو اور انکی اولاد کو کافی ہوتا تھا۔

کاشت کاری تمام صحابیات نہیں کرتی تھیں بلکہ وہ مدینہ یا دیگر سرسبز مقامات کے باشندوں کے ساتھ مخصوص تھی۔ مدینہ میں عموماً انصار کی عورتیں کاشت کاری کرتی تھیں، مہاجر عورتوں میں حضرت اسماء کا بھی یہی مشغلہ تھا۔[1]

لکھنا بہت سی صحابیات رضی اللہ عنہن جانتی تھیں۔ چنانچہ حضرت شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا کو اس میں خاص طور پر شہرت حاصل ہے، جنہوں نے ایامِ جاہلیت میں ہی لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ حضرت شفاء رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضرت حفصہ، اُمّ کلثوم بنت عقبہ اور کریمہ بنت المقداد رضی اللہ عنہن بھی لکھنا جانتی تھیں۔ حضرت عائشہ اور حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو اگرچہ پڑھنا آتا تھا لیکن لکھنا نہیں آتا تھا۔[2]

صحابیات رضی اللہ عنہن میں بعض عورتیں تجارت بھی کرتی تھیں، چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تجارت نہایت وسیع پیمانہ پر شام سے تھی۔[3] حضرت حولاء، حضرت ملیکہ، حضرت ثقفیہ[4] اور بنت مخربہ رضی اللہ عنہن عطر کی تجارت کیا کرتی تھیں۔[5]

سینا عام تھا چنانچہ فاطمہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کے حالات سے اس کا پتہ چلتا ہے۔

شادی بیاہ اور خوشی کے تقریبات میں انصار کی لڑکیاں گیت گالیتی تھیں، بلکہ کبھی کبھی شادی بیاہ اور خوشی کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی اشعار گائے ہیں اور فریعہ بنت معوذ رضی اللہ عنہا نے جو حدیث روایت کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دے دی تھی۔ مدینہ میں ایک بی بی تھیں جن کا نام ارنب رضی اللہ عنہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو انصار کی بعض شادیوں میں گیت گانے کو بھیجا ہے، ارنب رضی اللہ عنہا کا تذکرہ اصابہ میں آیا ہے۔[6]

---

[1] صحیح بخاری، رقم: ۳۱۵۱
[2] فتوح البلدان: اُمر الخط
[3] اسد الغابہ، رقم: ۶۸۷۴
[4] ان کا تذکرہ نہیں ملا۔
[5] اسد الغابہ، رقم: ۶۸۶۷، ۷۲۹۷۔ اصابہ، رقم: ۱۰۸۱۳
[6] رقم، ۱۰۷۸۶

ازواجِ مطہرات میں حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا الحن کے ساتھ قرآن پڑھتی تھیں اور خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز پر پڑھ سکتی تھیں۔[1]

ان صنعتوں کے علاوہ بعض صحابیات اور کام بھی جانتی تھیں مثلاً حضرت سودہ رضی اللہ عنہا طائف کی کھالیں درست کرتیں اور انکو دباغت دیتی تھیں۔[2] حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی دست کار تھیں۔[3]

اس تمام تفصیل کے بعد اب ہم کو اس کتاب کے متعلق عرض کرنا ہے۔

انتخاب وترتیب: یہ کتاب صحابیات رضی اللہ عنہن کے حالات میں ہے اور سیرُ الصحابہ کی آخری جلد ہے۔ صحابیات کے حالات میں اگرچہ بعض مخصوص کتابیں لکھی گئی ہیں مثلاً ابن اثیر (المتوفّٰی ۶۳۰ھ) نے ''تاریخ النساء'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جو ناپید ہے۔ اس کے علاوہ اسماء الرّجال کی تمام کتابوں میں ان کا خاص طور پر تذکرہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ ابن مندہ (المتوفّٰی ۳۹۵ھ)، ابونعیم (المتوفّٰی ۴۰۳ھ)، قاضی ابن عبدالبر (المتوفّٰی ۴۶۳ھ) اور ابوموسیٰ اصفہانی (المتوفّٰی ۵۸۱ھ) رحمۃ اللہ علیہم نے اپنی کتابوں میں ان کے حالات لکھے ہیں۔

قاضی ابن عبدالبر کی کتاب کا نام ''استیعاب'' ہے، اس میں ۳۹۸ صحابیات رضی اللہ عنہن کے حالات ہیں جن میں مکرّرات ہیں۔ ''اصابہ'' میں لکھا ہے کہ استیعاب کی وجہ سے قاضی صاحب نے اپنے خیال میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا استقصاء کرلیا تھا، حالانکہ اگر صحابہ کو چھوڑ کر صرف صحابیات کو لیا جائے تب بھی یہ خیال غلط ٹھہرتا ہے۔ ''طبقات'' میں جو محمد بن سعد زہری کاتبِ واقدی کی تصنیف ہے، اور تیسری صدی کے اوائل میں لکھی گئی ہے، ۶۲۷ عورتوں کے حالات درج ہیں جن میں ۹۳ غیر صحابیات ہیں۔ ابن سعد نے اپنی کتاب کی آٹھویں جلد مستقل عورتوں کے حالات میں لکھی ہے۔

قاضی صاحب کے علاوہ اثیر جزری (المتوفّٰی ۶۳۰ھ) نے ''اسد الغابہ'' کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی جس میں عورتوں کے حالات کا ایک حصّہ مخصوص کیا اس میں ۱۰۲۲ صحابیات کے نام ہیں جن میں مکرّرات کے علاوہ ۶۷ مجہول عورتیں بھی ہیں۔

---

[1] مسند، رقم: ۲۶۵۶۴، ۲۶۵۸۳ [2] اسد الغابہ، رقم: ۶۹۵۵ [3] ایضاً

نویں صدی میں حافظ ابن حجر عسقلانی (المتوفیٰ ۸۵۲ھ) نے اسماء الرِّجال پر دو نہایت ضخیم کتابیں لکھیں۔ ''تہذیب التہذیب'' اور ''الاصابہ فی تمیز الصحابہ''، تہذیب کی بارہویں جلد کا ایک حصّہ عورتوں کے حالات میں ہے جس میں ۳۲۲ عورتوں کے تذکرے ہیں۔ ان میں مکرّر نام بھی آگئے ہیں اور تابعیات کے حالات بھی البتہ اصابہ کی آٹھویں جلد خاص صحابیات کے حالات میں ہے جس میں ۱۵۴۵ عورتوں کا تذکرہ ہے، اس میں مکرّرات بھی ہیں اور کنیتیں بھی۔ اصابہ میں صحابیات کی سب سے بڑی تعداد مذکور ہے۔

تاہم ان تمام کتابوں میں چند خصائص مشترک ہیں:

(۱) سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اسماء الرِّجال کے مصنّفین کا مقصد محض ناموں کا استقصاء ہوتا ہے ان کو اپنے مقصد کے لحاظ سے اس سے بحث نہیں ہوتی کہ جو واقعات ہاتھ آئے ہیں، ان سے کوئی مفید تاریخی نتیجہ نکل سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ یہ بحث ان کے فن سے خارج ہے۔

(۲) کثرت سے ان کو ایسے نام لکھنے پڑتے ہیں جن کے حالات دوسرے طریقوں سے بالکل معلوم نہیں ہوتے، یہ وہ نام ہیں جو بر سبیل تذکرہ کسی حدیث میں آگئے ہیں۔

(۳) بعض جگہ صرف کُنیَتُ یا لَقَبُ لکھ دیتے ہیں کہ اس سے زیادہ ان کا کوئی حال ان کو معلوم نہ ہوسکا۔

(۴) کہیں بالکل مبہم تذکرہ کرتے ہیں مثلاً امرأۃ (ایک عورت) اور اس کے بعد کوئی واقعہ لکھتے ہیں، اس سے زیادہ کا علم ہی نہیں ہوتا۔

(۵) عموماً جن عورتوں کے حالات پہلے لکھ جاتے ہیں ان کا کنیتوں اور القاب میں دوبارہ تذکرہ کرتے ہیں جس سے تکرار پیدا ہوتی ہے۔

ان کے علاوہ ایک اور مشکل یہ ہے کہ ان تمام کتابوں میں کوئی خاص ترتیب ملحوظ نہیں ہے، تہذیب میں تو تابعیات تک کے حالات ہیں، البتہ ''طبقات ابن سعد'' اس نکتہ چینی میں شامل نہیں ہے، وہ ترتیب کے ساتھ لکھی گئی ہے، پہلے آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیوں، پھوپھیوں، ان کی لڑکیوں اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے تراجم ہیں پھر قریش اور عام مہاجرات کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد انصاریات رضی اللہ عنہن کے حالات ہیں، جن میں ہر خاندان کا ذکر جُدا جُدا ہے۔

آخر میں ان عورتوں کا تذکرہ ہے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے بجائے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے روایت کی ہے اور یہ حصّہ صحابیات رضی اللہ عنہن سے بالکل الگ ہے۔

اس میں شک نہیں کہ صحابیات کے استقصاء اور ان کی سیرتوں کی ترتیب کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہوسکتا، لیکن موجودہ زمانہ میں فنِ سیرت نگاری نے جو ترقی کی ہے ان کے لحاظ سے یہ تمام کتابیں ناکافی تھیں، نیز مسلمانوں کا موجودہ تنزل ان کی کتابوں کو نئے آب و رنگ سے پیش کرنے کا داعی تھا۔ اس بنا پر ہم نے کتبِ اسماء الرّجال کے ساتھ صحاحِ ستہ اور مسند امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا مطالعہ کر کے مفید معلومات کا اضافہ کیا اور بالکل جدید انداز سے صحابیات کی سیرتیں مرتّب کیں۔

اسماء الرّجال کی کتابوں میں مناقب پر زیادہ زور دیا جاتا تھا، ہم نے ان کے بجائے مذہبی، سیاسی، علمی اور اخلاقی کارناموں پر زیادہ توجہ کی اور ان کو زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا کیونکہ یہی وہ چیزیں ہیں جو ایک مردہ قوم کے قالب میں جان ڈال سکتی ہیں۔ یہ وہ خیال تھا جس نے خود بخود صحابیات کی تعداد کو گھٹا دیا، جس سے ہمارا دائرۂ انتخاب بھی بہت کچھ محدود ہوگیا۔

اس کتاب میں ۴۵ صحابیات کی سوانح عمریاں ہیں جو شرائطِ مذکورہ کے ساتھ لکھی گئی ہیں اور اس بنا پر یہ کتاب فنِ اسماء الرجال میں داخل ہونے کے بجائے صحابیات کی تاریخ بن گئی ہے۔ جس میں ان کے محاسنِ کمال کا ایک خال و خط نظر آتا ہے۔

واقعات کے انتخاب میں خاص احتیاط مدّنظر رکھی گئی ہے اور ان کو روایت و درایت کی کسوٹی پر جانچ لیا گیا ہے، اسی بنا پر بہت سے واقعات جو عام کتابوں میں مُتداوَل ہیں، اس کتاب میں نہیں ملیں گے۔

اس میں ناظرین کو صحابیات رضی اللہ عنہن کے حالات میں بعض ایسی روایتیں ملیں گی جو مسائلِ فقہ کے معارض ہیں۔ اس لیے یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ یہ کتاب تذکرہ و تراجم کی ہے اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس پاکیزہ جماعت کی زندگی کا نقشہ ہمارے سامنے آجائے مسائلِ فقہ کی تشریح اور روایاتِ مختلفہ کی تطبیق و ترجیح اس کا موضوع نہیں ہے۔ اس لیے اختلافی مسائلِ فقہ میں اس کتاب کو اپنے عمل کے لیے سند بنانا صحیح نہ ہوگا۔

ناظرین کی سہولت کے لیے اس قسم کی مندرجہ روایات پر نوٹ دے دیئے گئے ہیں۔ ان تمام باتوں کے ساتھ ممکن بلکہ اغلب ہے کہ مجھ سے تحریر میں کچھ فروگذاشتیں ہوگئی ہوں لیکن انسان اس سے زیادہ اور کیا کرسکتا ہے۔

وَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا۔ (سورۂ بقرہ:۲۸۶)

سعید انصاری
دارالمصنّفین اعظم گڑھ
۵/محرم ۱۳۴۰ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دیباچہ طبع ثانی

از علامہ سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

دارالمصنّفین نے سیرُ الصّحابہ رضی اللہ عنہم کا جو سلسلہ لکھا اور شائع کیا تھا، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مسلمانوں میں اس کو مقبولیت بخشی اور بہت سے سعادت مندوں کو اس سے علمی و عملی فائدے پہنچائے۔ اس سے امید ہے کہ اس سلسلہ کے لکھنے والوں کو ان شاء اللہ تعالیٰ اجرِ آخرت بھی ملے گا۔

اس سلسلہ کو دارالمصنّفین کے حسب ذیل رفقاء نے لکھ کر پورا کیا ہے:

(۱) مولانا عبدالسلام صاحب ندوی

(۲) مولانا حاجی معین الدین صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ (سابق صدر مدرس مدرسہ شمس الہدیٰ، پٹنہ)

(۳) مولانا شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ

(۴) مولانا سعید احمد انصاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ

یہ سیرُ الصّحابیات رضی اللہ عنہن آخر الذکر رفیق کے قلم سے نکلی ہے اور یہ پہلی دفعہ آج سے ۲۳ برس پہلے ۱۳۴۱ھ میں چھپی تھی، اور اب وہ دوبارہ شائع کی جا رہی ہے۔ اس دوسرے ایڈیشن پر ہمارے ایک اور رفیق مولانا محمد اویس صاحب نگرامی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے نظر ثانی کی ہے، حوالوں کی تصحیح، بعض غلطیوں کی اصلاح اور بعض مطالب میں مناسب ترمیم بھی انہوں نے کی ہے جس کے لیے وہ شکریہ کے مستحق ہیں۔ امید ہے کہ یہ کتاب اس کے بعد اپنی افادیت میں پہلے سے بہتر اور ان شاء اللہ مؤلف اور مصحح دونوں کے لیے خیرِ جاری ثابت ہوگی۔

مسلمان عورتیں زمانہ کے نئے حالات سے بدل رہی ہیں، ان کے سامنے سعادت مند خواتین

کا کوئی اُسوہ موجود نہیں، اس لیے ان کا راہ سے ہٹنا دور از عقل نہیں۔ لیکن اگر ہماری بہنیں اور بیٹیاں اس کتاب کو اپنی زندگی کا نمونہ بنائیں تو انہیں معلوم ہوگا کہ دین داری، خدا ترسی، پاکیزگی، عِفّت اور اصلاح و تقویٰ کے ساتھ وہ دنیا کو کیوں کر نباہ سکتی ہیں اور دنیا و آخرت دونوں کی نیکیوں کو اپنے آنچل میں کیسے سمیٹ سکتی ہیں۔

والسلام

سیّد سلیمان ندوی

ناظم دارالمصنّفین۔ اعظم گڑھ

۴؍شعبان ۱۳۶۳ھ

(۱)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب: خدیجہ نام، اُمّ ہند کنیت، طاہرہ لقب۔ سلسلہ نسب یہ ہے: خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی، قصی پر پہنچ کران کا خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے مل جاتا ہے۔ والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا اور لُوی بن غالب کے دوسرے بیٹے عامر کی اولاد تھیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد اپنے قبیلہ میں نہایت معزز شخص تھے، مکّہ آ کر اقامت کی۔ عبدالدار بن قصی کے جواُن کے ابن عمّ تھے حلیف بنے اور یہیں فاطمہ بنت زائدہ سے شادی کی، جن کے بطن سے عام الفیل سے ۱۵ سال قبل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں[۱] سنِ شعور کو پہنچیں تو اپنے پاکیزہ اخلاق کی بنا پر طاہرہ کے لقب سے مشہور ہوئیں[۲]

نکاح: باپ نے ان صفات کا لحاظ رکھ کر شادی کے لیے ورقہ بن نوفل کو جو برادر زادہ اور تورات وانجیل کے بہت بڑے عالم تھے، منتخب کیا لیکن پھر کسی وجہ سے یہ نسبت نہ ہوسکی اور ابو ہالہ بن نباش تمیمی سے نکاح ہوگیا[۳]

ابو ہالہ کے بعد عتیق بن عابد مخزومی کے عقدِ نکاح میں آئیں، اسی زمانہ میں حرب الفجار چھڑی، جس میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے باپ لڑائی کے لیے گئے اور مارے گئے[۴] یہ عام الفیل سے ۲۰ سال بعد کا واقعہ ہے[۵]

تجارت: باپ اور شوہر کے مرنے کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سخت دقّت واقع ہوئی، ذریعۂ معاش تجارت تھی جس کا کوئی نگران نہ تھا۔ تاہم اپنے اعزّہ کو معاوضہ دے کر مالِ تجارت

---

[۱] طبقات ابن سعد، رقم: ۴۰۸۸ [۲] اصابہ، رقم ۱۱۰۹۲ [۳] استیعاب، رقم: ۳۳۴۷

[۴] یہاں کچھ تسامح ہے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد کا انتقال حرب الفجار سے پہلے ہوا ہے۔ طبقات: ذکر تزویج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدیجہ بنت خویلد

[۵] طبقات: ذکر حضور رسول صلی اللہ علیہ وسلم حرب الفِجَار

بھیجتی تھیں۔ ایک مرتبہ مال کی روانگی کا وقت آیا تو ابو طالب نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ تم کو خدیجہ رضی اللہ عنہا سے جا کر ملنا چاہیے، ان کا مال شام جائے گا، بہتر ہوتا کہ تم بھی ساتھ جاتے۔ میرے پاس روپیہ نہیں ورنہ میں خود تمہارے ساتھ سرمایہ مہیّا کر دیتا۔

رسول اللہ ﷺ کی شہرت ''امین'' کے لقب سے تمام مکّہ میں تھی اور آپ کے حسنِ معاملت، راست بازی، صدق و دیانت اور پاکیزہ اخلاق کا عام چرچا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اس گفتگو کی خبر ملی تو فوراً پیغام بھیجا کہ ''آپ میرا مالِ تجارت لے کر شام کو جائیں جو معاوضہ میں اوروں کو دیتی ہوں آپ کو اس کا مضاعف دوں گی۔'' آنحضرت ﷺ نے قبول فرمالیا اور مالِ تجارت لے کر میسرہ (غلام خدیجہ رضی اللہ عنہا) کے ہمراہ بُصریٰ (شام میں ایک جگہ) تشریف لے گئے، اس سال کا نفع سالہائے گزشتہ کے نفع سے مضاعف تھا۔[1]

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کے عقدِ نکاح میں آتی ہیں: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دولت وثروت اور شریفانہ اخلاق نے تمام قریش کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا اور ہر شخص ان سے نکاح کا خواہاں تھا، لیکن کارکنانِ قضا وقدر کی نگاہِ انتخاب کسی اور پر پڑ چکی تھی۔ آنحضرت ﷺ مال تجارت لے کر شام سے واپس آئے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے شادی کا پیغام بھیجا۔ نفیسہ بنت مُنیہ (یعلی بن مُنیہ کی ہمشیرہ) اس خدمت پر مقرّر ہوئی، آپ نے منظور فرمایا اور شادی کی تاریخ مقرّر ہوگئی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد اگر چہ وفات پاچکے تھے، تاہم ان کے چچا عمرو بن اسد زندہ تھے۔[2] عرب میں عورتوں کو یہ آزادی حاصل تھی کہ شادی بیاہ کے متعلق خود گفتگو کرسکتی تھیں۔ اسی بنا پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے چچا کے ہوتے ہوئے خود براہِ راست تمام مراتب طے کیے۔

تاریخِ معیّن پر ابو طالب اور تمام رؤسائے خاندان جن میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر آئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے خاندان کے چند بزرگوں کو جمع کیا تھا۔ ابو طالب نے خطبہ نکاح پڑھا۔ عمرو بن اسد کے مشورہ سے ۵۰۰ طلائی درہم مہر

---

[1] طبقات: ذکر خروج رسول اللہ ﷺ الی الشام فی المرۃ الثانیۃ [2] طبقات، رقم: ٤٠٨٨

قرار پایا اور خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا حرمِ نبوّت ہو کر اُمّ المومنین کے شرف سے ممتاز ہوئیں۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پچیس سال کے تھے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس برس کی تھی۔ یہ بعثتِ نبوی سے پندرہ سال قبل کا واقعہ ہے۔[1]

اسلام: پندرہ برس کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر ہوئے اور فرائضِ نبوّت کو ادا کرنا چاہا تو سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یہ پیغام سنایا، وہ سننے سے پہلے مؤمن تھیں، کیونکہ ان سے زیادہ آپ کے صدقِ دعویٰ کا کوئی شخص فیصلہ نہیں کرسکتا تھا۔ صحیح بخاری باب بدء الوحی میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے اور وہ یہ ہے:

عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رضی اللہ عنہا اَنَّهَا قَالَتْ: اَوَّلُ مَابُدِئَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ، فَكَانَ لَايَرٰى رُؤْيَا اِلَّا جَاءَ تْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ ثُمَّ حُبِّبَ اِلَيْهِ الْخَلَاءُ، وَكَانَ يَخْلُوْ بِغَارِ حِرَاءٍ فَيَتَحَنَّثُ فِيْهِ (وَهُوَ التَّعَبُّدُ اللَّيَالِي) ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ اَنْ يَنْزِعَ اِلٰى اَهْلِهٖ وَيَتَزَوَّدُ لِذٰلِكَ، ثُمَّ يَرْجِعُ اِلٰى خَدِيْجَةَ رضی اللہ عنہا فَيَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا، حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَهُوَ فِيْ غَارِ حِرَاءٍ فَجَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ: اِقْرَأْ، قَالَ: مَا اَنَا بِقَارِئٍ، قَالَ فَاَخَذَنِيْ فَغَطَّنِيْ حَتّٰى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ، ثُمَّ اَرْسَلَنِيْ فَقَالَ: اِقْرَأْ، قُلْتُ: مَا اَنَا بِقَارِئٍ، فَاَخَذَنِيْ فَغَطَّنِي الثَّانِيَةَ حَتّٰى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ، ثُمَّ اَرْسَلَنِيْ فَقَالَ: اِقْرَأْ، فَقُلْتُ: مَا اَنَا بِقَارِئٍ، فَاَخَذَنِيْ فَغَطَّنِي الثَّالِثَةَ، ثُمَّ اَرْسَلَنِيْ فَقَالَ: ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ○ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ﴾.

فَرَجَعَ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَرْجُفُ فُؤَادُهٗ، فَدَخَلَ عَلٰى خَدِيْجَةَ بِنْتِ خُوَيْلِدٍ فَقَالَ: زَمِّلُوْنِيْ زَمِّلُوْنِيْ، فَزَمَّلُوْهُ حَتّٰى ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ، فَقَالَ لِخَدِيْجَةَ، وَاَخْبَرَهَا الْخَبَرَ: لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ، فَقَالَتْ خَدِيْجَةُ: كَلَّا، وَاللّٰهِ! مَايُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا، اِنَّكَ لَتَصِلُ

---

[1] اصابہ، رقم: ۱۱۰۹۲

الرَّحِمَ، وَتَحمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيفَ، وَتُعِينُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ. فَانْطَلَقَتْ بِهٖ خَدِيْجَةُ حَتّٰى اَتَتْ بِهٖ وَرَقَةَ بْنَ نَوْفَلِ بْنِ اَسَدِ بْنِ عَبْدِ الْعُزّٰى ابْنَ عَمِّ خَدِيْجَةَ. وَكَانَ امْرَءًا قَدْ تَنَصَّرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَكَانَ يَكْتُبُ الْكِتَابَ الْعِبْرَانِيَّ، فَيَكْتُبُ مِنَ الْاِنْجِيْلِ بِالْعِبْرَانِيَّةِ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَّكْتُبَ، وَكَانَ شَيْخًا كَبِيْرًا قَدْ عَمِيَ، فَقَالَتْ لَهٗ خَدِيْجَةُ: يَا ابْنَ عَمِّ، اسْمَعْ مِنِ ابْنِ اَخِيْكَ، فَقَالَ لَهٗ وَرَقَةُ: يَابْنَ اَخِيْ مَاذَا تَرٰى؟ فَاَخْبَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَبَرَ مَارَاٰى، فَقَالَ لَهٗ وَرَقَةُ: هٰذَا النَّامُوْسُ الَّذِيْ نَزَّلَ اللّٰهُ عَلٰى مُوْسٰى. يَالَيْتَنِيْ فِيْهَا جَذَعٌ. لَيْتَنِيْ اَكُوْنُ حَيًّا اِذْ يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَوَمُخْرِجِيَّ هُمْ؟ قَالَ: نَعَمْ، لَمْ يَاْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمِثْلِ مَاجِئْتَ بِهٖ اِلَّا عُوْدِيَ وَاِنْ يُدْرِكْنِيْ يَوْمُكَ اَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا، ثُمَّ لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ اَنْ تُوُفِّيَ وَفَتَرَ الْوَحْيُ.[1]

''اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ پر وحی کی ابتدا رؤیائے صادقہ سے ہوئی۔ آپ جو کچھ خواب میں دیکھتے تھے سپیدۂ صبح کی طرح نمودار ہوجاتا تھا، اس کے بعد آپ خلوت گزیں ہوگئے۔ چنانچہ کھانے پینے کا سامان لے کر غارِ حراء تشریف لے جاتے اور وہاں تحنّث یعنی عبادت کرتے تھے، جب سامان ختم ہوجاتا تو پھر خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لاتے اور پھر واپس جاکر مراقبہ میں مصروف ہوتے، یہاں تک کہ ایک دن فرشتۂ غیب نظر آیا کہ آپ سے کہہ رہا ہے پڑھ، آپ نے فرمایا: میں پڑھا لکھا نہیں، اس نے زور سے دبایا، پھر مجھ کو چھوڑ دیا اور کہا پڑھ، تو میں نے پھر کہا کہ میں پڑھا لکھا نہیں، پھر اس نے دوبارہ زور سے دبایا اور چھوڑ دیا اور کہا پڑھ، پھر میں نے کہا میں پڑھا لکھا نہیں، اسی طرح تیسری بار دبا کر کہا، ''پڑھ اس خدا کا نام جس نے کائنات کو پیدا کیا، جس نے آدمی

[1] صحیح بخاری، رقم:۳

کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھ تیرا خدا کریم ہے۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو جلالِ الٰہی سے لبریز تھے۔ آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''مجھ کو کپڑا اوڑھاؤ، مجھ کو کپڑا اوڑھاؤ''، لوگوں نے کپڑا اوڑھایا تو ہیبت کم ہوئی۔ پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تمام واقعہ بیان کیا اور کہا: ''مجھ کو ڈر ہے'' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''آپ متردّد نہ ہوں خدا آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے کسوں اور فقیروں کے معاون رہتے ہیں، مہمان نوازی اور مصائب میں حق کی حمایت کرتے ہیں۔'' پھر وہ آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو کہ مذہباً نصرانی تھے، عبرانی زبان جانتے تھے اور عبرانی زبان میں انجیل لکھا کرتے تھے، اب وہ بوڑھے اور نابینا ہوگئے تھے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اپنے بھتیجے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کی باتیں سنو۔ بولے ابن الاخ! تم نے کیا دیکھا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ کی کیفیت بیان کی تو کہا یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ پر اترا تھا، کاش مجھ میں اس وقت قوّت ہوتی اور زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو شہر بدر کرے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے جواب دیا: ہاں! جو کچھ آپ پر نازل ہوا جب کسی پر نازل ہوتا ہے تو دنیا اس کی مخالف ہوجاتی ہے اور اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو تمہاری وزنی مدد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ کا بہت جلد انتقال ہوگیا اور وحی کچھ دنوں کے لیے رک گئی۔''

اس وقت تک نماز پنجگانہ فرض نہ تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نوافل پڑھا کرتے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ نوافل میں شرکت کرتی تھیں۔ ابن سعد کہتے ہیں:

مَكَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَخَدِيْجَةُ يُصَلِّيَانِ سِراً مَاشَاءَ اللّٰهُ.[1]

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک عرصہ تک خفیہ طور پر نماز پڑھتے رہے۔''

عفیف کندی سامان خریدنے کے لیے مکّہ آئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر میں فروکش

---

[1] طبقات، رقم: ۴۰۸۸

ہوئے، صبح کے وقت ایک دن کعبہ کی طرف نظر تھی، دیکھا کہ ایک نوجوان آیا اور آسمان کی طرف دیکھ کر قبلہ رخ کھڑا ہو گیا۔ پھر ایک لڑکا اس کے داہنی طرف آکر کھڑا ہوا، پھر ایک عورت دونوں کے پیچھے کھڑی ہوئی۔ نماز پڑھ کر یہ لوگ چلے گئے تو عفیف نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کوئی عظیم الشّان واقعہ پیش آنے والا ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ہاں! پھر کہا جانتے ہو یہ نوجوان کون ہے؟ یہ میرا بھتیجا محمد ہے، یہ دوسرا بھتیجا علی ہے اور یہ محمد کی بیوی (خدیجہ رضی اللہ عنہا) ہے۔ میرے بھتیجے کا خیال ہے کہ اس کا مذہب پروردگارِ عالم کا مذہب ہے اور وہ جو کچھ کرتا ہے اس کے حکم سے کرتا ہے، دنیا میں جہاں تک مجھ کو علم ہے اس خیال کے صرف یہی تین شخص ہیں۔[1]

عُقیلی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کو ضعیف سمجھتے ہیں، لیکن ہمارے نزدیک اس کے ضعیف ہونے کی کوئی وجہ نہیں، درایت کے لحاظ سے اس میں کوئی خرابی نہیں، روایت کی حیثیت سے اس کے ثبوت کے متعدّد طُرق ہیں، مُحدّث ابن سعد نے اس کو نقل کیا ہے۔ بغوی، ابویعلی اور نسائی رحمۃ اللہ علیہم نے اس کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے، حاکم، ابن خثیمہ، ابن مندہ اور صاحب غیلانیات رحمۃ اللہ علیہم نے اسے مقبول مانا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں درج کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے صرف نبوّت کی تصدیق ہی نہیں کی بلکہ آغازِ اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی مُعین و مددگار ثابت ہوئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو چند سال تک کفّارِ مکّہ اذیّت دیتے ہوئے ہچکچاتے تھے، اس میں بڑی حد تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا اثر کام کر رہا تھا، اوپر گزر چکا ہے کہ آغازِ نبوّت میں جب آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ ''مجھ کو ڈر ہے'' تو انہوں نے کہا: ''آپ متردّد نہ ہوں، خدا آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا'' دعوتِ اسلام کے سلسلے میں جب مشرکین نے آپ کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں، تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو تسلّی اور تشفّی دی۔ استیعاب میں ہے:

فَكَانَ لَا يَسْمَعُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ شَيْئًا يَكْرَهُ مِنْ رَدٍّ عَلَيْهِ وَتَكْذِيْبٍ لَّهٗ

---

[1] طبقات، رقم: ۴۰۸۸

اِلَّا فَرَّجَ اللّٰهُ عَنهُ بِهَا تُثَبِّتُهُ وَتُصَدِّقُهُ وَتُخَفِّفُ عَنهُ وَتُهَوِّنُ عَلَيهِ مَايَلقٰى مِن قَومِهِ۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کی تردید یا تکذیب سے جو کچھ صدمہ بھی پہنچتا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آکر دور ہو جاتا تھا کیونکہ وہ آپ کی باتوں کی تصدیق کرتی تھیں اور مشرکین کے معاملہ کو آپ کے سامنے ہلکا کر کے پیش کرتی تھیں۔

سن ۷ نبوی میں جب قریش نے اسلام کے تباہ کرنے کا فیصلہ کیا تو یہ تدبیر سوچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کو ایک گھاٹی میں محصور کیا جائے، چنانچہ ابو طالب مجبور ہو کر تمام خاندانِ ہاشم کے ساتھ شعب ابی طالب میں پناہ گزین ہوئے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی ساتھ آئیں۔ سیرت ابن ہشام میں ہے:

وَهِيَ عِندَ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَمَعَهُ فِي الشِّعبِ۔[2]

''اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شعب ابی طالب میں تھیں۔''

تین سال تک بنو ہاشم نے اس حصار میں بسر کی، یہ زمانہ ایسا سخت گزرا کہ طلح کے پتے کھا کھا کر رہتے تھے، تاہم اس زمانہ میں بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اثر سے کبھی کبھی کھانا پہنچ جاتا تھا، چنانچہ ایک دن حکیم بن حزام نے جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بھتیجا تھا، تھوڑے سے گیہوں اپنے غلام کے ہاتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجے، راہ میں ابوجہل نے دیکھ لیا اور چھین لینا چاہا اتفاق سے ابوالبختری کہیں سے آگیا۔ وہ اگرچہ کافر تھا لیکن اس کو رحم آیا اس نے ابوجہل سے کہا، ایک شخص اپنی پھوپھی کو کچھ کھانے کے لیے بھیجتا ہے تو تُو کیوں روکتا ہے؟[3]

وفات: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نکاح کے بعد پچیس برس تک زندہ رہیں اور ۱۱ر رمضان ۱۰ نبوی (ہجرت سے تین سال قبل) انتقال کیا[4] اس وقت انکی عمر ۶۴ سال ۶ ماہ کی تھی۔ چونکہ نمازِ جنازہ اس وقت تک مشروع نہیں ہوئی تھی، اس لیے ان کی لاش مبارک اسی طرح دفن کر دی گئی۔

---

[1] استیعاب، رقم: ۳۳۴۷

[2] سیرت ابن ہشام: خبر الصحیفة

[3] حوالہ سابقہ

[4] بخاری، رقم: ۳۸۹۶

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کی قبر میں اُترے اور اپنی سب سے بڑی غمگسار کو داعیٔ اجل کے سپرد کیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قبر حَجون میں ہے اور زیارت گاہ خلائق ہے۔[1]

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے تاریخ اسلام میں ایک جدید دور شروع ہوا۔ یہی زمانہ ہے جو اسلام کا سخت ترین زمانہ ہے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سال کو عام الحزن (سالِ غم) فرمایا کرتے تھے، کیونکہ ان کے اُٹھ جانے کے بعد قریش کو کسی شخص کا پاس نہیں رہ گیا تھا اور اب وہ نہایت بے رحمی اور بے باکی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستاتے تھے۔ اسی زمانہ میں آپ اہل مکّہ سے ناامید ہو کر طائف تشریف لے گئے تھے۔

اولاد: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہت سی اولاد ہوئیں۔ ابوہالہ سے جو اِن کے پہلے شوہر تھے، دو لڑکے پیدا ہوئے جن کے نام ہالہ اور ہند تھے۔ دوسرے شوہر یعنی عتیق سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام بھی ہند تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ اولادیں ہوئیں۔ دو صاحبزادے جو بچپن میں انتقال کر گئے اور چار صاحبزادیاں۔ نام حسب ذیل ہیں:[2]

(۱) حضرت قاسم رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے لڑکے تھے، ان ہی کے نام پر آپ ابوالقاسم کنیت کرتے تھے، صغرسنی میں مکّہ میں انتقال کیا، اس وقت پیروں چلنے لگے تھے۔

(۲) حضرت زینب رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحب زادی تھیں۔

(۳) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بہت کم عمر پائی، چونکہ زمانۂ نبوّت میں پیدا ہوئے تھے اس لیے طیّب اور طاہر کے لقب سے مشہور ہوئے۔

(۴) حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا

(۵) حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا

(۶) حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا۔

ان سب میں ایک ایک سال کا چھوٹا پا بڑاپا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی اولاد کو بہت چاہتی تھیں اور چونکہ دنیا نے بھی ساتھ دیا تھا یعنی صاحبِ ثروت تھیں، اس لیے عقبہ کی لونڈی سلمہ کو

---

[1] طبقات ابن سعد، رقم: ۴۰۸۸ [2] اصابہ، رقم: ۱۱۰۹۲

بچوں کی پرورش پر مقرر کیا، وہ ان کو کھلاتی اور دودھ پلاتی تھیں۔
ازواجِ مطہرات میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بعض خصوصیتیں حاصل ہیں، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی ہیں، وہ جب عقدِ نکاح میں آئیں تو انکی عمر چالیس برس تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد ان ہی سے پیدا ہوئی۔

فضائل و مناقب: اُمّ المومنین حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی عظمت وفضیلت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرضِ نبوّت ادا کرنا چاہا تو فضائے عالم سے ایک آواز بھی آپ کی تائید میں نہ اُٹھی۔ کوہ حرا، وادیٔ عرفات، جبل فاران غرض تمام جزیرۃ العرب آپ کی آواز پر ایک پیکرِ تصویر بنا ہوا تھا۔ لیکن اس عالمگیر خاموشی میں صرف ایک آواز تھی جو فضائے مکّہ میں تموّج پیدا کر رہی تھی، یہ آواز حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے قلبِ مبارک سے بلند ہوئی تھی، جو اس ظلمت کدہ کفر وضلالت میں انوارِ الٰہی کا دوسرا تجلّی گاہ تھا۔
حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا وہ مقدّس خاتون ہیں جنہوں نے نبوّت سے پہلے بت پرستی چھوڑ دی تھی۔ چنانچہ مسندِ احمد بن حنبل میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''بخدا! میں کبھی لات وعزیٰ کی پرستش نہیں کروں گا۔'' انہوں نے جواب دیا کہ لات کو جانے دیجیے، عزیٰ کو جانے دیجیے یعنی ان کا ذکر بھی نہ کیجیے[1]۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کی صدا بلند کی تو سب سے پہلے ان ہی نے اس پر لبّیک کہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کو ان کی ذات سے جو تقویت تھی وہ سیرتِ نبوی کے ایک ایک صفحہ سے نمایاں ہے۔ ابن ہشام میں ہے:

وَكَانَتْ لَهٗ وَزِيْرَ صِدْقٍ عَلَى الْإِسْلَامِ.[2]

''وہ اسلام کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچّی مشیرِ کار تھیں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو جو محبّت تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ باوجود اس تموّل اور اس دولت و

---

[1] مسند، رقم: ۱۷۹۴۷ [2] ابن ہشام: وفاة أبي طالب و خديجة وما عاناه رسول الله صلى الله عليه وسلم بعدهما.

ثروت کے جوان کو حاصل تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت خود کرتی تھیں، چنانچہ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا برتن میں کچھ لا رہی ہیں، آپ ان کو خدا کا اور میرا اسلام پہنچا دیجیے[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے سچی محبت تھی لیکن وہ مکہ میں غلام کی حیثیت سے رہتے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کو آزاد کیا اور اب وہ کسی دنیاوی رئیس کے خادم ہونے کے بجائے شہنشاہِ رسالت کے غلام تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بے انتہا محبت تھی آپ نے ان کی زندگی تک دوسری شادی نہیں کی، ان کی وفات کے بعد آپ کا معمول تھا کہ جب گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تو آپ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کی سہیلیوں کے پاس گوشت بھجواتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ گو میں نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کو نہیں دیکھا، لیکن مجھ کو جس قدر ان پر رشک آتا تھا کسی اور پر نہیں آتا تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ان کا ذکر کیا کرتے تھے، ایک دفعہ میں نے اس پر آپ کو رنجیدہ کیا، لیکن آپ نے فرمایا کہ ''خدا نے مجھ کو ان کی محبت دی ہے[2]۔''

ایک دفعہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد ان کی بہن ہالہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آئیں اور استیذان کے قاعدے سے اندر آنے کی اجازت مانگی ان کی آواز حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ملتی تھی، آپ کے کانوں میں آواز پڑی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا یاد آگئیں اور آپ جھجک اُٹھے اور فرمایا کہ ''ہالہ ہوں گی۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں، ان کو نہایت رشک ہوا، بولیں کہ ''کیا آپ ایک بڑھیا کو یاد کیا کرتے ہیں جو مر چکیں اور خدا نے ان سے اچھی بیویاں آپ کو دی ہیں؟'' صحیح بخاری میں یہ روایت یہیں تک ہے[3]۔ لیکن استیعاب میں ہے کہ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''ہرگز نہیں! جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انہوں نے تصدیق کی، جب لوگ کافر تھے وہ اسلام لائیں، جب میرا کوئی معین نہ تھا تو انہوں نے میری مدد کی اور میری اولاد ان ہی سے ہوئی[4]۔'' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مناقب میں بہت سی حدیثیں مروی ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم میں ہے:

---

[1] صحیح بخاری، رقم: ۳۸۲۰ [2] صحیح مسلم، رقم: ۶۲۷۸ [3] بخاری، رقم: ۳۸۲۱ [4] استیعاب، رقم: ۳۳۴۷

خَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ[1]

''عالم میں افضل ترین عورت مریم رضی اللہ عنہا اور خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔''

ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، خدیجہ رضی اللہ عنہا آئیں تو فرمایا:

بَشِّرْهَا بِبَيْتٍ فِي الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ لَا صَخَبَ فِيهِ وَلَا نَصَبَ.[2]

''ان کو جنّت میں ایسے گھر کی بشارت سنا دیجیے جو موتی کا ہوگا اور جس میں شور وغل اور محنت مشقت نہ ہوگی۔''

(۲)

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب: سودہ نام تھا۔ قبیلہ عامر بن لوی سے تھیں جو قریش کا ایک نامور قبیلہ تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے: سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حل بن عامر بن لوی۔ ماں کا نام شموس تھا۔ یہ مدینہ کے خاندان بنونجّار سے تھیں ان کا پورا نام ونسب یہ ہے: شموس بنت قیس بن زید بن عمرو بن لبید بن فراش بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار۔

نکاح: سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ سے جو ان کے والد کے ابن عم تھے، شادی ہوئی۔

قبولِ اسلام: ابتدائے نبوّت میں مشرّف بہ اسلام ہوئیں ان کے ساتھ ان کے شوہر بھی اسلام لائے اس بنا پر ان کو قدیم الاسلام ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حبشہ کی پہلی ہجرت کے وقت تک حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر مکّہ ہی میں مقیم رہے، لیکن جب مشرکین کے ظلم وستم کی کوئی انتہا نہ رہی اور مہاجرین کی ایک بڑی جماعت ہجرت کے لیے آمادہ ہوئی تو اس میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر بھی شامل ہوگئے۔

---

[1] بخاری، رقم: ۳۴۳۲۔ مسلم، رقم: ۶۲۷۱ [2] بخاری، رقم: ۳۸۲۰

کئی برس حبشہ میں رہ کر مکّہ واپس آئیں اور سکران رضی اللہ عنہ نے کچھ دن کے بعد وفات پائی۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا حرمِ نبوّت بنتی ہیں: ازواجِ مطہّرات رضی اللہ عنہن میں یہ فضیلت صرف حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد سب سے پہلے وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقدِ نکاح میں آئیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت پریشان و غمگین تھے یہ حالت دیکھ کر خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا (عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہا کی بیوی) نے عرض کی کہ آپ کو ایک مونس و رفیق کی ضرورت ہے آپ نے فرمایا: ہاں! گھر بار بال بچوں کا انتظام سب خدیجہ رضی اللہ عنہا کے متعلق تھا، آپ کے اِیماء سے وہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے والد کے پاس گئیں اور جاہلیت کے طریقہ پر سلام کیا اَنعِمْ صَبَاحاً پھر نکاح کا پیغام سنایا، انہوں نے کہا: ہاں! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) شریف کُفو ہیں لیکن سودہ رضی اللہ عنہا سے بھی دریافت کرلو۔ غرض سب مراتب طے ہوگئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے گئے اور سودہ رضی اللہ عنہا کے والد نے نکاح پڑھایا، چارسو درہم مہر قرار پائی۔ نکاح کے بعد عبداللہ بن زمعہ (حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے بھائی) جو اس وقت کافر تھے آئے اور ان کو یہ حال معلوم ہوا تو سر پر خاک ڈال لی کہ یہ کیا غضب ہوگیا؟ چنانچہ اسلام لانے کے بعد اپنی اس حماقت و نادانی پر ہمیشہ ان کو افسوس آتا تھا۔[۱]

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رمضان ۱۰ نبوی میں ہوا اور چونکہ ان کے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا زمانہ قریب قریب ہے اس لیے مؤرّخین میں اختلاف ہے کہ کس کو تقدّم حاصل ہے؟ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ سودہ رضی اللہ عنہا کو تقدّم ہے اور عبداللہ بن محمد بن عقیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مقدّم سمجھتے ہیں۔[۲]

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنے پہلے شوہر کی زندگی میں ایک خواب دیکھا تھا ان سے بیان کیا تو بولے کہ شاید میری موت کا زمانہ قریب ہے اور تمہارا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگا، چنانچہ یہ خواب حرف بہ حرف پورا ہوا۔[۳]

عام حالات: نبوّت کے تیرھویں سال جب آپ نے مدینہ منوّرہ ہجرت کی تو حضرت زید بن

---

[۱] زرقانی، تحت رقم: ۱۴۸۸ [۲] استیعاب، رقم: ۳۴۲۸ [۳] طبقات، رقم: ۴۱۱۹

حارثہ رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجا کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کو لے کر آئیں۔ چنانچہ وہ اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ آئیں۔

۱۰ ہجری میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بھی ساتھ تھیں، چونکہ وہ بلند وبالا اور فربہ اندام تھیں، اس وجہ سے تیزی کے ساتھ چل پھر نہیں سکتی تھیں، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی کہ اور لوگوں کے مزدلفہ روانہ ہونے کے قبل ان کو چلا جانا چاہیے، کیونکہ ان کو بھیڑ بھاڑ میں چلنے سے تکلیف ہوگی۔[1]

وفات: ایک دفعہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھیں، انہوں نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! ہم میں سب سے پہلے کون مرے گا؟ فرمایا کہ جس کا ہاتھ سب سے بڑا ہے، لوگوں نے ظاہری معنی سمجھے، ہاتھ ناپے گئے تو سب سے بڑا ہاتھ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا تھا[2] لیکن جب سب سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو معلوم ہوا کہ ہاتھ کی بڑائی سے آپ کا مقصود سخاوت اور فیاضی تھی۔ بہرحال واقدی نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا سالِ وفات ۵۴ ہجری بتایا ہے۔[3] لیکن ثقات کی روایت یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اخیر زمانۂ خلافت میں انتقال کیا۔[4]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۲۳ ہجری میں وفات پائی ہے اس لیے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا سالِ وفات ۲۲ ہجری ہوگا خمیس میں یہی روایت ہے اور یہی سب سے زیادہ صحیح ہے[5] اور اس کو امام بخاری، ذہبی، جزری، ابن عبدالبر اور خزرجی رحمۃ اللہ علیہم نے اختیار کیا ہے۔

اولاد: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، پہلے شوہر (حضرت سکران رضی اللہ عنہ) نے ایک لڑکا یادگار چھوڑا تھا جس کا نام عبدالرحمٰن تھا، انہوں نے جنگِ جلولاء (فارس) میں شہادت حاصل کی۔[6]

حلیہ: ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کوئی بلند و بالا نہ تھا، حضرت

---

[1] صحیح بخاری، رقم: ۱۶۸۰ [2] طبقات، رقم: ۴۱۱۹ [3] ایضاً

[4] اسد الغابہ، رقم: ۷۰۳۵۔ استیعاب، رقم: ۳۴۲۸ [5] الاستیعاب، رقم: ۳۴۲۸ [6] زرقانی: تذکرہ سودہ رضی اللہ عنہا

عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ جس نے ان کو دیکھ لیا اس سے وہ چھپ نہیں سکتی تھیں[۱] زرقانی میں ہے کہ ان کا قد لمبا تھا۔

فضل وکمال: حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے صرف پانچ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بخاری میں صرف ایک ہے۔ صحابہ میں حضرت عباس، ابن زبیر، اور یحییٰ بن عبدالرحمٰن (بن اسعد بن زرارہ) رضی اللہ عنہم نے ان سے روایت کی ہے۔

اخلاق: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

مَامِنَ النَّاسِ اِمْرَاَةٌ اَحَبَّ اِلَیَّ اَنْ اَکُوْنَ فِی مِسْلَاخِھَا مِنْ سَوْدَةَ.[۲]

''سودہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر مجھے یہ خیال نہیں ہوا کہ اس کے قالب میں میری روح ہوتی۔''

اطاعت اور فرمانبرداری میں وہ تمام ازواجِ مطہّرات رضی اللہ عنہن سے ممتاز تھیں۔ آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ازواجِ مطہّرات کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ ''میرے بعد گھر میں بیٹھنا[۳]'' چنانچہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اس حکم پر اس شدّت سے عمل کیا کہ پھر کبھی حج کیلئے نہ نکلیں، فرماتی تھیں کہ میں حج اور عمرہ دونوں کر چکی ہوں اور اب خدا کے حکم کے مطابق گھر میں بیٹھوں گی۔[۴]

سخاوت اور فیاضی بھی ان کا ایک نمایاں وصف تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا وہ اس وصف میں بھی سب سے ممتاز تھیں، ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی خدمت میں ایک تھیلی بھیجی، لانے والے سے پوچھا اس میں کیا ہے؟ بولا: درہم، بولیں: کھجور کی طرح تھیلی میں درہم بھیجے جاتے ہیں، یہ کہہ کر اسی وقت سب کو تقسیم کر دیا۔[۵] وہ طائف کی کھالیں بناتی تھیں اور اس سے جو آمدنی ہوتی تھی اس کو نہایت آزادی کے ساتھ نیک کاموں میں صرف کرتی تھیں۔[۶]

ایثار میں بھی وہ ممتاز حیثیت رکھتی تھیں وہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آگے پیچھے نکاح میں آئی تھیں لیکن چونکہ ان کا سن بہت زیادہ تھا اس لیے جب بوڑھی ہوگئیں تو ان کو سوءِ ظن ہوا کہ شاید

---

۱ صحیح بخاری، رقم: ۴۷۹۵ ۲ طبقات، رقم: ۴۱۱۹ ۳ ایضاً

۴ ایضاً ۵ اصابہ، رقم: ۱۱۳۶۳ ۶ اصابہ، رقم: ۱۱۱۰۷

آنحضرت ﷺ طلاق دے دیں اور یہ شرفِ صحبت سے محروم ہو جائیں۔ اس بنا پر انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی اور انہوں نے خوشی سے قبول کر لی۔[1]

مزاج تیز تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی بے حد معترف تھیں۔ لیکن کہتی ہیں کہ وہ بہت جلد غصہ میں بھڑک اُٹھتی تھیں، ایک مرتبہ قضائے حاجت کے لیے صحرا کو جا رہی تھیں، راستہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ مل گئے، چونکہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا قد نمایاں تھا انہوں نے پہچان لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا باہر نکلنا ناگوار تھا اور وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پردہ کی تحریک کر چکے تھے، اس لیے بولے: سودہ! تم کو ہم نے پہچان لیا۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو سخت ناگوار گزرا۔ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شکایت کی اسی واقعہ کے بعد آیتِ حجاب نازل ہوئی۔[2]

بایں ہمہ ظرافت اس قدر تھی کہ کبھی کبھی اس انداز سے چلتی تھیں کہ آپ ہنس پڑتے تھے ایک مرتبہ کہنے لگیں کہ کل رات کو میں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی تھی، آپ نے (اس قدر دیر تک) رکوع کیا کہ مجھ کو نکسیر پھوٹنے کا شبہ ہو گیا، اس لیے میں دیر تک ناک پکڑے رہی۔ آپ اس جملہ کو سن کر مسکرا اُٹھے۔[3]

دجّال سے بہت ڈرتی تھیں، ایک مرتبہ حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما کے پاس آ رہی تھیں، دونوں نے مذاق کے لہجہ میں کہا: تم نے کچھ سنا؟ بولیں کیا؟ کہا: دجّال نے خروج کیا۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا یہ سن کر گھبرا گئیں۔ ایک خیمہ جس میں کچھ آدمی آگ سلگا رہے تھے قریب تھا، فوراً اس کے اندر داخل ہو گئیں۔ حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما ہنستی ہوئی آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچیں اور آپ کو اس مذاق کی خبر کی، آپ تشریف لائے اور خیمہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ ابھی دجّال نہیں نکلا ہے۔ یہ سن کر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا باہر آئیں تو مکڑی کا جالا بدن پر لگا ہوا تھا، اس کو باہر آ کر صاف کیا۔[4] (میرے نزدیک یہ روایت مشکوک اور سند ضعیف ہے)

---

[1] صحیح بخاری، رقم: ۵۲۱۲
[2] صحیح بخاری، رقم: ۴۷۹۵
[3] ابن سعد، رقم: ۴۱۱۹
[4] اصابہ، رقم: ۱۱۱۰۷

(۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب: عائشہ نام، صدیقہ اور حمیرا لقب، اُمّ عبداللہ کنیت، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی ہیں۔ ماں کا نام زینب تھا، اُمّ رومان کنیت تھی، اور قبیلہ غنم بن مالک سے تھیں۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بعثت کے چار سال بعد شوال کے مہینہ میں پیدا ہوئیں، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کاشانہ دو برجِ سعادت تھا جہاں خورشیدِ اسلام کی شعاعیں سب سے پہلے پرتو فگن ہوئیں، اس بنا پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسلام کی ان برگزیدہ شخصیتوں میں ہیں، جن کے کانوں نے کبھی کفر وشرک کی آواز نہیں سنی خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے اپنے والدین کو پہچانا ان کو مسلمان پایا۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو وائل رضی اللہ عنہ کی بیوی نے دودھ پلایا۔ وائل کی کنیت ابوالقعیس تھی، وائل کے بھائی افلح رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی چچا کبھی کبھی ان سے ملنے آیا کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے وہ ان کے سامنے آتی تھیں۔[۱] رضاعی بھائی بھی کبھی کبھی ملنے آیا کرتا تھا۔[۲]

نکاح: تمام ازواجِ مطہّرات رضی اللہ عنہن میں یہ شرف صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کنواری بیوی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے وہ جُبیر بن مطعم کے صاحبزادے سے منسوب ہوئی تھیں، لیکن جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لیکر اُمّ رومان سے کہا اور انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا تو چونکہ یہ ایک قسم کی وعدہ خلافی تھی، بولے کہ جُبیر بن مطعم سے وعدہ کر چکا ہوں، لیکن مطعم نے خود اس بنا پر انکار کردیا کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے گھر میں گئیں تو گھر میں اسلام کا قدم آجائے گا۔ بہر حال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خولہ رضی اللہ عنہا

---

[۱] بخاری، رقم:۵۱۰۳ [۲] بخاری، رقم:۵۰۸۱

کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد کردیا۔ پانچ سو درہم مہر قرار پایا۔ یہ ۱۰ نبوی کا واقعہ ہے اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ برس تھی۔

یہ نکاح اسلام کی سادگی کا حقیقی تصویر تھا، عطیہ رضی اللہ عنہا اس کا واقعہ اس طرح بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لڑکیوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں ان کی اَنّا آئی اور ان کو لے گئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آکر نکاح پڑھا دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود کہتی ہیں کہ جب میرا نکاح ہوا تو مجھ کو خبر تک نہ ہوئی جب میری والدہ نے باہر نکلنے میں روک ٹوک شروع کی، تب میں سمجھی کہ میرا نکاح ہوگیا ہے، اس کے بعد میری والدہ نے مجھے سمجھا بھی دیا۔[1]

نکاح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام مکّہ میں تین سال تک رہا۔ ۱۳ نبوی میں آپ نے ہجرت کی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ساتھ تھے اور اہل وعیال کو دشمنوں کے نرغہ میں چھوڑ آئے تھے جب مدینہ میں اطمینان ہوا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن اریقط کو بھیجا کہ اُمّ رومان، اسماء اور عائشہ رضی اللہ عنہن کو لے آئیں، مدینہ میں آکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سخت بخار میں مبتلا ہوئیں۔ اشتدادِ مرض سے سر کے بال جھڑ گئے۔ صحت ہوئی تو اُمّ رومان کو رسم عروسی ادا کرنے کا خیال آیا۔ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۹ سال کی تھی سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں کہ اُمّ رومان نے آواز دی، ان کو اس واقعہ کی خبر تک نہیں تھی، ماں کے پاس آئیں انہوں نے منہ دھویا، بال درست کیے، گھر میں لے گئیں۔ انصار کی عورتیں انتظار میں تھیں یہ گھر میں داخل ہوئیں تو سب نے مبارک باد دی۔ تھوڑی دیر بعد خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے[2] شوال میں نکاح ہوا تھا اور شوال ہی میں یہ رسم ادا کی گئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح سے عرب کے بعض بیہودہ خیالات میں اصلاح ہوئی:

(۱) عرب منہ بولے بھائی کی لڑکی سے شادی نہیں کرتے تھے، اسی بنا پر جب خولہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ ظاہر کیا تو انہوں نے حیرت سے کہا کہ ''کیا یہ جائز ہے؟ عائشہ رضی اللہ عنہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اَنْتَ اَخِيْ فِي الْاِسْلَامِ ''تم تو صرف مذہبی بھائی ہو۔''

---

[1] طبقات ابن سعد، رقم: ۴۱۲۰ [2] صحیح بخاری، رقم: ۳۸۹۴

(۲) اہلِ عرب شوال میں شادی نہیں کرتے تھے، زمانۂ قدیم میں اس مہینہ میں طاعون آیا تھا۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی اور رخصتی دونوں شوال میں ہوئی۔

عام حالات: غزوات میں سے صرف غزوہ اُحد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شرکت کا پتہ چلتا ہے، صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت عائشہ اور اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ مشک بھر بھر کر لاتیں تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتیں تھیں۔[1]

غزوہ مصطلق جو ۵ ہجری کا واقعہ ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے ساتھ تھیں، واپسی میں ان کا ہار کہیں گر گیا پورے قافلہ کو اترنا پڑا، نماز کا وقت آیا تو پانی نہ ملا، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پریشان تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی اور تیمّم کی آیت نازل ہوئی، اس اجازت سے تمام لوگ خوش ہوئے، اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اے آل ابی بکر! تم لوگوں کے لیے سرمایۂ برکت ہو''۔[2]

اسی لڑائی میں واقعۂ اِفک بھی پیش آیا یعنی منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی، احادیث اور سیر کی کتابوں میں اس واقعہ کو نہایت تفصیل کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، لیکن جس واقعہ کی نسبت قرآن مجید میں صاف مذکور ہے کہ ''سننے کے ساتھ لوگوں نے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ بالکل افتراء ہے'' اس کو تفصیل کے ساتھ لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

۹ ہجری میں تحریم اور اِیلاء و تخییر کا واقعہ پیش آیا اور واقعۂ تحریم کی تفصیل حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں آئے گی البتہ واقعۂ اِیلاء کی تفصیل اس مقام پر کی جاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زاہدانہ زندگی بسر فرماتے تھے، دو دو مہینے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی، آئے دن فاقے ہوتے رہتے تھے۔ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن گو شرف صحبت کی برکت سے تمام ابنائے جنس سے ممتاز ہوگئی تھیں تاہم بشریت بالکل معدوم نہیں ہوسکتی تھی، خصوصاً وہ دیکھتی تھیں کہ فتوحاتِ اسلام کا دائرہ بڑھتا جارہا ہے، اور غنیمت کا سرمایہ اس قدر پہنچ گیا ہے کہ اس کا ادنیٰ حصّہ بھی ان کی راحت و آرام کے لیے کافی ہوسکتا ہے۔ ان واقعات کا اقتضا تھا کہ ان کے صبر و قناعت کا جام لبریز ہوجاتا۔

---

[1] بخاری، رقم: ۲۸۸۰ [2] بخاری، رقم: ۳۳۴

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ بیچ میں آپ ہیں اِدھر اُدھر بیویاں بیٹھی ہیں اور توسیعِ نفقہ کا تقاضا ہے۔ دونوں اپنی صاحبزادیوں کی تنبیہ پر آمادہ ہوگئے، لیکن انہوں نے عرض کی کہ ہم آئندہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زائد مصارف کی تکلیف نہ دیں گے۔

دیگر ازواج اپنے مطالبہ پر قائم رہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سکونِ خاطر میں یہ چیز اس قدر خلل انداز ہوئی کہ آپ نے عہد فرمایا کہ ایک مہینہ تک ازواجِ مطہرات سے نہ ملیں گے اتفاق یہ کہ اسی زمانہ میں آپ گھوڑے سے گر پڑے اور ساق مبارک پر زخم آیا، آپ نے بالا خانہ پر تنہا نشینی اختیار کی، واقعات کے قرینہ سے لوگوں نے خیال کیا کہ آپ نے تمام ازواج کو طلاق دے دی، لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے ازواج کو طلاق دے دی؟ تو آپ نے فرمایا: ''نہیں'' یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ''اللہ اکبر'' پکار اُٹھے۔

جب ایلاء کی مدّت یعنی ایک مہینہ گزر چکا تو آپ بالا خانہ سے اُتر آئے، سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے، وہ ایک ایک دن گنتی تھیں۔ بولیں: یارسول اللہ! آپ نے ایک مہینہ کے لیے عہد فرمایا تھا، ابھی تو اُنتیس ہی دن ہوئے ہیں ارشاد ہوا کہ ''مہینہ کبھی اُنتیس کا بھی ہوتا ہے۔''

اس کے بعد آیتِ تخییر نازل ہوئی، اس آیت کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو مطلع فرمادیں کہ دو چیزیں تمہارے سامنے ہیں (۱) دنیا اور (۲) آخرت۔ اگر تم دنیا چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو رخصتی جوڑے دیکر عزّت واحترام کے ساتھ رخصت کردوں اور اگر تم خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ابدی راحت کو طلب گار ہو تو خدا نے نیکوکاروں کے لیے بڑا اجر مہیّا کررکھا ہے۔ چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان تمام معاملات میں پیش پیش تھیں، آپ نے ان کو ارشادِ الٰہی سے مطلع فرمایا۔ انہوں نے کہا: ''میں سب کچھ چھوڑ کر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لیتی ہوں۔'' تمام اور ازواج نے بھی یہی جواب دیا۔[1]

---

[1] صحیح بخاری، رقم: ۴۷۸۶

ربیع الاوّل ۱۱ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ ۱۳ دن علیل رہے جن میں ۸ دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں اقامت فرمائی۔ خُلقِ عَمیم کی بنا پر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے صاف طور پر اجازت نہیں طلب کی بلکہ پوچھا کہ کل میں کس کے گھر میں رہوں گا؟ دوسرا دن (دوشنبہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام فرمانے کا تھا ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے مرضیٔ اقدس سمجھ کر عرض کی کہ آپ جہاں چاہیں قیام فرمائیں۔ ضعف اس قدر زیادہ ہوگیا تھا کہ چلا نہیں جاتا تھا، حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما دونوں بازو تھام کر بہ مشکل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں لائے۔

وفات سے پانچ روز پہلے (جمعرات) کو آپ کو یاد آیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں، دریافت فرمایا کہ عائشہ! وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ کیا محمد خدا سے بدگمان ہوکر ملے گا؟ جاؤ! ان کو خدا کی راہ میں خیرات کردو۔[1]

جس دن وفات ہوئی (یعنی دوشنبہ کے روز) بظاہر طبیعت کو سکون تھا لیکن دن جیسے جیسے چڑھتا جاتا تھا آپ پر غشی طاری ہوتی تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپ جب تندرست تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبروں کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ خواہ موت کو قبول کریں یا حیاتِ دنیا کو ترجیح دیں۔ اس حالت میں اکثر آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوتے رہے: مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ.[2] اور کبھی یہ فرماتے: اَللّٰهُمَّ! فِي الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى. وہ سمجھ گئیں کہ اب صرف رفاقتِ الٰہی مطلوب ہے۔

وفات سے ذرا پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ خدمتِ اقدس میں آئے۔ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سینہ پر سر ٹیک کر لیٹے تھے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں مسواک تھی، مسواک کی طرف نظر جما کر دیکھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھیں کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے مسواک لے کر دانتوں سے نرم کی اور خدمتِ اقدس میں پیش کی آپ نے بالکل تندرستوں کی طرح مسواک کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فخریہ کہا کرتی تھیں کہ ''تمام بیویوں میں مجھ ہی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آخر وقت میں بھی میرا جھوٹا

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل، رقم: ۲۴۲۲۲ [2] سورۂ نساء: ۶۹

آپ نے منہ میں لگایا۔"

اب وفات کا وقت قریب آ رہا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کو سنبھالے بیٹھی تھیں کہ دفعۃً بدن کا بوجھ معلوم ہوا دیکھا تو آنکھیں پھٹ کر چھت سے لگ گئی تھیں اور روحِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم عالم اقدس میں پرواز کر گئی تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آہستہ سے سرِ اقدس تکیہ پر رکھ دیا اور رونے لگیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ابوابِ مناقب کے سب سے زرّیں باب یہ ہے کہ ان کے حجرہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن بننا نصیب ہوا اور نعش مبارک اسی حجرہ کے ایک گوشہ میں سپردِ خاک کی گئی۔ چونکہ ازواجِ مطہّرات کے لیے خدا نے دوسری شادی ممنوع کر دی تھی اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ۴۸ سال بیوگی کی حالت میں بسر کیے۔ اس زمانہ میں ان کی زندگی کا مقصدِ وحید قرآن و حدیث کی تعلیم تھا، جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دو برس بعد ۱۳ ہجری میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے یہ سایۂ شفقت بھی باقی نہ رہا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جس قدر دلجوئی کی وہ خود اس کو اس طرح بیان فرماتی ہیں: "ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مجھ پر بڑے بڑے احسانات کیے۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام ازواجِ مطہّرات رضی اللہ عنہن کے لیے دس دس ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرّر فرمایا تھا۔ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا وظیفہ بارہ ہزار تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔[1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ شہادت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکّہ میں مقیم تھیں۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے مدینہ سے جا کر ان کو واقعات سے آگاہ کیا تو دعوتِ اصلاح کے لیے بصرہ گئیں اور وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ پیش آئی، جو جنگِ جمل کے نام سے مشہور ہے جمل اونٹ کو کہتے ہیں، چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک اونٹ پر سوار تھیں اور اس نے اس معرکہ

---

[1] مستدرک حاکم، رقم: ۶۷۲۳، ۶۷۲۴

میں بڑی اہمیّت حاصل کی تھی اس لیے یہ جنگ بھی اسی کی نسبت سے مشہور ہوگئی یہ جنگ اگرچہ بالکل اتفاقی طور پر پیش آگئی تھی۔ تاہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کا ہمیشہ افسوس رہا۔

بخاری میں ہے کہ وفات کے وقت انہوں نے وصیّت کی کہ ''مجھے روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے ساتھ دفن نہ کرنا بلکہ بقیع میں اور ازواج کے ساتھ دفن کرنا کیونکہ میں نے آپ کے بعد ایک جرم کیا ہے۔'' ابن سعد میں ہے کہ وہ جب یہ آیت پڑھتی تھیں: وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ.[1] ''اے پیغمبر کی بیویو! اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ بیٹھو۔'' تو اس قدر روتی تھیں کہ آنچل تر ہو جاتا تھا۔[2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اٹھارہ برس اور زندہ رہیں اور یہ تمام زمانہ سکون اور خاموشی سے گزرا۔

وفات: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اخیر زمانۂ خلافت تھا کہ رمضان ۵۸ ہجری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رحلت فرمائی، اس وقت سڑسٹھ (۶۷) برس کا سن تھا اور وصیّت کے مطابق جنّت البقیع میں رات کے وقت مدفون ہوئیں۔ قاسم بن محمد، عبداللہ بن عبدالرحمٰن، عبداللہ بن ابی عتیق، عروہ بن زبیر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم نے قبر میں اُتارا، اس وقت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروان بن حکم کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے، اس لیے انہوں نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

اولاد: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کوئی اولاد نہیں ہوئی، ابن الاعرابی نے لکھا ہے کہ ایک ناتمام بچہ ساقط ہوا تھا اس کا نام عبداللہ تھا اور اسی کے نام پر انہوں نے کنیت رکھی تھی لیکن یہ قطعاً غلط ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیت اُمّ عبداللہ ان کے بھانجے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے تعلّق سے تھی جن کو انہوں نے متبنّٰی بنایا تھا۔

حلیہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خوش رو اور صاحبِ جمال تھیں، رنگ سرخ و سفید تھا۔

---

[1] سورۂ احزاب: ۳۳ [2] مستدرک، رقم: ۶۱۲۰

فضل و کمال: علمی حیثیت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نہ صرف عورتوں پر، نہ صرف دوسری امہات المؤمنین پر، نہ صرف خاص خاص صحابیوں پر، بلکہ باستثنائے چند، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر فوقیت حاصل تھی۔ جامع ترمذی میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

مَا اَشْکَلَ عَلَیْنَا — اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ ﷺ — حَدِیْثٌ قَطُّ فَسَاَلْنَا عَائِشَۃَ اِلَّا وَجَدْنَا عِنْدَھَا مِنْهُ عِلْمًا.[1]

''ہم کو کبھی کوئی ایسی مشکل بات پیش نہیں آئی جس کو ہم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا ہو اور ان کے پاس اس کے متعلق کچھ معلومات نہ ہوں۔''

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ جو سرخیل تابعین تھے، فرماتے ہیں:

كَانَتْ عَائِشَةُ أَعْلَمَ النَّاسِ يَسْئَلُهَا الْأَكَابِرُ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ[1]

''عائشہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تھیں۔ بڑے بڑے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم ان سے پوچھا کرتے تھے۔''

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

مَارَأَیْتُ أَحَدًا أَعْلَمَ بِالْقُرْاٰنِ وَلَا بِفَرِیْضَةٍ وَلَا بِحَلَالٍ وَلَا بِفِقْهٍ وَلَا بِشِعْرٍ وَلَا بِطِبٍّ وَلَا بِحَدِیْثِ الْعَرَبِ وَلَا نَسَبٍ مِنْ عَائِشَةَ

''قرآن، فرائض، حلال و حرام، فقہ، شاعری، طب، عرب کی تاریخ اور نسب کا عالم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔''

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک شہادت ہے:

لَوْ جُمِعَ عِلْمُ النَّاسِ كُلِّهِمْ، ثُمَّ عِلْمُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ، فَكَانَتْ عَائِشَةُ أَوْسَعُهُمْ عِلْمًا.

''اگر تمام مردوں کا اور امہات المؤمنین کا علم ایک جگہ جمع کیا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم وسیع تر ہوگا۔''

---

[1] ترمذی، رقم: ۳۸۸۳ [2] طبقات ابن سعد: ذکر من کان یفتي في المدینة ویقتدی به، تذکرہ عائشة زوج النبي ﷺ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا شمار مجتہدین صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ہے اور اس حیثیت سے وہ اس قدر بلند ہیں کہ بے تکلف ان کا نام حضرت عمر، حضرت علی، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے ساتھ لیا جاسکتا ہے۔ وہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں فتویٰ دیتی تھیں اور اکابر صحابہ پر انہوں نے جو دقیق اعتراضات کیے ہیں ان کو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ میں جمع کر دیا ہے اس رسالہ کا نام "عین الإصابة في ما استدركته السيّدة عائشة رضي الله عنها على الصحابة" ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ''مکثرین صحابہ رضی اللہ عنہم'' میں داخل ہیں۔ ان سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں، جن میں ۱۷۴ حدیثوں پر شیخین نے اتفاق کیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے منفرداً ان سے ۵۴ حدیثیں روایت کی ہیں۔ ۶۸ حدیثوں میں امام مسلم منفرد ہیں۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ احکامِ شرعیہ میں سے ایک چوتھائی ان سے منقول ہے۔

علم کلام کے متعدّد مسائل ان کی زبان سے ادا ہوئے ہیں۔ چنانچہ رؤیتِ باری، علم غیب، عصمتِ انبیاء، معراج، ترتیبِ خلافت اور سماعِ موتی وغیرہ کے متعلق انہوں نے جو خیالات ظاہر کیے ہیں، انصاف یہ ہے کہ ان میں ان کی دقّتِ نظر کا پلہ بھاری نظر آتا ہے۔

علم اسرار الدّین کے متعلق بھی ان سے بہت سے مسائل مروی ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید کی ترتیب نزول، مدینہ میں کامیابیٔ اسلام کے اسباب، غسلِ جمعہ، نمازِ قصر کی علّت، صومِ عاشورا کا سبب، حج کی حقیقت اور ہجرت کے معنی کی انہوں نے خاص تشریحات کی ہیں۔

طب کے متعلق وہی عام معلومات تھیں جو گھر کی عورتوں کو عام طور پر ہوتی ہیں۔ البتہ تاریخ عرب میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں۔ عرب جاہلیت کے حالات، انکے رسم و رواج، انکے انساب اور انکی طرزِ معاشرت کے متعلق انہوں نے بعض ایسی باتیں بیان کی ہیں جو دوسری جگہ نہیں مل سکتیں۔ اسلامی تاریخ کے متعلق بھی بعض اہم واقعات ان سے منقول ہیں، مثلاً آغازِ وحی کی کیفیت، ہجرت کے واقعات، واقعہٴ اِفک، نزولِ قرآن اور اسکی ترتیب، نماز کی صورتیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت کے حالات، غزوہٴ بدر، غزوہٴ اُحد، خندق، قریظہ کے واقعات، غزوہٴ ذات الرقاع میں نمازِ خوف کی کیفیت، فتحِ مکّہ میں عورتوں کی بیعت، حجۃ الوداع کے

ضروری حالات، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات، خلافتِ صدیقی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اورازواجِ مطہّرات رضی اللہ عنہن کا دعوائے میراث، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ملالِ خاطراور پھر بیعت کے تمام مفصّل حالات ان ہی کے ذریعہ سے معلوم ہوئے ہیں۔

ادبی حیثیت سے وہ نہایت شیریں کلام اور فصیح اللّسان تھیں۔ ترمذی میں موسیٰ بن طلحہ کا یہ قول نقل ہے:

مَا رَأَیْتُ أَحَدًا أَفْصَحَ مِنْ عَائِشَةَ [1]

''میں نے عائشہ سے زیادہ کسی کو فصیح اللّسان نہیں دیکھا۔''

اگرچہ احادیث میں روایت بالمعنیٰ کا عام طور پر رواج ہے اور روایت باللفظ کم اور نہایت کم ہوتی ہے، تاہم جہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اصلی الفاظ محفوظ رہ گئے ہیں پوری حدیث میں جان پڑگئی ہے مثلاً آغازِ وحی کے سلسلہ میں فرماتی ہیں:

فَمَا رَأَى رُؤْيَا اِلَّا جَاءَ تْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ.

''آپ جوخواب دیکھتے تھے سپیدۂ سحر کی طرح نمودار ہوجاتا تھا۔''

آپ پر جب وحی کی کیفیت طاری ہوتی تو جبیں مبارک پر عرق آجاتا تھا۔ اس کو اس طرح ادا کرتی ہیں:

مِثْلُ الْجُمَانِ.

''پیشانی پر موتی ڈھلکتے تھے۔''

واقعۂ اِفک میں انہیں راتوں کو نیند نہیں آتی تھی۔ اس کو اس طرح بیان فرماتی ہیں:

مَا اكْتَحِلُ بِنَوْمٍ.

''میں نے سرمۂ خواب نہیں لگایا۔''

صحیح بخاری میں ان کے ذریعہ سے اُمّ زرع کا جو قصّہ مذکور ہے وہ جانِ ادب ہے اور اہلِ ادب نے اس کی مفصّل شرحیں اور حاشیے لکھے ہیں۔

خطابت کے لحاظ سے بھی حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے سوا تمام صحابہ کرام میں ممتاز تھیں۔

---

[1] مستدرک حاکم، رقم: ۶۷۳۵

جنگِ جمل میں انہوں نے جو تقریریں کی ہیں وہ جوش اور زور کے لحاظ سے اپنا جواب نہیں رکھتیں، ایک تقریر میں فرماتی ہیں:

''لوگو! خاموش، خاموش، تم پر میرا مادری حق ہے، مجھے نصیحت کی عزت حاصل ہے۔ سوا اس شخص کے جو خدا کا فرمان بردار ہے، مجھ کو کوئی الزام نہیں دے سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینہ پر سر رکھے ہوئے وفات پائی ہے۔ میں آپ کی محبوب ترین بیوی ہوں۔ خدا نے مجھ کو دوسروں سے ہر طرح محفوظ رکھا اور میری ذات سے مومن و منافق میں تمیز ہوئی اور میرے ہی سبب سے تم پر خدا نے تیمّم کا حکم نازل فرمایا۔

پھر میرا باپ دنیا میں تیسرا مسلمان ہے اور غارِ ثور میں دو کا دوسرا تھا۔ اور پہلا شخص تھا جو صدیق کے لقب سے مخاطب ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے خوش ہو کر اور اس کو طوقِ خلافت پہنا کر وفات پائی۔ اس کے بعد جب مذہبِ اسلام کی رسی ہلنے ڈولنے لگی تو میرا ہی باپ تھا جس نے اس کے دونوں سرے تھام لیے۔ جس نے نفاق کی باگ روک دی۔ جس نے ارتداد کا سر چشمہ خشک کر دیا۔ جس نے یہودیوں کی آتش افروزی سرد کی۔ تم لوگ اس وقت آنکھیں بند کیے غدر و فتنہ کے منتظر تھے اور شور و غوغا پُر گوش بر آواز تھے، اس نے شگاف کو برابر کیا۔ بیکار کو درست کیا۔ گرتوں کو سنبھالا۔ دلوں کی مدفون بیماریوں کو دور کیا۔ جو پانی سے سیراب ہو چکے تھے ان کو تھان تک پہنچا دیا۔ جو پیاسے تھے ان کو گھاٹ پر لے آیا اور جو ایک بار پانی پی چکے تھے انہیں دوبارہ پلایا۔ جب وہ نفاق کا سر کچل چکا اور اہلِ شرک کے لیے آتشِ جنگ مشتعل کر چکا اور تمہارے سامان کی گٹھڑی کو ڈوری سے باندھ چکا تو خدا نے اسے اُٹھا لیا۔

ہاں! میں سوال کا نشانہ بن گئی ہوں کہ فوج لے کر نکلی؟ میرا مقصد اس سے گناہ کی تلاش اور فتنہ کی جستجو نہیں ہے جس کو میں پامال کرنا چاہتی ہوں، جو کچھ کہہ رہی ہوں سچائی اور انصاف کے ساتھ تنبیہ اور اتمامِ حجت کے لیے۔[1]''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گو شعر نہیں کہتی تھیں، تاہم شاعرانہ مذاق اس قدر عمدہ پایا تھا کہ حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ جو عرب کے مسلّم الثبوت شاعر تھے ان کی خدمت میں اشعار سنانے کے

[1] عقد الفرید، تذکرہ واقعۂ جمل: ص ۱۴

لیے حاضر ہوتے تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے الادب المفرد میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا پورا قصیدہ یاد تھا، اس قصیدہ میں کم وبیش چالیس شعر تھے۔ کعب رضی اللہ عنہ کے علاوہ ان کو دیگر جاہلی اور اسلامی شعراء کے اشعار بھی بکثرت یاد تھے جن کو وہ مناسب موقعوں پر پڑھا کرتی تھیں، چنانچہ وہ احادیث کی کتابوں میں منقول ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہ صرف ان تمام علوم کی ماہر تھیں بلکہ دوسروں کو بھی ماہر بنا دیتی تھیں۔ چنانچہ ان کے دامنِ تربیت میں جو لوگ پرورش پاکر نکلے اگرچہ ان کی تعداد دو سو کے قریب ہے، لیکن ان میں جن کو زیادہ قرب واختصاص حاصل تھا وہ حسبِ ذیل ہیں:

عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، مسروق، عمرہ، صفیّہ بنت شیبہ، عائشہ بنت طلحہ، معاویہ عدویہ رضی اللہ عنہم۔

اخلاق وعادات: اخلاقی حیثیت سے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بلند مرتبہ رکھتی تھیں، وہ نہایت قانع تھیں، غیبت سے احتراز کرتی تھیں، احسان کم قبول کرتیں، اگرچہ خودستائی ناپسند تھی تاہم نہایت خوددار تھیں، شجاعت اور دلیری بھی ان کا خاص جوہر تھا۔

ان کا سب سے نمایاں وصف جود وسخا تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ان سے زیادہ سخی کسی کو نہیں دیکھا۔ ایک مرتبہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی خدمت میں لاکھ درہم بھیجے تو شام ہوتے ہوتے سب خیرات کر دیئے اور اپنے لیے کچھ نہ رکھا۔ اتفاق سے اس دن روزہ رکھا تھا، لونڈی نے عرض کیا کہ افطار کے لیے کچھ نہیں ہے، فرمایا: پہلے سے کیوں نہ یاد دلایا۔[1]

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جو ان کے متبنّٰی فرزند تھے، ان کی فیاضی دیکھ کر گھبرا گئے اور کہا کہ اب ان کا ہاتھ روکنا چاہیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا تو سخت برہم ہوئیں اور قسم کھائی کہ ان سے بات نہ کریں گی۔ چنانچہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما مدت تک معتوب رہے اور بڑی دقّت سے ان کا غصّہ فرو ہوا۔[2]

---

[1] مستدرک حاکم، رقم: ۶۷۴۵ [2] صحیح بخاری، رقم: ۳۵۰۵

نہایت خاشع، متضرع اور عبادت گزار تھیں، چاشت کی نماز برابر پڑھتیں، فرماتی تھیں کہ اگر میرا باپ بھی قبر سے اُٹھ آئے اور مجھ کو منع کرے تب بھی باز نہ آؤں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ راتوں کو اُٹھ کر تہجّد کی نماز ادا کرتی تھیں اور اس کی اس قدر پابند تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب کبھی یہ نماز قضا ہوجاتی تو نماز فجر سے پہلے اُٹھ کر پڑھ لیتی تھیں۔ رمضان میں تراویح کا اہتمام کرتی تھیں۔ ذکوان ان کا غلام امامت کرتا اور وہ مقتدی ہوتیں۔
اکثر روزے رکھا کرتی تھیں، حج کی بھی شدّت سے پابند تھیں اور ہر سال اس فرض کو ادا کرتیں۔ غلاموں پر شفقت کرتیں اور ان کو خرید کر آزاد کرتی تھیں، ان کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد انہتر (۶۹) ہے[۱]

(۴)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب: حفصہ نام، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی تھیں، سلسلہ نسب یہ ہے: حفصہ بنت عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزّیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن لوی بن فہر بن مالک۔ والدہ کا نام زینب بنت مظعون تھا، جو مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ تھیں اور خود بھی صحابیہ تھیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حقیقی بھائی بہن ہیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ۵ سال قبل پیدا ہوئیں، اس وقت قریش خانۂ کعبہ کی تعمیر میں مصروف تھے۔

نکاح: پہلا نکاح خُنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے ہوا جو خاندان بنوسہم سے تھے۔

اسلام: ماں باپ اور شوہر کے ساتھ مسلمان ہوئیں۔

ہجرت اور نکاحِ ثانی: شوہر کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی، غزوۂ بدر میں خُنیس رضی اللہ عنہ نے زخم

---

[۱] شرح بلوغ المرام: کتاب العتق

کھائے اور واپس آ کر ان ہی زخموں کی وجہ سے شہادت پائی۔ عدّت کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی فکر ہوئی۔ اسی زمانہ میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو چکا تھا، اس بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملے اور ان سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی خواہش کی۔ انہوں نے کہا میں اس پر غور کروں گا۔ چند دنوں کے بعد ملاقات ہوئی تو صاف انکار کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مایوس ہو کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا، انہوں نے خاموشی اختیار کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی بے التفاتی سے رنج ہوا۔ اس کے بعد خود رسالتِ پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی خواہش ظاہر کی، نکاح ہو گیا تو حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے ملے اور کہا کہ جب تم نے مجھ سے حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی خواہش کی اور میں خاموش رہا تو تم کو ناگوار گزرا، لیکن میں نے اسی بنا پر کچھ جواب نہیں دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ذکر کیا تھا اور میں ان کا راز فاش نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے نکاح کا قصد نہ ہوتا تو میں اس کے لیے آمادہ تھا۔[1]

وفات: حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے شعبان ۴۵ ہجری مدینہ میں انتقال کیا۔ یہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ مروان نے جو اس وقت مدینہ کا گورنر تھا، نماز جنازہ پڑھائی اور کچھ دور تک جنازہ کو کاندھا دیا، اسکے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جنازہ کو قبر تک لے گئے۔[2] انکے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے لڑکوں عاصم، سالم عبداللہ، حمزہ رضی اللہ عنہم نے قبر میں اتارا۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے سنِ وفات میں اختلاف ہے، ایک روایت میں ہے کہ جمادی الاولیٰ ۴۱ ہجری میں وفات پائی، اس وقت ان کا سن ۵۹ سال کا تھا، لیکن اگر سنِ وفات ۴۵ ہجری قرار دیا جائے تو ان کی عمر ۶۳ سال کی ہوگی۔ ایک روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۲۷ ہجری میں انتقال کیا، یہ روایت اس بنا پر پیدا ہوگئی کہ وہب نے ابن مالک سے روایت کی ہے کہ جس سال افریقہ فتح ہوا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اسی سال وفات پائی اور افریقہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۲۷ ہجری میں فتح ہوا لیکن یہ سخت غلطی ہے۔ افریقہ دو

---

[1] صحیح بخاری، رقم: ۴۰۰۵ [2] اصابہ، رقم: ۱۱۰۵۳

مرتبہ فتح ہوا، اس دوسری فتح کا فخر معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے، جنہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں حملہ کیا تھا۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے وفات کے وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر وصیّت کی اور غابہ میں جو جائیداد تھی جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی نگرانی میں دے گئے تھے، ان کو صدقہ کر کے وقف کر دیا۔[۱]

اولاد: کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

فضل وکمال: البتہ معنوی یادگاریں بہت سی ہیں اور وہ یہ ہیں: عبداللہ بن عمر، حمزہ (ابن عبداللہ) صفیّہ بنت ابوعبید (زوجہ عبداللہ) حارثہ بن وہب، مطّلب بن ابی وادعہ، اُمّ مبشّر انصاریہ، عبداللہ بن صفوان بن امیہ، عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم۔[۲]

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ۶۰ حدیثیں منقول ہیں[۳] جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنی تھیں۔

تفقہ فی الدین کے لیے واقعہ ذیل کافی ہے،[۴] ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ اصحابِ بدر وحدیبیہ جہنّم میں داخل نہ ہوں گے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اعتراض کیا کہ خدا تعالیٰ نے تو فرمایا ہے:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا.[۵]

"تم میں سے ہر شخص وارِدِ جہنّم ہوگا۔"

آپ نے فرمایا: ہاں! لیکن یہ بھی تو ہے:

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ۝[۶]

"پھر ہم پرہیز گاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں زانوؤں پر گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔"

---

[۱] اصابہ، رقم: ۱۱۰۵۳ [۲] حوالہ سابقہ [۳] زرقانی: تذکرہ حفصہ رضی اللہ عنہا
[۴] مسند احمد بن حنبل، رقم: ۲۶۴۴۰ [۵] سورۂ مریم: ۷۱ [۶] سورۂ مریم: ۷۲

اسی شوق کا اثر تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی تعلیم کی فکر رہتی تھی، حضرت شفا رضی اللہ عنہا کو چیونٹی کے کاٹے کا منتر آتا تھا، ایک دن وہ گھر آئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم حفصہ رضی اللہ عنہا کو منتر سکھلا دو۔[۱]

اخلاق: ابن سعد میں ان کے اخلاق کے متعلق ہے:

اِنَّھَا صَوَّامَۃٌ قَوَّامَۃٌ.[۲]

''وہ یعنی حفصہ صائم النّہار اور قائم اللّیل ہیں۔''

دوسری روایت میں ہے:

مَا مَاتَتْ حَفْصَۃُ حَتّٰی مَا تفْطِرُ.[۳]

''انتقال کے وقت تک صائم رہیں۔''

اختلاف سے سخت نفرت کرتی تھیں، جنگِ صِفّین کے بعد جب تحکیم کا واقعہ پیش آیا تو ان کے بھائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس کو فتنہ سمجھ کر خانہ نشین رہنا چاہتے تھے لیکن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ گو اس شرکت میں تمہارا کوئی فائدہ نہیں تاہم تمہیں شریک رہنا چاہیے کیونکہ لوگوں کو تمہاری رائے کا انتظار ہوگا اور ممکن ہے کہ تمہاری عزلت گزینی ان میں اختلاف پیدا کردے۔[۴]

دجّال سے بہت ڈرتی تھیں، مدینہ میں ابن صیّاد نامی ایک شخص تھا، دجّال کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو علامتیں بتائی تھیں اس میں بہت سی موجود تھیں، اس کی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک دن راہ میں ملاقات ہوگئی، انہوں نے اس کو بہت سخت سست کہا، اس پر وہ اس قدر پھولا کہ راستہ بند ہوگیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو مارنا شروع کیا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو خبر ہوئی تو بولیں: تم کو اس سے کیا غرض؟ تمہیں معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دجّال کے خروج کا محرک اس کا غصّہ ہوگا۔[۵]

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے مزاج میں ذرا تیزی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کبھی دو بدو گفتگو کرتیں اور برابر کا جواب دیتی تھیں، چنانچہ صحیح بخاری میں خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے

---

[۱] طبقات، رقم: ۴۱۲۱ [۲] حوالہ سابقہ [۳] اصابہ، رقم: ۱۱۰۵۳

[۴] بخاری، رقم: ۴۱۰۸ [۵] مسند، رقم: ۲۶۴۲۵

کہ ''ہم لوگ جاہلیت میں عورتوں کو ذرا برابر بھی وقعت نہ دیتے تھے، اسلام نے ان کو درجہ دیا اور قرآن میں ان کے متعلق آیتیں اُتریں تو انکی قدر و منزلت معلوم ہوئی۔ ایک دن میری بیوی نے کسی معاملہ میں مجھ کو رائے دی، میں نے کہا: تم کو رائے و مشورہ سے کیا واسطہ؟ بولیں: ابن خطاب! تم کو ذرا سی بات کی بھی برداشت نہیں، حالانکہ تمہاری بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برابر کا جواب دیتی ہے یہاں تک کہ آپ دن بھر رنجیدہ رہتے ہیں۔ میں اُٹھا اور حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا۔ میں نے کہا: بیٹی! میں نے سنا ہے تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برابر کا جواب دیتی ہو؟ بولیں: ہاں! ہم ایسا کرتے ہیں۔ میں نے کہا: خبردار! میں تمہیں عذابِ الٰہی سے ڈراتا ہوں، تم اس عورت (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) کی رِیس نہ کرو جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے اپنے حسن پر ناز ہے[1]۔''

ترمذی میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت صفیہؓ رضی اللہ عنہا رو رہی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور رونے کی وجہ پوچھی، انہوں نے کہا کہ مجھ کو حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہے کہ ''تم یہودی کی بیٹی ہو۔'' آپ نے فرمایا: ''حفصہ! خدا سے ڈرو۔'' پھر حضرت صفیہؓ رضی اللہ عنہا سے ارشاد ہوا: ''تم نبی کی بیٹی ہو، تمہارا چچا پیغمبر ہے اور پیغمبر کے نکاح میں ہو، حفصہ تم پر کس بات میں فخر کرسکتی ہے[2]۔''

ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضرت صفیہؓ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ ''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تم سے زیادہ معزّز ہیں، ہم آپ کی بیوی بھی ہیں اور چچازاد بہن بھی۔'' حضرت صفیہؓ رضی اللہ عنہا کو ناگوار گزرا، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی، آپ نے فرمایا کہ ''تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ تم مجھ سے زیادہ کیوں کر معزّز ہوسکتی ہو؟ میرے شوہر محمد صلی اللہ علیہ وسلم، میرے باپ ہارون علیہ السلام اور میرے چچا موسیٰ علیہ السلام ہیں[3]۔''

حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی بیٹیاں تھیں جو تقرّبِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دوش بدوش تھے اس بنا پر حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما بھی دیگر ازواج کے مقابلہ میں باہم ایک تھیں، چنانچہ واقعہ تحریم جو ۹ ہجری میں پیش آیا، اسی قسم کے اتفاق کا نتیجہ تھا۔ ایک مرتبہ کئی دن تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس معمول

---

[1] بخاری، رقم: ۵۸۴۳ [2] ترمذی، رقم: ۳۸۹۴ [3] ترمذی، رقم: ۳۸۹۲

سے زیادہ بیٹھے جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس کہیں سے شہد آ گیا تھا انہوں نے آپ کے سامنے پیش کیا آپ کو شہد بہت مرغوب تھا آپ نے نوش فرمایا، اس میں وقتِ مقررہ سے دیر ہو گئی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو رشک ہوا تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہمارے اور تمہارے گھر میں آئیں تو کہنا چاہیے کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بُو آتی ہے۔[1] (مغافیر کے پھولوں سے شہد کی مکھیاں رس چوستی ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھالی کہ میں شہد نہ کھاؤں گا اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اُتری:[2]

يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ.[3]

"اے پیغمبر! اپنی بیویوں کی خوشی کے لیے تم خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کیوں کرتے ہو۔"

کبھی کبھی حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما میں باہم رشک و رقابت کا اظہار بھی ہو جایا کرتا تھا، ایک مرتبہ حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ پر چلتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے، ایک دن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ آج رات کو تم میرے اونٹ پر اور میں تمہارے اونٹ پر سوار ہوں تاکہ مختلف مناظر دیکھنے میں آئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راضی ہو گئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے پاس آئے جس پر حفصہ رضی اللہ عنہا سوار تھیں جب منزل پر پہنچے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو نہیں پایا اپنے پاؤں کو اذخر (ایک گھاس ہے) کے درمیان لٹکا کر کہنے لگیں: "خداوندا! کسی بچھو یا سانپ کو متعین کر جو مجھے ڈس جائے۔"[4]

---

[1] مغافیر کی بو کا اظہار کرنا کوئی جھوٹ بات نہ تھی مغافیر کے پھولوں میں اگر کسی قسم کی کرختگی ہو تو تعجب کی بات نہیں۔

[2] صحیح بخاری، رقم: ۴۹۱۲ [3] سورۂ تحریم: ۱ [4] صحیح بخاری، رقم: ۵۲۱۱

(۵)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا اُمّ المساکین

نام ونسب: زینب نام تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے: زینب بنت خزیمہ بن عبداللہ بن عمر بن عبدمناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ۔ چونکہ فقراء ومساکین کونہایت فیاضی کے ساتھ کھانا کھلایا کرتی تھیں، اسی لیے اُمّ المساکین کی کنیت کے ساتھ مشہور ہوگئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے جنگِ اُحد میں شہادت پائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سال ان سے نکاح کرلیا۔ نکاح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف دو تین مہینے رہنے پائی تھیں کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد صرف یہی ایک بی بی تھیں جنہوں نے وفات پائی۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنّت البقیع میں دفن ہوئیں، وفات کے وقت ان کی عمر ۳۰ سال کی تھی۔

(۶)

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب: ہند نام، اُمّ سلمہ کنیت، قریش کے خاندان مخزوم سے ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: ہند بنت ابی امیہ سہیل بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم۔ والدہ بنوفراس سے تھیں اور ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے: عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ بن مالک بن جذیمہ بن علقمہ بن جذل الطعان بن فراس بن غنم بن مالک بن کنانہ۔

ابوامیہ (حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے والد) مکّہ میں مشہور مخیّر اور فیاض تھے، سفر میں جاتے تو

---

[1] اصابہ، رقم: ۱۱۲۳۶

تمام قافلہ والوں کی کفالت خود کرتے تھے، اسی لیے زاد الراکب کے لقب سے مشہور تھے۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان ہی کے آغوش تربیت میں نہایت ناز ونعمت سے پرورش پائی۔[1]

نکاح: عبداللہ بن عبدالاسد سے جو زیادہ تر ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور ہیں اور جو اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے، نکاح ہوا۔

اسلام: آغازِ اسلام میں اپنے شوہر کے ساتھ ایمان لائیں۔

ہجرتِ حبشہ: اور ان ہی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی، حبشہ میں کچھ زمانہ قیام کر کے مکّہ واپس آئیں اور یہاں سے مدینہ ہجرت کی، ہجرت میں ان کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اہلِ سیر کے نزدیک وہ پہلی عورت ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ میں آئیں۔

ہجرتِ مدینہ: ہجرت کا واقعہ نہایت عبرت انگیز ہے، حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کے ہمراہ ہجرت کرنا چاہتی تھیں، انکا بچہ سلمہ بھی ساتھ تھا لیکن حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے قبیلہ نے مزاحمت کی تھی۔ اس لیے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ انکو چھوڑ کر مدینہ چلے گئے اور یہ اپنے گھر واپس آ گئی تھیں۔ ادھر سلمہ کو ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے خاندان والے حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے چھین لے گئے، اس لیے اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو اور بھی تکلیف تھی۔ چنانچہ روزانہ گھبرا کر گھر سے نکل جاتیں اور ابطح میں بیٹھ کر رویا کرتی تھیں۔ سات آٹھ دن تک یہ حالت رہی اور خاندان کے لوگوں کو احساس تک نہ ہوا۔ ایک دن ابطح سے انکے خاندان کا ایک شخص نکلا اور اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو روتے ہوئے دیکھا تو اسکا دل بھر آیا۔ گھر آکر لوگوں سے کہا کہ ”اس غریب پر کیوں ظلم کرتے ہو؟ اسکو جانے دو اور اسکا بچہ بھی اسکے حوالہ کر دو۔“ روانگی کی اجازت ملی تو بچے کو گود میں لیکر اونٹ پر سوار ہو گئیں اور مدینہ کا راستہ لیا، چونکہ وہ بالکل تنہا تھیں یعنی کوئی مرد ساتھ نہ تھا، تنعیم میں عثمان بن طلحہ (کلید بردار کعبہ) کی نظر پڑی، بولا: ”کدھر کا قصد ہے؟ کیا مدینے کا؟ کوئی ساتھ بھی ہے؟“ جواب میں بولیں: ”خدا اور یہ بچہ۔“ عثمان نے کہا: ”یہ نہیں ہوسکتا، تم

[1] اصابہ، رقم: ۱۲۰۶۵

تنہا کبھی نہیں جاسکتیں۔'' یہ کہہ کر اونٹ کی مہار پکڑی اور مدینہ کی طرف روانہ ہوا، راستہ میں جب کہیں ٹھہرتا تو اونٹ کو بٹھا کر کسی درخت کے نیچے چلا جاتا اور حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا اُتر پڑتیں، روانگی کا وقت آتا تو اونٹ پر کجاوہ رکھ کر ہٹ جاتا اور اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہتا کہ ''سوار ہوجاؤ۔'' حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایسا شریف آدمی کبھی نہیں دیکھا۔ غرض مختلف منزلوں پر قیام کرتا ہوا مدینہ لایا، قبا کی آبادی پر نظر پڑی تو بولا: ''اب تم اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ وہ یہیں مقیم ہیں۔'' یہ ادھر روانہ ہوئیں اور عثمان نے مکّہ کا راستہ لیا۔[1]

قبا میں پہنچیں تو لوگ ان کا حال پوچھتے تھے اور جب یہ اپنے باپ کا نام بتاتیں تو ان کو یقین نہیں آتا تھا (یہ حیرت ان کے تنہا سفر کرنے پر تھی، شرفاء کی عورتیں اس طرح باہر نکلنے کی جرأت نہیں کرتی تھیں) اور حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا مجبوراً خاموش ہوتی تھیں لیکن جب کچھ لوگ حج کے ارادہ سے مکّہ روانہ ہوئے اور انہوں نے اپنے گھر رقعہ بھجوایا تو اس وقت لوگوں کو یقین ہوا کہ وہ واقعی ابوامیّہ کی بیٹی ہیں۔ ابوامیّہ چونکہ قریش کے نہایت مشہور اور معزّز شخص تھے اس لیے حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھی گئیں۔[2]

وفات ابوسلمہ رضی اللہ عنہ، نکاحِ ثانی اور خانگی حالات: کچھ زمانہ تک شوہر کا ساتھ رہا، حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بڑے شہسوار تھے بدر اور اُحد میں شریک ہوئے، غزوۂ اُحد میں چند زخم کھائے جنکے صدمہ سے جانبر نہ ہوسکے، جمادی الثّانیہ ۴ ہجری میں ان کا زخم پھٹا اور اسی صدمہ سے وفات پائی۔[3] حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچیں اور وفات کی خبر سنائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کے مکان پر تشریف لائے، گھر میں کہرام مچا تھا، حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں: ''ہائے! غربت میں یہ کیسی موت ہوئی۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''صبر کرو، ان کی مغفرت کی دعا مانگو اور یہ کہو کہ خداوند! ان سے بہتر ان کا جانشین عطا کر۔'' اس کے بعد ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر تشریف لائے اور جنازہ کی نماز نہایت اہتمام سے پڑھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نو (۹) تکبیریں کہیں، لوگوں نے نماز کے بعد پوچھا: یارسول اللہ! آپ کو

---

[1] اصابہ، رقم: ۱۲۰۶۵ [2] مسند احمد بن حنبل، رقم: ۲۶۶۱۹ [3] طبقات، رقم: ۴۱۲۲

سہو تو نہیں ہوا؟ فرمایا: یہ ہزار تکبیروں کے مستحق تھے۔ وفات کے وقت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی آنکھیں کھلی رہ گئیں تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دستِ مبارک سے آنکھیں بند کیں اور ان کی مغفرت کی دعا مانگی۔

ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں۔ وضعِ حمل کے بعد عدّت گزر گئی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام دیا لیکن حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے انکار کیا ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لے کر پہنچے، حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: مجھے چند عذر ہیں:

(۱) میں سخت غیوّر عورت ہوں۔ (۲) صاحبِ عیال ہوں۔ (۳) میرا سن زیادہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب زحمتوں کو گوارا فرمایا، حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو اب عذر کیا ہوسکتا تھا؟ اپنے لڑکے سے (جن کا نام عمر تھا) کہا: اُٹھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح کرو۔[1]

شوال ۴ ہجری کی اخیر تاریخوں میں یہ تقریب انجام پائی حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی موت سے جو شدید صدمہ ہوا تھا، خداوند تعالیٰ نے اس کو ابدی مسرّت سے تبدیل کر دیا۔

اصابہ میں ہے:

فَلَمَّا تُوُفِّيَ أَبُوْ سَلَمَةَ ذَكَرْتُ الَّذِي حَدَّثَنِي عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. اَللّٰهُمَّ عِنْدَكَ احْتَسَبْتُ مُصِيْبَتِي هٰذِهِ، فَأْجُرْنِيْ عَلَيْهَا. فَاِذَا اَرَدْتُّ اَنْ اَقُوْلَ: وَعَوِّضْنِيْ خَيْرًا مِّنْهَا، قُلْتُ فِيْ نَفْسِيْ: أُعَاضُ خَيْرًا مِّنْ اَبِيْ سَلَمَةَ؟ ثُمَّ قُلْتُهَا، فَعَاضَنِيَ اللّٰهُ مُحَمَّدًا ﷺ، وَآجَرَنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ.

”جب ابو سلمہ نے وفات پائی تو میں نے وہ حدیث یاد کی جس کو وہ (ابو سلمہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے تھے، تو میں نے کہنا شروع کیا: ”ہم تو اللہ ہی کے (مال) ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے، اے اللہ! میں نے اپنی اس مصیبت کو آپ ہی کے سامنے پیش کیا پس آپ ہی مجھے اس کا بدلہ عنایت فرمائیں۔“

---

[1] سنن نسائی، رقم: ۳۲۵۶

جب میں آگے یہ کہتی کہ ''ابوسلمہ سے بہتر عطا کریں'' تو اپنے جی میں کہتی کہ ''ابوسلمہ سے بہتر مجھے کون ملے گا؟'' مگر میں نے اس دعا کو جاری رکھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا جانشین بنایا اور مجھے بہترین بدلہ عطا کیا۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دو چکیاں، گھڑا اور چمڑے کا تکیہ جس میں خرمے کی چھال بھری تھی عنایت فرمایا یہی سامان اور بیبیوں کو بھی عطا ہوا تھا۔[۱]

بہت حیا دار تھیں ابتداءً جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکان پر تشریف لاتے تو حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرطِ غیرت سے لڑکی (زینب رضی اللہ عنہا) کو گود میں بٹھا لیتیں آپ یہ دیکھ کر واپس ہو جاتے، حضرت عمّار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو جو حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی تھے، معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوئے اور لڑکی کو چھین کر لے گئے۔[۲] لیکن بعد میں یہ بات کم ہوتی گئی اور جس طرح دوسری بیبیاں رہتی تھیں وہ بھی رہنے لگیں۔

نکاح سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کا ذکر کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بڑا رشک ہوا۔ ابن سعد میں ان سے جو روایت منقول ہے اس میں یہ فقرہ بھی ہے۔

حَزِنْتُ حُزْنًا شَدِيْدًا.[۳]

''یعنی مجھ کو سخت غم ہوا۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بے حد محبّت تھی، یہی وجہ ہے کہ ایک موقع پر جب تمام ازواجِ مطہّرات رضی اللہ عنہن کو (سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ عرض کرنا تھا تو انہوں نے حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو ہی اپنا سفیر بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ازواجِ مطہّرات کے دو گروہ تھے۔ ایک میں حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت صفیہ اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہن شامل تھیں۔ دوسرے میں حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا اور باقی ازواج تھیں۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو زیادہ محبوب رکھتے تھے، اسلیے لوگ ان ہی کی باری میں ہدیے بھیجتے تھے۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی جماعت نے ان سے کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح ہم بھی سب کی بھلائی کے خواہاں ہیں، اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] مسند، رقم: ۲۶۵۲۹ [۲] حوالہ سابقہ [۳] طبقات، رقم: ۴۱۲۲

جس کے مکان میں بھی ہوں لوگوں کو ہدیہ بھیجنا چاہیے۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے یہ شکایت کی تو آپ نے دو مرتبہ اعراض فرمایا۔ تیسری مرتبہ کہا: ''ام سلمہ! عائشہ کے معاملہ میں مجھے اذیّت نہ پہنچاؤ، کیونکہ ان کے سوا تم میں کوئی بیوی ایسی نہیں ہے جس کے لحاف میں میرے پاس وحی آئی ہو''، حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

اَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ مِنْ اَذَاكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ![1]

''میں آپ کے اذیّت پہنچانے سے پناہ مانگتی ہوں۔''

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شب باش ہوتے تو ان کا بچھونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانماز کے سامنے بچھتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے اور یہ سامنے ہوتی تھیں۔[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام کا بہت خیال رکھتی تھیں حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور غلام ہیں، دراصل حضرت اُمّ سلمہ کے غلام تھے، ان کو آزاد کیا تو یہ شرط کی کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہیں تم پر ان کی خدمت لازمی ہوگی۔[3]

عام حالات: حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے مشہور واقعاتِ زندگی یہ ہیں: غزوۂ خندق میں اگرچہ وہ شریک نہ تھیں تاہم اس قدر قریب تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو اچھی طرح سنتی تھیں، فرماتی ہیں کہ مجھے وہ وقت خوب یاد ہے جب سینۂ مبارک غبار سے اَٹا ہوا تھا اور آپ لوگوں کو اینٹیں اُٹھا اُٹھا کر دیتے اور اشعار پڑھ رہے تھے کہ دفعۃً عمّار بن یاسر پر نظر پڑی، فرمایا ''(افسوس) ابن سمیّہ! تجھ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔''[4]

محاصرہ بنو قریظہ (۵ھ) میں یہود سے گفتگو کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا، اثنائے مشورہ میں ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے ہاتھ کے اشارہ سے بتلایا کہ تم لوگ قتل کیے جاؤ گے۔ لیکن بعد میں اس کو افشائے راز سمجھ کر اس قدر نادم ہوئے کہ مسجد کے ستون سے اپنے آپ کو باندھ لیا، چند دنوں تک یہی حالت رہی پھر توبہ قبول ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں تشریف فرما تھے کہ صبح کو مسکراتے ہوئے

---

[1] صحیح بخاری، رقم: ۲۵۸۱-۳۷۷۵ [2] مسند، رقم: ۲۶۷۳۳ [3] مسند، رقم: ۲۶۷۱۱ [4] طبقات، رقم: ۵۴

اُٹھے تو بولیں: ''خدا آپ کو ہمیشہ ہنسائے، اس وقت ہنسنے کا کیا سبب ہے؟'' فرمایا: ''ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول ہوگئی۔'' عرض کی: ''تو کیا میں ان کو یہ مژدہ سنادوں؟'' فرمایا: ''ہاں! اگر چاہو۔'' حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے حجرہ کے دروازہ پر کھڑی ہوئیں اور پکار کر کہا: ''ابولبابہ! مبارک ہو، تمہاری توبہ قبول ہوگئی۔ اس آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام مدینہ اُمنڈ آیا۔[1]

اسی سن میں آیتِ حجاب نازل ہوئی، اس سے پیشتر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن بعض دُور کے اعزّہ و اقارب کے سامنے آیا کرتی تھیں۔ اب خاص خاص اعزّہ کے سوا سب سے پردہ کرنے کا حکم ہوا۔ حضرت ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ قبیلہ قریش کے ایک معزز صحابی اور بارگاہِ نبوی کے مؤذن تھے اور چونکہ نابینا تھے اس لیے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجروں میں آیا کرتے تھے۔ ایک دن آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّ سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''ان سے پردہ کرو''، بولیں: ''وہ تو نابینا ہیں''، فرمایا: تم تو نابینا نہیں ہو تم تو انہیں دیکھتی ہو۔''[2]

صلح حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں، صلح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ لوگ حدیبیہ میں قربانی کریں۔ لیکن لوگ اس قدر دل شکستہ تھے کہ ایک شخص بھی نہ اُٹھا یہاں تک کہ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے: تین دفعہ بار بار کہنے پر بھی ایک شخص آمادہ نہ ہوا (چونکہ معاہدہ کی تمام شرطیں بظاہر مسلمانوں کے سخت خلاف تھیں، اس لیے تمام لوگ رنجیدہ اور غصّہ سے بیتاب تھے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے گئے اور حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کی، انہوں نے کہا: ''آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں بلکہ باہر نکل کر خود قربانی کریں اور احرام اُتارنے کے لیے بال منڈوائیں۔'' آپ نے باہر آ کر قربانی کی اور بال منڈوائے اب جب لوگوں کو یقین ہوگیا کہ اس فیصلہ میں تبدیلی نہیں ہوسکتی تو سب نے قربانیاں کیں اور احرام اُتارا، ہجوم کا یہ حال تھا کہ ایک دوسرے پر ٹوٹا پڑتا تھا اور عجلت اس قدر تھی کہ ہر شخص حجامت بنانے کی خدمت انجام دے رہا تھا۔[3]

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا یہ خیال علم النفس کے ایک بڑے مسئلہ کو حل کرتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہور کی فطرت شناسی میں ان کو کس درجہ کمال حاصل تھا۔ امام الحرمین فرمایا کرتے

---

[1] زرقانی: غزوة بني قريظة [2] مسند، رقم: ۲۶۵۳۷ [3] صحیح بخاری، رقم: ۲۷۳۱-۲۷۳۲

تھے کہ صنفِ نازک کی پوری تاریخ اصابتِ رائے کی ایسی عظیم الشّان مثال نہیں پیش کرسکتی۔[1]
غزوۂ خیبر میں شریک تھیں، مرحب کے دانتوں پر جب تلوار پڑی تو کرکراہٹ کی آواز ان کے کانوں تک آئی تھی۔[2]

۹ ہجری میں ایلاء کا واقعہ پیش آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو تنبیہ کی تو حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھی آئے، وہ ان کی عزیز ہوتی تھیں اُن سے بھی گفتگو کی، حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

عَجَبًا لَكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ! دَخَلْتَ فِي كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى تَبْتَغِي اَنْ تَدْخُلَ بَيْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَأَزْوَاجِهِ.[3]

"عمر! تم ہر معاملہ میں دخل دینے لگے یہاں تک کہ اب رسول اللہ ﷺ اور ان کی ازواج کے معاملات میں بھی دخل دیتے ہو۔"

چونکہ جواب نہایت خشک تھا اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ چپ ہو گئے اور اُٹھ کر چلے آئے۔ رات کو یہ خبر مشہور ہوئی کہ آنحضرت ﷺ نے ازواج کو طلاق دے دی۔ صبح کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور تمام واقعہ بیان کیا، جب حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا تو آپ مسکرائے۔

حجۃُ الوِداع میں جو ۱۰ ہجری میں ہوا اگرچہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا علیل تھیں تاہم ساتھ آئیں نبہان (غلام) اونٹ کی مہار تھامے ہوئے تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب غلام مکاتب کے پاس اس قدر مال موجود ہو کہ وہ اس کو ادا کر کے آزاد کرسکتا ہو تو اس سے پردہ ضروری ہو جاتا ہے۔[4]

طواف کے متعلق فرمایا کہ جب نماز فجر قائم ہو، تم اونٹ پر سوار ہو کر طواف کرنا، چنانچہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی کیا۔[5]

۱۱ ہجری میں آنحضرت ﷺ علیل ہوئے، مرض نے طول کھینچا تو آنحضرت ﷺ حضرت

---

[1] زرقانی: تذکرۂ امّ سلمہ رضی اللہ عنہا [2] استیعاب، رقم: ۳۵۹۴ [3] بخاری، رقم: ۴۹۱۳
[4] مسند، رقم: ۲۶۶۲۹ [5] صحیح بخاری، رقم: ۴۶۴

عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں منتقل ہوگئے۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا اکثر آپ کو دیکھنے کے لیے جایا کرتی تھیں، ایک دن طبیعت زیادہ علیل ہوئی تو اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا چیخ اُٹھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا کہ یہ مسلمانوں کا شیوہ نہیں[1] ایک دن مرض میں اشتداد ہوا تو ازواج نے دوا پلانی چاہی چونکہ گوارانہ تھی آپ نے انکار فرمایا، لیکن جب غشی طاری ہوگئی تو اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا اور اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے دوا پلادی،[2] بعض روایتوں میں ہے کہ ان دونوں نے اس کا مشورہ دیا تھا۔ اسی زمانہ میں اسی روز حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا اور اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جو حبشہ ہو آئی تھیں وہاں کے عیسائی معبدوں کا (جو غالباً رومن کیتھولک گرجوں کے ہوں گے) اور ان کے مجسّموں اور تصویروں کا تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا: ''ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مرتا ہے تو اس کے مقبرہ کو عبادت گاہ بنالیتے ہیں اور اس کا بت بنا کر اس میں کھڑا کرتے ہیں، قیامت کے روز خدائے عزوجل کی نگاہ میں یہ لوگ بدترین مخلوق ہوں گے۔''[3]

وفات سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کان میں باتیں کیں تھیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی وقت بے تابانہ پوچھنے لگیں، لیکن حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے توقف کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پوچھا۔[4]

٦١ ہجری میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں، نہایت پریشان ہیں، سر اور ریشِ مبارک غبار آلود ہے، پوچھا: یا رسول اللہ! کیا حال ہے؟ ارشاد ہوا: ''حسین رضی اللہ عنہ کے مقتل سے واپس آرہا ہوں۔'' حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا بیدار ہوئیں تو آنکھوں سے آنسو جاری تھے،[5] اسی حالت میں زبان سے نکلا: اہلِ عراق نے حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا، اللہ ان کو قتل کرے اور حسین رضی اللہ عنہ کو جس نے ذلیل کیا، خدا ان لوگوں پر لعنت کرے۔[6]

٦٣ ہجری میں واقعہ حرّہ کے بعد شامی لشکر مکّہ آگیا جہاں ابن زبیر رضی اللہ عنہ پناہ گزین تھے، چونکہ

---

[1] طبقات: ذكر أول مابدأ برسول الله صلى الله عليه وسلم وجعه الذي توفّي فيه

[2] صحیح بخاری، رقم: ۴۴۵۸، وطبقات: ذكر اللدود الذي لُدَّ به رسول الله صلى الله عليه وسلم [3] صحیح بخاری، رقم: ۴۲۷

[4] طبقات: ذكر ماقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لفاطمة.... [5] صحیح ترمذی، رقم: ۳۷۷۱ [6] مسند، رقم: ۲۶۵۵۰

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ایسے لشکر کا تذکرہ فرمایا تھا، بعض کو شبہ ہوا اور حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا، بولیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ ''ایک شخص مکّہ میں پناہ لے گا اس کے مقابلہ میں جو لشکر آئے گا بیابان میں وہیں دھنس جائے گا۔'' اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: جو لوگ جبراً شریک کیے گئے ہوں گے وہ بھی؟ فرمایا: ''ہاں! لیکن قیامت کے دن اپنی نیتوں کے مطابق اٹھیں گے۔'' حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ یہ واقعہ مدینہ کے میدان میں پیش آئے گا۔[1]

وفات: جس سال حرّہ کا واقعہ ہوا یعنی ۶۳ ہجری اسی سال حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے انتقال فرمایا، اس وقت ۸۴ برس کا سن تھا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھی اور بقیع میں دفن کیا۔[2] اس زمانہ میں ولید بن عتبہ (ابوسفیان کا پوتا) مدینہ کا گورنر تھا۔ چونکہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے وصیّت کی تھی کہ وہ میرے جنازہ کی نماز نہ پڑھائے، اس لیے وہ جنگل کی طرف نکل گیا اور اپنے بجائے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا۔[3]

اولاد: حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر سے جو اولاد ہوئی ان کے نام یہ ہیں:

(۱) سلمہ رضی اللہ عنہ: حبشہ میں پیدا ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لڑکی امامہ سے کیا تھا۔

(۲) عمر رضی اللہ عنہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان ہی نے کیا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں فارس اور بحرین کے حاکم تھے۔

(۳) درّہ رضی اللہ عنہا: ان کا ذکر صحیح بخاری میں آیا ہے کہ حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جو کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں داخل تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ہم نے سنا ہے کہ آپ درّہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں؟ فرمایا: یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اگر میں نے اس کی پرورش نہ بھی کی ہوتی تو بھی وہ میرے لیے کسی طرح حلال نہ تھی کیونکہ وہ میرے رضاعی بھائی کی لڑکی ہے۔[4]

---

[1] صحیح مسلم، رقم: ۷۲۴۰ [2] اصابہ، رقم: ۱۲۰۶۵ [3] حوالہ سابقہ: حضرت ام سلمہ کی تاریخ وفات اور ان کی جنازہ کس نے پڑھائی؟ اس میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ [4] صحیح بخاری، رقم: ۵۱۰۱

(۴) زینب رضی اللہ عنہا: پہلے برّہ نام تھا، لیکن آنحضرت نے زینب رکھا۔[1]

حلیہ: اصابہ میں ہے:

كَانَتْ أُمُّ سَلَمَةَ مَوْصُوفَةً بِالْجَمَالِ الْبَارِعِ.[2]

''یعنی حضرت اُمّ سلمہ نہایت حسین تھیں۔''

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے حسن کا حال معلوم ہوا تو سخت پریشان ہوئیں[3] مگر واقدی کی روایت ہے جو چنداں قابل اعتبار نہیں۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے بال نہایت گھنے تھے۔[4]

فضل وکمال: علمی حیثیت سے اگرچہ تمام ازواج بلند رتبہ تھیں تاہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا ان میں کوئی جواب نہ تھا۔ چنانچہ محمود بن لبید کہتے ہیں۔

كَانَ أَزْوَاجُ النَّبِيِّ ﷺ يَحْفَظْنَ مِنْ حَدِيْثِ النَّبِيِّ ﷺ كَثِيْرًا وَلَا مِثْلًا لِعَائِشَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہما[5]

''آنحضرت کی ازواج احادیث کا مخزن تھیں، تاہم عائشہ اور اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا ان میں کوئی حریف مقابل نہ تھا۔''

مروان بن حکم ان سے مسائل دریافت کرتا اور اعلانیہ کہتا تھا:

كَيْفَ نَسْأَلُ اَحَدًا وَفِيْنَا أَزْوَاجُ النَّبِيِّ ﷺ[6]

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے ہوتے ہوئے ہم دوسروں سے کیوں پوچھیں۔''

حضرت ابوہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما دریائے علم ہونے کے باوجود ان کے دریائے فیض سے مستغنی نہ تھے۔ تابعین کرام کا ایک بڑا گروہ ان کے آستانہ فضل پر حاضر رہتا تھا۔

قرآن اچھا پڑھتیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز پر پڑھ سکتی تھیں۔ ایک مرتبہ کسی نے پوچھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیوں کر قرأت کرتے تھے؟ بولیں: ایک ایک آیت الگ الگ کرکے پڑھتے

---

[1] اسد الغابہ، رقم: ۶۹۶۶ [2] اصابہ، رقم: ۱۲۰۶۵ [3] ابن سعد، رقم: ۴۱۲۲ [4] مسند، رقم: ۲۶۴۷۷

[5] طبقات ابن سعد: عائشة زوج النبي ﷺ [6] مسند، رقم: ۲۶۷۱۰

تھے، اس کے بعد خود پڑھ کر بتلایا۔[1]

حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا ان کا کوئی حریف نہ تھا ان سے ۳۷۸ روایتیں مروی ہیں، اس بنا پر وہ محدثین صحابہ رضی اللہ عنہم کے تیسرے طبقہ میں شامل ہیں۔

حدیث سننے کا بڑا شوق تھا، ایک دن بال گوندھوا رہی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، زبانِ مبارک سے اَیُّھَا النَّاسُ! (اے لوگو!) کا لفظ نکلا تو فوراً بال باندھ کر اُٹھ کھڑی ہوئیں اور کھڑے ہو کر پورا خطبہ سنا۔[2]

مجتہد تھیں، صاحبِ اصابہ نے ان کے تذکرہ میں لکھا ہے:

(صَاحِبُ) الْعَقْلِ الْبَالِغِ وَالرَّأْيِ الصَّائِبِ۔[3]

"یعنی وہ کامل العقل اور صائب الرائے تھیں۔"

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ان کے فتاویٰ اگر جمع کیے جائیں تو ایک چھوٹا سا رسالہ تیار ہوسکتا ہے۔[4] ان کے فتاویٰ کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ وہ عموماً متفق علیہ ہیں اور یہ ان کی دقیقہ رسی اور نکتہ سنجی کا ایک کرشمہ ہے۔

ان کی نکتہ سنجی پر ذیل کے واقعات شاہد ہیں:

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے، مروان نے پوچھا آپ یہ نماز کیوں پڑھتے ہیں؟ بولے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی پڑھتے تھے، چونکہ انہوں نے یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سلسلہ سے سنی تھی، مروان نے ان کے پاس تصدیق کے لیے آدمی بھیجا۔

انہوں نے کہا مجھ کو اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث پہنچی ہے:

حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آدمی گیا اور یہ قول نقل کیا، بولیں:

یَغْفِرُ اللّٰہُ لِعَائِشَۃَ لَقَدْ وَضَعَتْ أَمْرِيْ عَلٰی غَیْرِ مَوْضِعِہٖ۔[5] اَوَلَمْ أُخْبِرْھَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَدْ نَھٰی عَنْھُمَا۔[6]

---

[1] مسند، رقم: ۲۶۵۶۴ [2] مسند، رقم: ۲۶۵۷۵ [3] اصابہ، رقم: ۱۲۰۶۵
[4] اعلام الموقعین: المقلون [5] مسند احمد، رقم: ۲۶۵۶۰ [6] مسند احمد، رقم: ۲۶۵۸۶

''یعنی خدا عائشہ کی مغفرت کرے انہوں نے بات نہیں سمجھی۔ کیا میں نے ان سے یہ نہیں کہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ رمضان میں جنابت کا غسل فوراً صبح اُٹھ کر کرنا چاہیے ورنہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے، ایک شخص نے جا کر حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا دونوں نے کہا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں صائم ہوتے تھے،[1] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے سنا تو رنگ فق ہوگیا اس خیال سے رجوع کیا اور کہا کہ میں کیا کروں، فضل بن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے اسی طرح بیان کیا تھا، لیکن ظاہر ہے کہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو زیادہ علم ہے، اس کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنا فتویٰ واپس لے لیا۔[2]

ایک مرتبہ چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اندرونی زندگی کے متعلق کچھ ارشاد فرمایئے، فرمایا: آپ کا ظاہر و باطن یکساں تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ سے واقعہ بیان کیا، فرمایا: ''تم نے بہت اچھا کیا۔''[3]

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا جواب صاف دیتی تھیں اور کوشش کرتی تھیں کہ سائل کو تشفّی ہوجائے ایک دفعہ کسی شخص کو مسئلہ بتایا، وہ ان کے پاس سے اُٹھ کر دوسری ازواج کے پاس گیا سب نے ایک ہی جواب دیا، واپس آکر حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو یہ خبر سنائی تو بولیں: نَعَمْ وَأُشْفِيكَ! ذرا ٹھہرو! میں تمہاری تشفّی کرنا چاہتی ہوں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق حدیث سنی ہے۔[4]

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو حدیث وفقہ کے علاوہ اسرار کا بھی علم تھا اور یہ وہ فن تھا جس کے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ عالم خصوصی تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے تو بولیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بعض صحابی ایسے ہیں جن کو نہ میں اپنے انتقال کے بعد دیکھوں گا اور نہ وہ مجھ کو دیکھیں گے، حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ گھبرا کر حضرت

---

[1] مسند احمد، رقم: ۲۴۰۷۴ [2] مسند احمد، رقم: ۲۶۶۰۹ [3] مسند احمد، رقم: ۲۶۶۳۷

[4] مسند احمد، رقم: ۲۶۵۴۸

عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان سے یہ حدیث بیان کی، حضرت عمر حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور کہا: ''خدا کی قسم! سچ سچ کہنا کیا میں انہی میں ہوں؟''

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: نہیں! لیکن تمہارے علاوہ کسی کو مستثنیٰ نہیں کروں گی۔[1]

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے جن لوگوں نے علم حدیث حاصل کیا ان کی ایک بڑی جماعت ہے، ہم صرف چند ناموں پر اکتفا کرتے ہیں:

عبدالرحمٰن بن ابی بکر، اسامہ بن زید، ہند بنت الحارث الفراسیہ، صفیّہ بنت شیبہ، عمر، زینب (اولاد حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا) مصعب بن عبداللہ (برادر زادہ) نبہان (غلام مکاتب) عبداللہ بن رافع، نافع، شعبہ، پسرِ شعبہ، ابوبکیر، خیرہ (والدۂ حسن بصری) سلیمان بن یسار، ابوعثمان النہدی، حمید، ابوسلمہ، سعید بن میسّب، ابو وائل، صفیّہ بنت محصن، شعبی، عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام، عکرمہ، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، عثمان بن عبداللہ بن موہب، عروہ بن زبیر، کریب (مولیٰ ابن عباس) قبیصہ بن زویب، نافع (مولیٰ ابن عمر) یعلی بن مملک رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

اخلاق و عادات: حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نہایت زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں، ایک مرتبہ ایک ہار پہنا جس میں سونے کا کچھ حصّہ شامل تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراض کیا تو اس کو توڑ ڈالا۔[2]

ہر مہینہ میں تین دن (پیر، جمعرات اور جمعہ) روزہ رکھتی تھیں۔[3]

ثواب کی متلاشی رہتیں، ان کے پہلے شوہر کی اولاد ان کے ساتھ تھی اور وہ نہایت عمدگی سے ان کی پرورش کرتی تھیں، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مجھ کو اس کا کچھ ثواب بھی ملے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔[4]

اچھے کاموں میں شریک ہوتی تھیں آیت تطہیر ان ہی کے گھر میں نازل ہوئی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسنین رضی اللہ عنہما کو بلا کر کمبل اوڑھایا اور کہا: ''خدایا! یہ میرے اہلِ بیت ہیں، ان سے ناپاکی کو دور کر اور ان کو پاک کر۔'' حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ دعا سنی تو بولیں: یارسول اللہ! میں بھی انکے ساتھ شریک ہوں، ارشاد ہوا تم اپنی جگہ پر ہو اور اچھی ہو۔[5]

---

[1] مسند احمد، رقم: ۲۶۶۲۱ [2] مسند احمد، رقم: ۲۶۶۸۲ [3] مسند احمد، رقم: ۲۶۴۸۰

[4] مسلم، رقم: ۲۳۲۰ [5] صحیح ترمذی، رقم: ۳۷۸۷

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پابند تھیں، نماز کے اوقات میں بعض امراء نے تغیّر وتبدل کیا یعنی مستحب اوقات چھوڑ دیئے تو حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو تنبیہ کی اور فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر جلد پڑھا کرتے تھے اور تم عصر جلد پڑھتے ہو۔[1]

ایک دن ان کے بھتیجے نے دو رکعت نماز پڑھی، چونکہ سجدہ گاہ غبار آلود تھی وہ سجدہ کرتے وقت مٹی جھاڑتے تھے، حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے روکا کہ یہ فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رَوِش کے خلاف ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غلام نے ایک دفعہ ایسا کیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا:

تَرِّبْ وَجْهَكَ لِلّٰهِ.[2]

"اپنا چہرہ خدا کے لیے غبار آلود کردے۔"

فیاض تھیں اور دوسروں کو بھی فیاضی کی طرف مائل کرتی تھیں ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے آکر کہا: اماں! میرے پاس اس قدر مال جمع ہوگیا ہے کہ اب بربادی کا خوف ہے۔ فرمایا: بیٹا اس کو خرچ کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے ہیں جو مجھ کو میری موت کے بعد پھر کبھی نہ دیکھیں گے۔[3]

ایک مرتبہ چند فقراء، جن میں عورتیں بھی تھیں، ان کے گھر آئے اور نہایت الحاح سے سوال کیا، اُمّ الحسن بیٹھی تھیں انہوں نے ڈانٹا لیکن حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہم کو اس کا حکم نہیں ہے، اس کے بعد لونڈی سے کہا کہ ان کو کچھ دے کر رخصت کرو، کچھ نہ ہو تو ایک ایک چھوہارا ان کے ہاتھ پر رکھ دو۔[4]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو جو محبّت تھی اس کا یہ اثر تھا کہ آپ کے موئے مبارک تبرکاً رکھ چھوڑے تھے جن کی وہ لوگوں کو زیارت کراتی تھیں۔[5] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے اس قدر محبّت تھی کہ ایک مرتبہ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! اس کا کیا سبب ہے کہ ہمارا قرآن میں ذکر نہیں؟ تو آپ منبر پر تشریف لے گئے اور یہ آیت پڑھی:[6]

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ.[7]

---

[1] مسند احمد، رقم: ۲۶۴۷۸ [2] مسند احمد، رقم: ۲۶۵۷۲ [3] مسند احمد، رقم: ۲۶۴۸۹
[4] استیعاب، رقم: ۳۵۹۴ [5] مسند احمد، رقم: ۲۶۵۳۵ [6] مسند احمد، رقم: ۲۶۵۷۵ [7] سورۂ احزاب: ۳۵

مناقب: ایک مرتبہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی تھیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور باتیں کرتے رہے، ان کے جانے کے بعد آپ نے پوچھا: ''ان کو جانتی ہو؟'' بولیں: دحیہ کلبی تھے۔ لیکن جب آپ نے اس واقعہ کو اور لوگوں سے بیان کیا تو اس وقت معلوم ہوا کہ وہ جبرئیل علیہ السلام تھے (غالباً یہ نزولِ حجاب سے قبل کا واقعہ ہے)۔[۱]

(۷)

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

نام ونسب: زینب نام، اُمّ الحکم کنیت، قبیلہ قریش کے خاندان اسد بن خزیمہ سے ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: زینب بنت جحش بن ریاب بن یعمر بن صبرۃ بن مرۃ بن کثیر بن غنم بن دودان بن سعد بن خزیمہ۔ والدہ کا نام اُمیمہ تھا جو عبدالمطلب جدّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر تھیں، اس بنا پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی زاد بہن تھیں۔

اسلام: نبوّت کے ابتدائی دور میں اسلام لائیں۔ اسد الغابہ میں ہے:

كَانَتْ قَدِيمَةَ الْإِسْلَامِ۔[۲]

''قدیم اسلام تھیں۔''

نکاح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو آپ کے آزاد کردہ غلام اور متبنّٰی تھے، ان کا نکاح کر دیا، اسلام نے دنیا میں مساوات کی جو تعلیم رائج کی ہے اور پست و بلند کو جس طرح ایک سطح پر لاکھڑا کر دیا ہے، اگرچہ تاریخ میں اس کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں، لیکن یہ واقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ان سب پر فوقیت رکھتا ہے، کیونکہ اسی سے عملی تعلیم کی بنیاد قائم ہوتی ہے، قریش اور خصوصاً خاندان ہاشم کو تولیتِ کعبہ کی وجہ سے عرب میں جو درجہ حاصل تھا اس کے لحاظ سے شاہانِ یمن بھی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے، لیکن اسلام

---

[۱] صحیح مسلم، رقم: ۶۳۱۵ [۲] رقم: ۶۹۵۵

نے محض ''تقویٰ'' کو بزرگی کا معیار قرار دیا اور فخر وادعا کو جاہلیت کا شعار ٹھہرایا ہے، اس بنا پر اگرچہ حضرت زید رضی اللہ عنہ بظاہر غلام تھے، تاہم چونکہ وہ مسلم اور مرد صالح تھے، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ساتھ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا عقد کر دینے میں کوئی تکلّف نہیں ہوا۔ تعلیم مساوات کے علاوہ اس نکاح کا ایک مقصد اور بھی تھا جو اسد الغابہ میں مذکور ہے اور وہ یہ ہے:

تَزَوَّجَهَا لِيُعَلِّمَهَا كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ رَسُوْلِهٖ۔[1]

''یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح زید رضی اللہ عنہ سے اس لیے کیا تھا کہ ان کو قرآن و حدیث کی تعلیم دیں۔''

تقریباً ایک سال تک دونوں کا ساتھ رہا لیکن پھر تعلّقات قائم نہ رہ سکے اور شکر رنجی بڑھتی گئی، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوّت میں شکایت کی اور طلاق دے دینی چاہی:

جَاءَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، اِنَّ زَيْنَبَ اشْتَدَّ عَلَيَّ لِسَانُهَا وَاَنَا اُرِيْدُ اَنْ اُطَلِّقَهَا۔[2]

''زید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کی کہ زینب مجھ سے زبان درازی کرتی ہیں اور میں ان کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔''

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بار بار ان کو سمجھاتے رہے کہ طلاق نہ دیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ۔[3]

''اور جب کہ تم اس شخص سے جس پر خدا نے اور تم نے احسان کیا تھا یہ کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو نکاح میں لیے رہو اور خدا سے خوف کرو۔''

لیکن یہ کسی طرح صحبت برآ نہ ہو سکے۔ اور آخر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دیدی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہن تھیں اور آپ ہی کی تربیت میں پلی تھیں، آپ کے فرمانے سے انہوں نے یہ رشتہ منظور کرلیا تھا جو ان کے نزدیک ان کے خلافِ شان تھا

---

[1] رقم: ۶۹۵۵ [2] فتح الباری تحت رقم: ۴۷۸۷ [3] سورۂ احزاب: ۳۷

(چونکہ زید غلام رہ چکے تھے اس لیے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو یہ نسبت گوارا نہ تھی)۔ بہر حال وہ مطلقہ ہوگئیں تو آپ نے ان کی دلجوئی کے لیے خود ان سے نکاح کر لینا چاہا، لیکن عرب میں اس وقت تک متبنّٰی اصلی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا، اس لیے عام لوگوں کے خیال سے آپ تامل فرماتے تھے، لیکن چونکہ یہ محض جاہلیت کی رسم تھی اور اس کو مٹانا مقصود تھا اس لیے یہ آیت نازل ہوئی:

وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ[1]

''اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپاتے ہو جس کو خدا ظاہر کر دینے والا ہے اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ ڈرنا خدا سے چاہیے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم زینب رضی اللہ عنہا کے پاس میرا پیغام لے کر جاؤ، زید رضی اللہ عنہ انکے گھر آئے تو وہ آٹا گوندھنے میں مصروف تھیں چاہا کہ انکی طرف دیکھیں لیکن پھر کچھ سوچ کر منہ پھیر لیا اور کہا: زینب! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لایا ہوں۔ جواب ملا: ''میں بغیر استخارہ کیے کوئی رائے قائم نہیں کرتی''، یہ کہا اور مصلیٰ پر کھڑی ہوگئیں، اُدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی: فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا[2] اور نکاح ہو گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لائے اور بلا استیذان اندر چلے گئے۔

دن چڑھے دعوتِ ولیمہ ہوئی جو اسلام کی سادگی کی اصلی تصویر تھی اس میں روٹی اور سالن کا انتظام تھا۔ انصار میں حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں مالیدہ بھیجا تھا، غرض سب چیزیں جمع ہوگئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو لوگوں کے بلانے کے لیے بھیجا۔ ۳۰۰ آدمی شریکِ دعوت ہوئے، کھانے کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دس دس آدمیوں کی ٹولیاں کر دی تھیں، باری باری آتے اور کھانا کھا کر واپس چلے جاتے۔[3]

اسی دعوت میں آیتِ حجاب اُتری جس کی وجہ یہ تھی کہ چند آدمی مدعو تھے، کھا کر باتیں کرنے

---

[1] سورۂ احزاب: ۳۷ [2] سورۂ احزاب: ۳۷ [3] ترمذی، رقم: ۳۲۱۸

لگے اور اس قدر دیر لگائی کہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ فرطِ مروّت سے خاموش تھے بار بار اندر جاتے اور باہر آتے تھے، اسی مکان میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی بیٹھی ہوئی تھیں اور ان کا منہ دیوار کی طرف تھا۔

آنحضرت ﷺ کی آمدورفت کو دیکھ کر بعضوں کو خیال ہوا اور وہ اُٹھ کر چلے گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کو جو دوسری ازواج کے مکان میں تھے اطلاع دی آپ باہر تشریف لائے تو وحی کی زبان اس طرح گویا ہوئی:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّا اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ[1]

''اے ایمان والو! نبی کے گھروں پر مت جایا کرو، مگر جس وقت تم کو کھانے کے لیے اجازت دی جائے ایسے طور پر کہ تم اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو لیکن جب تم کو بلایا جائے تب جایا کرو، پھر جب کھانا کھا چکو تو اُٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو، اس بات سے نبی کو ناگواری پیدا ہوتی ہے سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ صاف بات کہنے سے لحاظ نہیں کرتا ہے اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر مانگو۔''

آپ نے دروازہ پر پردہ لٹکا دیا اور لوگوں کو گھر کے اندر جانے کی ممانعت ہوگئی، یہ واقعہ ذی القعدہ ۵ ہجری کا ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کی چند خصوصیتیں ہیں جو کہیں اور نہیں پائی جاتیں: (۱) ان کے نکاح سے جاہلیت کی ایک رسم کہ متبنّٰی اصلی بیٹے کا حکم رکھتا ہے مٹ گئی، (۲) مساواتِ اسلامی کا وہ عظیم الشّان منظر نظر آیا کہ آزاد و غلام کی تمیز اُٹھ گئی، (۳) پردہ کا حکم ہوا، (۴) نکاح کے

[1] سورۂ احزاب: ۵۳

لیے وحی الٰہی آئی، (۵) ولیمہ میں تکلّف ہوا، اسی بنا پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ازواج کے مقابلہ میں فخر کیا کرتی تھی۔[۱]

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں جو بیبیاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھیں ان میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا خصوصیّت کے ساتھ ممتاز تھیں، خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

هِيَ الَّتِي كَانَتْ تُسَامِيْنِيْ مِنْهُنَّ فِي الْمَنْزِلَةِ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ[۲]

''ازواج میں سے وہی رسول اللہ ﷺ کی نگاہ میں عزّت ومرتبہ میں میرا مقابلہ کرتی تھیں۔''

آنحضرت ﷺ کو بھی ان کی خاطر داری منظور رہتی تھی، یہی وجہ تھی کہ جب چند ازواج نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو سفیر بنا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا اور وہ ناکام واپس ہوئیں تو سب نے اس خدمت (سفارت) کے لیے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتخاب کیا کیونکہ وہ اس خدمت کے لیے زیادہ موزوں تھیں۔ انہوں نے بڑی دلیری سے پیغام ادا کیا اور بڑے زور کے ساتھ یہ ثابت کرنا چاہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس رتبہ کی مستحق نہیں ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چپ سُن رہی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کے چہرہ کی طرف دیکھتی جاتی تھیں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا جب تقریر کر چکیں تو مرضی پاکر کھڑی ہوئیں اور اس زور وشور کے ساتھ تقریر کی کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا لاجواب ہو کر رہ گئیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''کیوں نہ ہو! ابوبکر کی بیٹی ہے۔''[۳]

وفات: آنحضرت ﷺ نے ازواجِ مطہّرات سے فرمایا تھا:

اَسْرَعُكُنَّ لَحَاقًا بِيْ اَطْوَلُكُنَّ يَدًا۔[۴]

''تم میں مجھ سے جلدی وہ ملے گی جس کا ہاتھ لمبا ہوگا۔''

یہ استعارۃً فیاضی کی طرف اشارہ تھا لیکن ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اس کو حقیقت سمجھیں، چنانچہ باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنی فیاضی کی بنا پر اس پیشین گوئی کا مصداق ثابت ہوئیں۔ ازواجِ مطہّرات رضی اللہ عنہن میں سب سے پہلے انتقال کیا۔ کفن کا خود

[۱] اسد الغابہ، رقم: ۶۹۵۵ [۲] صحیح مسلم، رقم: ۶۲۹۰ [۳] حوالہ سابقہ [۴] مسلم، رقم: ۶۳۱۶

انتظام کرلیا تھا اور وصیّت کی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی کفن دیں تو ان میں سے ایک کو صدقہ کردینا۔ چنانچہ یہ وصیّت پوری کی گئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اس کے بعد ازواجِ مطہّرات رضی اللہ عنہن سے دریافت کیا کہ کون قبر میں داخل ہوگا؟ انہوں نے کہا کہ وہ شخص جو ان کے گھر میں داخل ہوا کرتا تھا، چنانچہ اسامہ بن زید، محمد بن عبداللہ بن جحش، عبداللہ بن ابی احمد بن جحش رضی اللہ عنہم نے ان کو قبر میں اُتارا اور بقیع میں سپردِ خاک کیا۔[۱]

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ۲۰ ہجری میں انتقال کیا اور ۵۳ برس کی عمر پائی، واقدی نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس وقت نکاح ہوا اس وقت ۳۵ سال کی تھی لیکن یہ عام روایت کے خلاف ہے عام روایت کے مطابق ان کا سن ۳۸ سال کا تھا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے مالِ متروکہ میں صرف ایک مکان یادگار چھوڑا تھا، جس کو ولید بن عبدالملک نے اپنے زمانہ حکومت میں پچاس ہزار درہم پر خرید کیا اور وہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شامل کردیا گیا۔[۲]

حلیہ: حضرت زینب رضی اللہ عنہا کوتاہ قامت لیکن خوبصورت اور موزون اندام تھیں۔[۳]

فضل و کمال: روایتیں کم کرتی تھیں، کتبِ حدیث میں ان سے صرف گیارہ روایتیں منقول ہیں۔ راویوں میں حضرت اُمّ حبیبہ، زینب بنت ابی سلمہ، محمد بن عبداللہ بن جحش (برادر زادہ)، کلثوم بنت طلق اور مذکور (غلام) رضی اللہ عنہم داخل ہیں۔

اخلاق: حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَتْ (زَيْنَبُ رضی اللہ عنہا) صَالِحَةً صَوَّامَةً قَوَّامَةً.[۴]

''یعنی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نیک خو، روزہ دار اور نماز گزار تھیں۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

---

[۱] اسد الغابہ، رقم: ۶۹۵۵ [۲] طبری: ۸۸ ہجری کے واقعات (ذكر عمارة مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

[۳] اصابہ، رقم: ۱۱۲۲۷ [۴] طبقات، رقم: ۴۱۲۴

لَمْ اَرَ اِمْرَاَةً قَطُّ خَيْرًا فِي الدِّيْنِ مِنْ زَيْنَبَ رضی اللہ عنہا وَاَتْقٰى لِلّٰهِ وَاَصْدَقَ حَدِيْثًا وَاَوْصَلَ لِلرَّحِمِ وَاَعْظَمَ صَدَقَةً وَاَشَدَّ اِبْتِذَالًا لِنَفْسِهَا فِي الْعَمَلِ الَّذِيْ تَصَدَّقُ بِهٖ وَتَقَرَّبُ بِهٖ اِلَى اللّٰهِ مَاعَدَا سَوْرَةً مِنْ حِدَّةٍ كَانَتْ فِيْهَا تُسْرِعُ مِنْهَا الْفَيْئَةَ.[1]

''یعنی میں نے کوئی عورت زینب رضی اللہ عنہا سے زیادہ دین دار، زیادہ پرہیز گار، زیادہ راست گفتار، زیادہ فیاض، مخیّر اور خدا کی رضا جوئی میں زیادہ سرگرم نہیں دیکھی، فقط مزاج میں ذرا تیزی تھی جس پر ان کو بہت جلد ندامت بھی ہوتی تھی۔''

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا زہد و تورّع میں یہ حال تھا کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اتہام لگایا گیا اور اس اتہام میں خود حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بہن حمنہ شریک تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اخلاقی حالت دریافت کی تو انہوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا:

مَاعَلِمْتُ اِلَّا خَيْرًا.

''مجھ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھلائی کے سوا کسی چیز کا علم نہیں۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے اس صدق و اقرارِ حق کا اعتراف کرنا پڑا۔

عبادت میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ مصروف رہتی تھیں، ایک مرتبہ آپ مہاجرین پر کچھ مال تقسیم کر رہے تھے حضرت زینب رضی اللہ عنہا اس معاملہ میں کچھ بول اُٹھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ڈانٹا، آپ نے فرمایا ان سے درگزر کرو، یہ اوّاہ ہیں یعنی خاشع و متضرع ہیں۔[2]

نہایت قانع اور فیاضِ طبع تھیں، خود اپنے دست و بازو سے معاش پیدا کرتی تھیں اور اس کو خدا کی راہ میں لٹا دیتی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو مدینہ کے فقراء و مساکین میں سخت کھلبلی پیدا ہوگئی اور وہ گھبرا گئے۔[3] ایک دفعہ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا سالانہ نفقہ بھیجا، انہوں نے اس پر ایک کپڑا ڈال دیا اور برّہ بنت رافع کو حکم دیا کہ میرے خاندانی رشتہ داروں اور یتیموں کو تقسیم کر دو، برّہ نے کہا: آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے؟ انہوں نے کہا کپڑے کے نیچے جو کچھ ہو وہ تمہارا ہے دیکھا تو پچاسی درہم نکلے جب تمام مال

[1] مسلم، رقم: ۶۲۹۰ [2] اصابہ، رقم: ۱۱۲۲۷ [3] حوالہ سابقہ

تقسیم ہو چکا تو دعا کی کہ خدایا! اس سال کے بعد میں عمر رضی اللہ عنہ کے عطیّہ سے فائدہ نہ اُٹھاؤں اور دعا قبول ہوئی اور اِسی سال انتقال ہوگیا۔[1]

(۸)

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب: جویریہ نام، قبیلہ خزاعہ کے خاندان مصطلق سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے: جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائذ بن مالک بن جذیمہ بن مصطلق بن سعد بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو مزیقیا۔ حارث بن ابی ضرار حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد خاندان بنو مصطلق کے سردار تھے۔[2]

نکاح: حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح اپنے ہی قبیلہ میں مسافع بن صفوان (ذی شفر) سے ہوا تھا۔

غزوۂ مریسیع اور نکاحِ ثانی: حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا باپ اور شوہر مسافع دونوں دشمنِ اسلام تھے، چنانچہ حارث نے قریش کے اشارہ سے یا خود مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی تو مزید تحقیقات کے لیے بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا انہوں نے واپس آکر خبر کی تصدیق کی۔ آپ نے صحابہ کو تیاری کا حکم دیا ۲ رشعبان ۵ ہجری کو فوجیں مدینہ سے روانہ ہوئیں اور مریسیع میں جو مدینہ منورہ سے ۹ منزل ہے پہنچ کر قیام کیا، لیکن حارث کو یہ خبریں پہلے سے پہنچ چکیں تھیں اس لیے اس کی جمعیّت منتشر ہوگئی اور وہ خود بھی کسی طرف نکل گیا لیکن مریسیع میں جو لوگ آباد تھے انہوں نے صف آرائی کی اور دیر تک جم کر تیر برساتے رہے۔ مسلمانوں نے دفعۃً ایک ساتھ حملہ کیا تو ان کے پاؤں اکھڑ گئے، گیارہ آدمی مارے گئے اور باقی گرفتار ہوئے جن کی تعداد تقریباً چھ سو تھی، غنیمت میں دو ہزار اونٹ

---

[1] ابن سعد، رقم: ۴۱۲۴　　[2] اسد الغابہ، رقم: ۶۸۲۹

اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔

لڑائی میں جو لوگ گرفتار ہوئے ان میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ ابن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے جو بعض حدیث کی کتابوں میں بھی ہے کہ تمام اسیرانِ جنگ لونڈی غلام بنا کر تقسیم کر دیئے گئے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ثابت بن قیس کے حصّہ میں آئیں، انہوں نے ثابت سے درخواست کی کہ "مکاتبت کرلو، یعنی مجھ سے کچھ روپیہ لے کر چھوڑ دو" ثابت نے ۹ اوقیہ سونے پر منظور کیا۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے پاس روپیہ نہ تھا چاہا کہ لوگوں سے روپیہ مانگ کر یہ رقم ادا کریں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی آئیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی وہاں موجود تھیں۔

ابن اسحٰق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی روایت کی ہے جو یقیناً ان کی ذاتی رائے ہے کہ چونکہ جویریہ رضی اللہ عنہا نہایت شیریں ادا تھیں، میں نے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتے دیکھا تو سمجھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ان کے حسن و جمال کا وہی اثر ہوگا جو مجھ پر ہوا۔ غرض وہ آنحضرت کے پاس گئیں۔ آپ نے فرمایا: تم کو اس سے بہتر چیز کی خواہش نہیں؟ انہوں نے کہا وہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ "تمہاری طرف سے میں روپیہ ادا کر دیتا ہوں اور تم سے نکاح کر لیتا ہوں" حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا راضی ہو گئیں۔ آپ نے تنہا وہ رقم ادا کر دی اور ان سے شادی کر لی۔

لیکن دوسری روایت میں اس سے زیادہ واضح بیان مذکور ہے:

اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا باپ (حارث) رئیس عرب تھا، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا جب گرفتار ہوئیں تو حارث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا کہ "میری بیٹی کنیز نہیں بن سکتی، میری شان اس سے بالاتر ہے، میں اپنے قبیلے کا سردار اور رئیسِ عرب ہوں آپ اس کو آزاد کر دیں، آپ نے فرمایا کہ یہ بہتر نہ ہوگا کہ خود جویریہ رضی اللہ عنہا کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے؟ حارث نے جا کر جویریہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ محمد نے تیری مرضی پر رکھا ہے، دیکھنا مجھ کو رسوا نہ کرنا۔ انہوں نے کہا: "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنا پسند کرتی ہوں۔"

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کر لی۔

ابن سعد نے طبقات میں یہ روایت کی ہے کہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد نے ان کا زرِ فدیہ

ادا کیا اور جب وہ آزاد ہوگئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا۔[1]

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے جب آپ نے نکاح کیا تو تمام اسیرانِ جنگ جو اہل فوج کے حصّہ میں آگئے تھے، دفعۃً رہا کردیئے گئے، فوج نے کہا کہ جس خاندان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کرلی وہ غلام نہیں ہوسکتا۔[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کسی عورت کو جویریہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر اپنی قوم کے حق میں مبارک نہیں دیکھا ان کے سبب سے بنو مصطلق کے سیکڑوں گھرانے آزاد کردیئے گئے۔[3]

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا نام برّہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر جویریہ رضی اللہ عنہا رکھا کیونکہ اس میں بدفالی تھی۔[4]

وفات: حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے ربیع الاول ۵۰ ہجری میں وفات پائی، اس وقت ان کا سن ۶۵ برس کا تھا۔ مروان نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنّت البقیع میں دفن ہوئیں۔

حلیہ: حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا خوب صورت اور موزوں اندام تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

كَانَتْ اِمْرَاَةً حُلْوَةً مَلَّاحَةً لَا يَرَاهَا اَحَدٌ اِلَّا اَخَذَتْ بِنَفْسِهٖ۔[5]

فضل وکمال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند حدیثیں روایت کیں، ان سے حسب ذیل لوگوں نے حدیث سنی ہے: ابن عباس، جابر، ابن عمر، عبید بن السباق، طفیل، ابو ایوب مَراغی، کلثوم بن مصطلق، عبداللہ بن شداد بن الہاد، کریب رضی اللہ عنہم۔

اخلاق: حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں۔ ایک دن صبح کو مسجد میں دعا کررہی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گزرے اور دیکھتے ہوئے چلے گئے، دوپہر کے قریب آئے تب بھی ان کو اسی حالت میں پایا۔[6]

---

[1] ابن سعد، رقم: ۴۱۲۶ [2] ابوداؤد، رقم: ۳۹۳۱ [3] اسد الغابہ، رقم: ۶۸۲۹
[4] صحیح مسلم، رقم: ۵۶۰۶ [5] اسد الغابہ، رقم: ۶۸۲۹ [6] ترمذی، رقم: ۳۵۵۵

جمعہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے تو روزہ سے تھیں، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا: ''کل روزہ سے تھیں؟'' بولیں: نہیں، فرمایا: ''تو کل رکھو گی؟'' جواب ملا: نہیں، ارشاد ہوا: ''تو پھر تم کو افطار کر لینا چاہیے۔[1]''

دوسری روایتوں میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینہ میں تین دن روزے رکھتے تھے، ان تین دنوں میں ایک دن جمعہ کا ضرور ہوتا تھا، اس لیے تنہا جمعہ کے دن ایک روزہ رکھنے میں علماء کا اختلاف ہے، ائمہ حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی جواز کی روایت ہے۔ بعض شافعیہ نے اس سے روکا ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری (تحت رقم الحدیث المذکور)۔ امام ابو یوسف کے نزدیک احتیاط اس میں ہے کہ جمعہ کے روزہ کے ساتھ ایک روزہ اور ملا لیا جائے۔[2] یہ بحث صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنے کے متعلق ہے اور دنوں سے اس کا تعلّق نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے محبّت تھی اور ان کے گھر آتے جاتے تھے، ایک مرتبہ آکر پوچھا کہ کچھ کھانے کو ہے؟ جواب ملا: میری کنیز نے صدقہ کا گوشت دیا تھا وہی رکھا ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں، فرمایا: ''اسے اُٹھا لاؤ، کیونکہ صدقہ جس کو دیا گیا تھا اس کو پہنچ چکا۔[3]''

(۹)

حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب: رملہ نام، اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے: رملہ بنت ابی سفیان صخر بن حرب بن امیّہ بن عبد شمس۔ والدہ کا نام صفیّہ بنت ابی العاص تھا، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حقیقی پھوپھی تھیں۔ حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ۱۷ سال پہلے پیدا ہوئیں۔[4]

---

[1] بخاری، رقم: ۱۹۸۶ [2] بذل المجہود: تحت باب النّهي أن يخصّ يوم الجمعة بصوم

[3] مسلم، رقم: ۲۴۸۳ [4] اصابہ، رقم: ۱۱۱۹۱

نکاح: عبید اللہ بن جحش سے جو کہ حرب بن امیّہ کے حلیف تھے، نکاح ہوا[1]

اسلام: اپنے شوہر ہی کے ساتھ مسلمان ہوئیں اور حبشہ کو ہجرت کی۔ حبشہ میں جا کر عبید اللہ نے عیسائی مذہب اختیار کیا، اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے بھی کہا لیکن وہ اسلام پر قائم رہیں۔ اب وہ وقت آ گیا کہ ان کو اسلام اور ہجرت کی فضیلت کے ساتھ اُمّ المومنین بننے کا شرف بھی حاصل ہو، عبید اللہ نے عیسائی ہو کر بالکل آزادانہ زندگی بسر کرنا شروع کی، مے نوشی کی عادت ہوگئی آخر ان کا انتقال ہو گیا[2]

نکاح ثانی: عدّت کے دن ختم ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیّہ ضمری رضی اللہ عنہ کو نجاشی کی خدمت میں بغرضِ نکاح بھیجا، جب وہ نجاشی کے پاس پہنچے، تو اس نے اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کو اپنی لونڈی ابرہہ کے ذریعہ سے پیغام دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو تمہارے نکاح کے لیے لکھا ہے، انہوں نے خالد بن سعید اموی رضی اللہ عنہ کو وکیل مقرّر کیا اور اس مژدہ کے صلہ میں ابرہہ کو چاندی کے دو کنگن اور انگوٹھیاں دیں، جب شام ہوئی تو نجاشی نے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور وہاں کے مسلمانوں کو جمع کر کے خود نکاح پڑھایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے چار سو دینار مہر ادا کیا۔ نکاح کے بعد حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا جہاز میں بیٹھ کر روانہ ہوئیں اور مدینہ کی بندرگاہ پر اتریں، آنحضرت اس وقت خیبر میں تشریف رکھتے تھے۔ یہ ۷ ہجری یا ۶ ہجری کا واقعہ ہے[3] اس وقت حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۳۶، ۳۷ سال کی تھی۔

حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے متعلق مختلف روایتیں ہیں، ہم نے جو روایت لی ہے وہ مسند کی ہے اور مشہور روایتوں کے مطابق ہے، البتہ مہر کی تعداد میں کچھ غلطی معلوم ہوتی ہے عام روایت یہ ہے اور مسند میں بھی ہے کہ ازواجِ مطہّرات رضی اللہ عنہن اور صاحب زادیوں کا مہر چار چار سو درہم تھا۔ اس بنا پر چار سو دینار راوی کا سہو ہے، اس موقع پر ہم کو صحیح مسلم کی ایک روایت کی تنقید کرنا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ لوگ ابوسفیان کو نظر اُٹھا کے دیکھنا اور ان کے پاس بیٹھنا ناپسند کرتے تھے،

---

[1] اصابہ، رقم: ۱۱۱۹۱ [2] طبقات: ۱۲۳/۴ [3] مسند، رقم: ۲۷۴۰۸

اس بنا پر انہوں نے آنحضرت ﷺ سے تین چیزوں کی درخواست کی جن میں ایک یہ بھی تھی کہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لیجیے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی درخواست منظور فرمائی۔[1] اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیان کے مسلمان ہونے کے وقت حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا ازواجِ مطہرات میں داخل نہیں ہوئی تھیں لیکن یہ راوی کا وہم ہے۔ چنانچہ ابن سعد، ابن حزم، ابن جوزی، ابن اثیر، بیہقی اور عبدالعظیم منذری رحمۃ اللہ علیہم نے اس کے خلاف روایتیں کی ہیں اور ابن سعد کے سوا سب نے اس روایت کی تردید کی ہے۔

وفات: حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ۴۴ ہجری میں انتقال کیا اور مدینہ میں دفن ہوئیں، اس وقت ۷۳ برس کا سن تھا۔ قبر کے متعلق اس قدر معلوم ہے کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مکان میں تھیں۔ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے مکان کا ایک گوشہ کھدوایا تو ایک کتبہ برآمد ہوا کہ ''رملہ بنت صخر کی قبر ہے۔'' چنانچہ اس کو میں نے اسی جگہ رکھ دیا۔[2]

وفات کے قریب حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ اور حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ سوکنوں میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ہم لوگوں میں کبھی ہو جایا کرتا تھا اس لیے مجھ کو معاف کر دو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے معاف کر دیا اور ان کے لیے دعائے مغفرت کی تو بولیں: تم نے مجھ کو خوش کیا خدا تم کو خوش کرے۔[3]

اولاد: پہلے شوہر سے دو لڑکے پیدا ہوئے عبداللہ اور حبیبہ، حبیبہ رضی اللہ عنہا نے نبوّت کی آغوش میں تربیت پائی اور داؤد بن عروہ بن مسعود کو منسوب ہوئیں جو قبیلہ ثقیف کے رئیسِ اعظم تھے۔

حلیہ: خوب صورت تھیں، صحیح مسلم میں خود ابوسفیان کی زبانی منقول ہے:

عِنْدِیْ اَحْسَنُ الْعَرَبِ وَاَجْمَلُهٗ اُمُّ حَبِیْبَةَ[4]

''میرے ہاں عرب کی حسین تر اور جمیل تر عورت موجود ہے۔''

---

[1] اسد الغابہ، رقم: ۷۴۰۹ [2] استیعاب، رقم: ۳۳۷۸ [3] اصابہ، رقم: ۱۱۱۹۱ [4] صحیح مسلم، ۶۴۰۹

فضل و کمال: حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے حدیث کی کتابوں میں ۶۵ روایتیں منقول ہیں، راویوں کی تعداد بھی کم نہیں بعض کے نام یہ ہیں: حبیبہ (دختر) معاویہ اور عتبہ پسران (بیٹے) ابوسفیان، عبداللہ بن عتبہ، ابوسفیان بن سعید ثقفی (خواہر زادہ) سالم بن سوار (مولیٰ) ابوالجراح، صفیہ بنت شیبہ، زینب بنت ابی سلمہ، عروہ بن زبیر، ابو صالح السمان، شہر بن حوشب رضی اللہ عنہم۔

اخلاق: حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے جوش ایمان کا یہ منظر قابل دید ہے کہ فتح مکّہ سے قبل جب ان کے باپ (ابوسفیان) کفر کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ آئے اور ان کے گھر گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بچھونے پر بیٹھنا چاہتے تھے، حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے یہ دیکھ کر بچھونا الٹ دیا، ابوسفیان سخت برہم ہوئے کہ بچھونا اس قدر عزیز ہے! بولیں: یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرش ہے اور آپ مشرک ہیں اور اس بنا پر ناپاک ہیں۔ ابوسفیان نے کہا کہ تو میرے پیچھے بہت بگڑ گئی۔[1]

حدیث پر بہت شدّت سے عمل کرتی تھیں اور دوسروں کو بھی تاکید کرتی تھیں، ان کے بھانجے ابوسفیان بن سعید بن المغیرہ آئے اور انہوں نے ستو لے کر کلی کی تو بولیں: تم کو وضو کرنا چاہیے، کیونکہ جس چیز کو آگ پکائے اس کے استعمال سے وضو لازم آتا ہے، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔[2] (یہ حکم منسوخ ہے، یعنی پہلے تھا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو باقی نہیں رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آگ پر پکی ہوئی چیزیں کھاتے تھے اور اگر پہلے سے وضو ہوتا تو دوبارہ وضو نہیں کرتے تھے بلکہ پہلے ہی وضو سے نماز پڑھ لیا کرتے تھے، اسی قسم کی ایک حدیث حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں آئندہ ملے گی)۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو خوشبو لگا کر رخساروں پر ملی اور کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ کسی پر تین دن سے زیادہ غم نہ کیا جائے البتہ شوہر کے لیے چار مہینہ دس دن سوگ کرنا چاہیے۔[3]

---

[1] اصابہ، رقم: ۱۱۱۹۱ [2] مسند، رقم: ۲۶۷۷۳ [3] بخاری، رقم: ۱۲۸۰

آنحضرت ﷺ سے ایک مرتبہ سنا تھا کہ جو شخص بارہ رکعت روزانہ نفل پڑھے گا اس کے لیے جنّت میں گھر بنایا جائے گا۔ فرماتی ہیں: فَمَا بَرِحْتُ أُصَلِّيهِنَّ بَعْدُ ''میں ان کو ہمیشہ پڑھتی ہوں۔'' اس کا اثر یہ ہوا کہ ان کے شاگرد اور بھائی عتبہ اور عتبہ کے شاگرد عمرو بن اویس اور عمرو کے شاگرد نعمان بن سالم سب اپنے اپنے زمانے میں برابر یہ نمازیں پڑھتے تھے۔[1]

فطرتاً نیک مزاج تھیں، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے کہا: میری بہن سے آپ نکاح کرلیجیے، فرمایا: ''کیا یہ تمھیں پسند ہے؟'' بولیں: ہاں! میں ہی آپ کی تنہا بیوی نہیں ہوں اس لیے میں یہ پسند کرتی ہوں کہ آپ کے نکاح کے سعادت میں میرے ساتھ میری بہن بھی شریک ہو۔[2]

(۱۰)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب: میمونہ نام، قبیلۂ قریش سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے: میمونہ بنت حارث بن حزن بن بُجیر بن ہزم بن رویبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن حفصہ بن قیس عیلان بن مضر۔[3] والدہ قبیلۂ حِمیَر سے تھیں، ان کا نام و نسب حسب ذیل ہے: ہند بنت عوف بن زہیر بن حارث بن حماطۃ بن جرش۔

نکاح: پہلے مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے نکاح ہوا[4] لیکن کسی وجہ سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی۔ پھر ابورُہم بن عبد العزّیٰ کے نکاح میں آئیں۔ ابورُہم نے ۷ ہجری میں وفات پائی تو لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے انتساب کی کوشش کی۔

آنحضرت ﷺ ذی القعدہ ۷ ہجری میں عمرہ کی نیت سے مکّہ روانہ ہوئے، اسی احرام کی حالت میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا۔[5] حضرت عباس رضی اللہ عنہ نکاح کے متولی ہوئے تھے۔[6]

---

[1] مسند، رقم: ۲۶۷۷۵ [2] بخاری، رقم: ۵۱۰۱ [3] استیعاب، رقم: ۳۵۳۳
[4] طبقات، رقم: ۴۱۲۹ [5] بخاری، رقم: ۴۲۵۹ [6] نسائی، رقم: ۳۲۷۵

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ سے فارغ ہو کر جب مدینہ واپس ہوئے تو ''سَرِف'' میں جو مدینہ کے راستے پر مکّہ سے دس میل ہے[1] قیام فرمایا، ابو رافع (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو لے کر سرف پہنچے اور یہیں رسم عروسی ادا ہوئی۔[2] یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نکاح تھا[3] اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سب سے آخری بیوی تھیں۔

وفات: یہ عجیب اتفاق ہے کہ مقام سرف میں ان کا نکاح ہوا تھا اور سرف ہی میں انہوں نے انتقال بھی کیا۔[4] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور قبر میں اُتارا۔ صحاح میں ہے کہ جب ان کا جنازہ اُٹھایا گیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں، جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو، ادب سے آہستہ آہستہ لے چلو۔[5]'' سالِ وفات کے متعلق اگرچہ اختلاف ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ انہوں نے ۵۱ ہجری میں وفات پائی۔

فضل وکمال: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے ۴۶ حدیثیں مروی ہیں، جن میں بعض سے ان کی فقہ دانی کا پتہ چلتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بال پراگندہ دیکھے تو کہا بیٹا! اس کا کیا سبب ہے؟ جواب دیا: اُمّ عمّار میری کنگھا کرتی تھیں اور آج کل ان کے ایّام کا زمانہ ہے، بولیں: کیا خوب! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہماری گود میں سر رکھ کر لیٹتے تھے اور قرآن پڑھتے تھے اور ہم اسی حالت میں ہوتی تھیں، اسی طرح ہم چٹائی اٹھا کر مسجد میں رکھ آتے تھے۔ بیٹا! کہیں یہ ہاتھ میں بھی ہوتا ہے؟[6]

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے جن بزرگوں نے روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن شداد بن الہاد رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن السائب، یزید بن اصم (یہ سب ان کے بھانجے تھے) عبید اللہ الخولانی (ربیب تھے)، ندبہ (کنیز تھیں)، عطا بن یسار، سلیمان بن یسار (غلام تھے)، ابراہیم بن عبداللہ بن معبد بن عباس، کریب (ابن

---

[1] تہذیب الاسماء واللغات، رقم: ۱۲۰۴ [2] طبقات ابن سعد، رقم: ۴۱۲۹ [3] حوالہ سابقہ
[4] مسند احمد، رقم: ۲۶۸۲۸ [5] بخاری، رقم: ۵۰۶۸ [6] مسند، رقم: ۲۶۸۱۰

عباس رضی اللہ عنہ کے غلام) عبید بن سباق، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، عالیہ بنت سبیع رحمہم اللہ علیہم۔

اخلاق: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ اَتْقَانَا اللّٰهَ وَاَوْصَلَنَا لِلرَّحِمِ۔[1]

''میمونہ رضی اللہ عنہا خدا سے بہت ڈرتی اور صلہ رحمی کرتی تھیں۔''

احکامِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل ہر وقت پیش نظر رہتی تھی، ایک دفعہ ان کی کنیز ندبہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے گھر گئی تو دیکھا کہ میاں بیوی کے بچھونے دور دور بچھے ہیں، خیال ہوا کہ شاید کچھ رنجش ہوگئی ہے، لیکن دریافت سے معلوم ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ (بیوی کے ایام کے زمانہ میں) اپنا بستر ان سے الگ کر لیتے ہیں۔ آ کر حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا تو بولیں: ان سے جا کر کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے اس قدر کیوں اعراض ہے؟ آپ برابر ہم لوگوں کے بچھونوں پر آرام فرماتے تھے۔[2]

ایک عورت بیمار پڑی تو اس نے منت مانی تھی کہ شفا ہونے پر بیت المقدس جا کر نماز پڑھے گی، خدا کی شان وہ اچھی ہوگئی اور سفر کی تیاریاں شروع کیں، جب رخصت ہونے کے لیے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی تو بولیں: تم یہیں رہو اور مسجدِ نبوی میں نماز پڑھ لو، کیونکہ یہاں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مسجدوں کے ثواب سے ہزار گنا زیادہ ہے۔[3]

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو غلام آزاد کرنے کا شوق تھا ایک لونڈی کو آزاد کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تم کو اس کا اجر دے۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کبھی کبھی قرض لیتی تھیں ایک بار زیادہ رقم قرض لے لی تو کسی نے کہا کہ آپ اس کو کس طرح ادا کریں گی؟ فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے خدا خود اس کا قرض ادا کر دیتا ہے۔[4]

---

[1] اصابہ، رقم: ۱۱۷۸۳
[2] مسند، رقم: ۲۶۸۱۹
[3] مسند، رقم: ۲۶۸۲۶
[4] مسند، رقم: ۲۶۸۱۶

(۱۱)

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب: اصلی نام زینب رضی اللہ عنہا تھا، لیکن چونکہ وہ جنگ خیبر میں خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حصّہ میں آئی تھیں اور عرب میں غنیمت کے ایسے حصّہ کو جو امام یا بادشاہ کے لیے مخصوص ہوتا تھا ''صفیہ'' کہتے تھے، اس لیے وہ بھی صفیہ کے نام سے مشہور ہوگئیں۔ یہ زرقانی کی روایت ہے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے سیادت حاصل ہے، باپ کا نام حُیی بن اخطب تھا جو قبیلہ بنونضیر کا سردار تھا اور حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل میں شمار ہوتا تھا۔ ماں جس کا نام ضرد تھا[1]، سموأل رئیسِ قریظہ کی بیٹی تھی اور یہ دونوں خاندان (قریظہ اور نضیر) بنواسرائیل کے ان تمام قبائل سے ممتاز سمجھے جاتے تھے جنھوں نے زمانۂ دراز سے عرب کے شمالی حصوں میں سکونت اختیار کرلی تھی۔

نکاح: حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی شادی پہلے سلام بن مشکم القرظی سے ہوئی تھی، سلام نے طلاق دی تو کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں جو ابورافع تاجرِ حجاز اور رئیس خیبر کا بھتیجا تھا۔ کنانہ جنگ خیبر میں مقتول ہوا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے بھائی اور باپ بھی کام آئے اور خود بھی گرفتار ہوئیں۔

جب خیبر کے تمام قیدی جمع کیے گئے تو دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک لونڈی کی درخواست کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتخاب کرنے کی اجازت دی انہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو منتخب کیا لیکن ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں آکر عرض کی کہ آپ نے رئیسۂ نضیر وقریظہ، دحیہ کو دے دی؟ وہ تو صرف آپ کے لیے سزاوار ہے۔ مقصود یہ تھا کہ رئیسہ عرب کے ساتھ عام عورتوں کا سا برتاؤ مناسب نہیں۔ چنانچہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو آپ نے دوسری لونڈی عنایت فرمائی اور صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے نکاح کرلیا۔[2] خیبر سے روانہ ہوئے تو مقام

---

[1] صاحب استیعاب نے اور ابن سعد نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی والدہ کا نام برّہ ذکر کیا ہے۔ [2] بخاری، رقم: ۳۸۱

صہباء میں رسم عروسی ادا کی[1] اور جو کچھ سامان لوگوں کے پاس تھا اس کو جمع کر کے دعوت ولیمہ فرمائی۔ وہاں سے روانہ ہوئے تو آپ نے ان کو خود اپنے اونٹ پر سوار کر لیا اور اپنی عبا سے ان پر پردہ کیا، یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ وہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں داخل ہو گئیں۔[2]

عام حالات: حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے مشہور واقعات میں حج کا سفر ہے جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایامِ محاصرہ میں جو ۳۵ ہجری میں ہوا تھا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ان کی بے حد مدد کی تھی، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ضروریاتِ زندگی مسدود کر دی گئیں اور ان کے مکان پر پہرہ بٹھا دیا گیا تو وہ خود خچر پر سوار ہو کر ان کے مکان کی طرف چلیں، غلام ساتھ تھا، اشتر کی نظر پڑی تو انہوں نے آ کر خچر کو مارنا شروع کیا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: مجھ کو ذلیل ہونے کی ضرورت نہیں، میں واپس جاتی ہوں، تم خچر کو چھوڑ دو۔ گھر واپس آئیں تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اس خدمت پر مامور کیا اور وہ ان کے مکان سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا اور پانی لے جاتے تھے۔[3]

وفات: حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے رمضان ۵۰ ہجری میں وفات پائی اور جنّت البقیع میں دفن ہوئیں، اس وقت ان کی عمر ۶۰ سال کی تھی۔ ایک لاکھ ترکہ چھوڑا اور ایک ثلث کے لیے اپنے یہودی بھانجے کے لیے وصیّت کر گئیں۔[4]

حلیہ: کوتاہ قامت اور حسین تھیں۔

فضل وکمال: حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے چند حدیثیں مروی ہیں جن کو حضرت زین العابدین، اسحٰق بن عبداللہ بن حارث، مسلم بن صفوان، کنانہ اور یزید بن معتب رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

---

[1] اصابہ، رقم: ۱۱۴۰۷ [2] طبقات، رقم: ۴۱۲۷ [3] اصابہ، رقم: ۱۱۴۰۷

[4] طبقات ابن سعد، رقم: ۴۱۲۷

دیگر ازواج کی طرح حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے زمانہ میں علم کا مرکز تھیں، چنانچہ حضرت صُہیرہ بنت جُیفر رضی اللہ عنہا حج کر کے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس مدینہ آئیں تو کوفہ کی بہت سی عورتیں مسائل دریافت کرنے کی غرض سے بیٹھی ہوئی تھیں، صُہیرہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی مقصد تھا اس لیے انہوں نے کوفہ کی عورتوں سے سوال کرائے، ایک فتویٰ نبیذ کے متعلق تھا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو بولیں: اہل عراق اس مسئلہ کو اکثر پوچھتے ہیں۔[1]

اخلاق: حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا میں بہت سے محاسن اخلاق جمع تھے، اسد الغابہ میں ہے:

كَانَتْ عَاقِلَةً مِنْ عُقَلَاءِ النِّسَاءِ.[2]

''وہ نہایت عاقلہ تھیں۔''

زرقانی میں ہے:

كَانَتْ صفیۃ عَاقِلَةً حَلِيمَةً فَاضِلَةً.[3]

''یعنی صفیہ عاقل، فاضل اور حلیم تھیں۔''

حلم وتحمّل ان کے باب فضائل کا نہایت جلی عنوان ہے، غزوۂ خیبر میں جب وہ اپنی بہن کے ساتھ گرفتار ہو کر آرہی تھیں تو ان کی بہن یہودیوں کی لاشوں کو دیکھ دیکھ کر چیخ اُٹھتی تھیں، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے محبوب شوہر کی لاش سے قریب ہو کر گزریں، لیکن اب بھی اسی طرح پیکرِ متانت تھیں اور ان کی جبینِ تحمّل پر کسی قسم کی شکن نہیں آئی۔

ایک مرتبہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے ان کو یہودیہ کہا ان کو معلوم ہوا تو رونے لگیں۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک کنیز تھی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جا کر انکی شکایات کیا کرتی تھی، چنانچہ ایک دن کہا کہ ان میں یہودیت کا اثر آج تک باقی ہے وہ یوم السبت (ہفتہ) کو اچھا سمجھتی ہیں اور یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تصدیق کے لیے ایک شخص کو بھیجا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ یوم السبت کو اچھا سمجھنے کی کوئی ضرورت نہیں، اس کے بدلے خدا نے ہم کو جمعہ کا دن عنایت فرمایا ہے، البتہ میں یہود کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہوں

---

[1] مسند، رقم: ۲۶۸۶۵ [2] رقم: ۷۰۶۳ [3] تذکرہ صفیہ رضی اللہ عنہا

وہ میرے خویش واقارب ہیں، اس کے بعد لونڈی کو بلا کر پوچھا کہ تو نے میری شکایت کی تھی؟ بولی: ''ہاں! مجھے شیطان نے بہکا دیا تھا'' حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا خاموش ہوگئیں اور اس لونڈی کو آزاد کردیا۔[1]

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبّت تھی، چنانچہ جب آپ علیل ہوئے تو نہایت حسرت سے بولیں: ''کاش! آپ کی بیماری مجھ کو مل جاتی'' ازواج نے انکی طرف دیکھنا شروع کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سچ کہہ رہی ہیں[2] (یعنی اس میں تصنّع کا شائبہ نہیں ہے)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کے ساتھ نہایت محبّت تھی اور ہر موقع پر ان کی دلجوئی فرماتے تھے۔

ایک بار آپ سفر میں تھے، ازواجِ مطہّرات بھی تھیں، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ سوء اتفاق سے بیمار ہوگیا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس ضرورت سے زیادہ تھے آپ نے ان سے کہا کہ ایک اونٹ صفیہ رضی اللہ عنہا کو دے دو، انہوں نے کہا کہ میں ان یہودیہ کو اپنا اونٹ دے دوں؟ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اس قدر ناراض ہوئے کہ دو مہینے تک ان کے پاس نہ گئے۔[3] ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی قدوقامت کی نسبت چند جملے کہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر سمندر میں چھوڑ دی جائے تو اس میں مل جائے[4] (یعنی سمندر کو بھی گدلا کرسکتی ہے)۔

ایک بار آپ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے دیکھا کہ رو رہی ہیں، آپ نے رونے کی وجہ پوچھی انہوں نے کہا: ''عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما کہتی ہیں کہ ہم تمام ازواج میں افضل ہیں، ہم آپ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ کی چچازاد بہن بھی ہیں۔'' آپ نے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ''ہارون علیہ السلام میرے باپ، موسیٰ علیہ السلام میرے چچا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے شوہر ہیں، اس لیے تم لوگ کیونکر مجھ سے افضل ہوسکتی ہو۔[5]

سفرِ حج میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بیٹھ گیا تھا اور وہ سب سے پیچھے رہ گئی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزرے تو دیکھا کہ زار و قطار رو رہی ہیں، آپ رداء (چادر) اور

---

[1] اصابہ، رقم: ۱۱۴۰۷ [2] حوالہ سابقہ [3] حوالہ سابقہ
[4] ابوداؤد، رقم: ۴۸۷۵ [5] ترمذی، رقم: ۳۸۹۲

دست مبارک سے ان کے آنسو پوچھتے جاتے تھے اور وہ بے اختیار روتی جاتی تھیں۔[1]

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سیر چشم اور فیاض واقع ہوئی تھیں۔ چنانچہ جب وہ اُمّ المومنین بن کر مدینہ میں آئیں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ازواجِ مطہرات کو اپنے سونے کی بجلیاں تقسیم کیں۔[2]

کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تحفۃً بھیجا کرتی تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انہوں نے پیالہ میں جو کھانا بھیجا تھا اس کا ذکر بخاری اور نسائی وغیرہ میں آیا ہے۔

---

[1] زرقانی، رقم: ۷۰۶۳　[2] اصابہ، رقم: ۱۱۴۰۷

(۱)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا

نام ونسب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں، بعثت سے دس برس پہلے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۳۰ سال کی تھی، پیدا ہوئیں۔

نکاح: ابوالعاص لقیط بن ربیع سے جو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے خالہ زاد بھائی تھے، نکاح ہوا۔

عام حالات: نبوّت کے تیرھویں سال جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ معظمہ سے ہجرت فرمائی تو اہل وعیال مکّہ میں رہ گئے تھے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی اپنے سسرال میں تھیں۔ غزوہ بدر میں ابوالعاص کفّار کی طرف سے شریک ہوئے تھے، عبداللہ بن جبیر انصاری رضی اللہ عنہ نے ان کو گرفتار کیا اور اس شرط پر رہا کیے گئے کہ مکّہ جا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بھیج دیں گے۔[۱]

ابوالعاص نے مکّہ جا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے چھوٹے بھائی کنانہ کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ کیا، چونکہ کفّار کے تعرّض کا خوف تھا کنانہ نے ہتھیار ساتھ لے لیے تھے۔ مقامِ ذی طویٰ میں پہنچے تو قریش کے چند آدمیوں نے تعاقب کیا، ہبار بن اسود نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نیزہ سے زمین پر گرا دیا وہ حاملہ تھیں، حمل ساقط ہوگیا۔ کنانہ نے ترکش سے تیر نکالے اور کہا کہ ''اب اگر کوئی قریب آیا تو ان تیروں کا نشانہ ہوگا۔'' لوگ ہٹ گئے تو ابوسفیان سردارانِ قریش کے ساتھ آیا اور کہا: ''تیر روک لو ہم کو کچھ گفتگو کرنی ہے۔'' انہوں نے تیر ترکش میں ڈال دیئے۔ ابوسفیان نے کہا: ''محمد کے ہاتھ سے جو مصیبتیں پہنچی ہیں تم کو معلوم ہیں، اب اگر تم اعلانیہ ان کی لڑکی کو ہمارے قبضہ سے نکال لے گئے تو لوگ کہیں گے کہ ہماری کمزوری ہے، ہم کو زینب رضی اللہ عنہا کے روکنے کی ضرورت نہیں جب شور و ہنگامہ کم ہوجائے اس وقت چھپے چوری لے جانا۔'' کنانہ نے یہ رائے تسلیم کی اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو لے کر مکّہ

---

[۱] طبقات، رقم: ۴۰۹۰

واپس آئے۔ چند روز کے بعد ان کو رات کے وقت لے کر روانہ ہوئے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے بھیج دیا تھا وہ بطنِ یاجج میں تھے کنانہ نے زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے حوالہ کیا وہ ان کو لے کر روانہ ہو گئے۔[1]

حضرت زینب رضی اللہ عنہا مدینہ میں آئیں اور اپنے شوہر ابو العاص کو حالت شرک میں چھوڑا۔ جمادی الاولیٰ ۶ ہجری میں ابو العاص قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ۱۷۰ سواروں کے ساتھ بھیجا، مقامِ عیص میں قافلہ ملا۔ کچھ لوگ گرفتار کیے گئے اور مال و اسباب لوٹ میں آیا ان ہی میں ابو العاص بھی تھے، ابو العاص آئے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان کو پناہ دی اور ان کی سفارش سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مال بھی واپس کرا دیا۔ ابو العاص نے مکّہ جا کر لوگوں کی امانتیں حوالہ کیں اور اسلام لائے۔ اسلام لانے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ میں آئے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان کو حالت شرک میں چھوڑا تھا اس لیے دونوں میں باہم تفریق ہو گئی تھی۔ وہ مدینہ آئے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا دوبارہ ان کے نکاح میں آئیں۔ ترمذی وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کوئی جدید نکاح نہیں ہوا، لیکن دوسری روایت میں تجدیدِ نکاح کی تصریح ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کو اگرچہ اسناد کے لحاظ سے دوسری روایت پر ترجیح ہے لیکن فقہاء نے دوسری صورت پر عمل کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کی یہ تاویل کی ہے کہ نکاحِ جدید کے مہر اور شرائط وغیرہ میں کسی قسم کا تغیّر نہ ہوا ہوگا، اسی لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کو نکاحِ اوّل سے تعبیر کیا ورنہ بعدِ تفریق نکاحِ ثانی ضروری ہے۔

ابو العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نہایت شریفانہ برتاؤ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شریفانہ تعلّقات کی تعریف کی۔[2]

وفات: نکاحِ جدید کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا بہت کم زندہ رہیں اور ۸ ہجری میں انہوں

---

[1] زرقانی: تذکرہ زینب رضی اللہ عنہا [2] طبقات ابن سعد، رقم: ۴۰۹۰

نے انتقال کیا۔ حضرت اُمّ ایمن، حضرت سودہ، اور حضرت اُمّ سلمہ اور اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہن نے غسل دیا جس کا طریقہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی، خود قبر میں اُترے اور اپنے نورِ دیدہ کو خاک کے سپرد کیا، اس وقت چہرۂ مبارک پر حزن وملال کے آثار نمایاں تھے۔[1]

اولاد: حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے دو اولاد چھوڑی، علی اور امامہ رضی اللہ عنہما۔ علی کی نسبت ایک روایت ہے کہ بچپن میں وفات پائی لیکن عام روایت یہ ہے کہ سن رشد کو پہنچے، ابن عساکر نے لکھا ہے کہ یرموک کے معرکہ میں شہادت پائی۔ فتح مکّہ میں یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف تھے۔ امامہ رضی اللہ عنہا عرصہ تک زندہ رہیں اور ان کا حال آگے آئے گا۔

اخلاق و عادات: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے شوہر سے بہت محبّت کرتی تھیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان کو ریشمی چادر اوڑھے دیکھا تھا جس پر زرد دھاریاں پڑی ہوئی تھی۔[2]

(۲)

حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب: مشہور روایت کے مطابق یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی ہیں جو ۳۳ ہجری قبلِ نبوّت میں پیدا ہوئیں۔

نکاح: پہلے ابولہب کے بیٹے عتبہ سے شادی ہوئی یہ قبلِ نبوّت کا واقعہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحب زادی اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی ابولہب کے دوسرے بیٹے عُتیبہ سے ہوئی تھی۔

اسلام: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور آپ نے دعوتِ اسلام کا اظہار فرمایا تو ابولہب نے بیٹوں کو جمع کر کے کہا: ''اگر تم محمد کی بیٹیوں سے علیحدگی اختیار نہیں کرتے تو تمہارے ساتھ

---

[1] اسد الغابہ، رقم: ۶۹۶۴ [2] طبقات، رقم: ۴۰۹۰

میرا اُٹھنا بیٹھنا حرام ہے، دونوں بیٹوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دی۔

عام حالات: نبوّت کے پانچویں سال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی ساتھ گئیں، جب واپس آئیں تو مکّہ کی سرزمین پہلے سے زیادہ خونخوار تھی، چنانچہ دوبارہ ہجرت کی، مدّت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا کچھ حال معلوم نہ ہوا ایک عورت نے آکر خبر دی کہ میں نے ان دونوں کو دیکھا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی اور فرمایا کہ ابراہیم اور لوط علیہما الصلوٰۃ والسلام کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بی بی کو لے کر ہجرت کی ہے۔[1]

اس مرتبہ حبشہ میں زیادہ عرصہ تک مقیم رہے، جب یہ خبر پہنچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے والے ہیں تو چند بزرگ جن میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں مکّہ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی جہاں انہوں نے حضرت حسّان رضی اللہ عنہ کے بھائی اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کے گھر میں قیام کیا۔

وفات: ۲ ہجری میں جو غزوۂ بدر کا سال تھا۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے دانے نکلے اور نہایت سخت تکلیف ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ میں بدر کی تیاریاں کر رہے تھے۔ غزوہ کو روانہ ہوئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تیمارداری کے لیے چھوڑ دیا[2] عین اسی دن جس دن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں آکر فتح کا مژدہ سنایا، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ کی وجہ سے ان کے جنازہ میں شریک نہ ہوسکے لیکن جب واپس آئے اور اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو نہایت رنجیدہ ہو کر قبر پر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: ''عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہ پہلے جا چکے اب تم بھی ان کے پاس چلی جاؤ'' اس فقرہ نے عورتوں میں کہرام برپا کر دیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کوڑا لے کر مارنے کیلئے اُٹھے، آپ نے ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا: ''رونے میں کچھ حرج نہیں لیکن نوحہ و بین شیطانی حرکت ہے اس سے قطعاً بچنا چاہیے۔'' سیّدۂ عالم حضرت فاطمہ

[1] اسد الغابہ، رقم: ۶۹۲۹ [2] بخاری، رقم: ۳۱۳۰

زہرا رضی اللہ عنہا بھی بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئیں وہ قبر کے پاس بیٹھ کر روتی جاتی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کپڑے سے ان کے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔[1]

اولاد: حبشہ کے زمانہ میں ایک لڑکا پیدا ہوا تھا جس کا نام عبداللہ تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعبداللہ اسی کے نام پر تھی چھ سال تک زندہ رہا۔ ایک مرتبہ ایک مرغ نے اس کے چہرہ پر چونچ ماری اور جاں بحق تسلیم ہوگیا، یہ جمادی الاولیٰ ۴ ہجری کا واقعہ ہے۔ عبداللہ کے بعد حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔[2]

حلیہ: حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا خوب رو اور موزون اندام تھیں۔ زرقانی میں ہے:

كَانَتْ بَارِعَةَ الْجَمَالِ.[3]

''وہ نہایت جمیل تھیں۔''

(۳)

حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا

نام ونسب: یہ تیسری صاحب زادی ہیں اور کنیت ہی کے ساتھ مشہور ہیں۔

نکاح: ۳ ہجری میں جب حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو ربیع الاوّل میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کرلیا۔ بخاری میں ہے کہ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تامّل کیا۔ لیکن دوسری روایتوں میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''میں تم کو عثمان سے بہتر شخص کا پتہ دیتا ہوں اور عثمان کے لیے تم سے بہتر شخص ڈھونڈتا ہوں، تم اپنی لڑکی کی شادی مجھ سے کردو اور میں اپنی لڑکی کی شادی عثمان سے کردیتا ہوں۔'' بہرحال نکاح ہوا اور نکاح کے بعد حضرت

---

[1] طبقات، رقم: ۴۰۹۱ [2] اسد الغابہ، رقم: ۶۹۲۹ [3] زرقانی: تذکرہ رقیہ رضی اللہ عنہا

اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا ٦ برس تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہیں۔

وفات: شعبان ۹ ہجری میں وفات پائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا قبر پر بیٹھے تو آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ آپ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت ابوطلحہ، حضرت علی، فضل بن عباس اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے قبر میں اتارا۔[1]

اولاد: کوئی اولاد نہیں ہے۔

(۴)

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا

نام ونسب: فاطمہ نام، زہرا لقب تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادیوں میں سب سے کمسن تھیں۔ سنِ ولادت میں اختلاف ہے ایک روایت ہے کہ ایک بعثت نبوی میں پیدا ہوئیں۔ ابن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ابراہیم رضی اللہ عنہ کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد قبل نبوّت پیدا ہوئی۔ آپ کی بعثت چالیس سال کی عمر میں ہوئی اس بنا پر بعضوں نے دونوں روایتوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ ایک بعثت نبوی کے آغاز میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئی ہوں گی اور چونکہ دونوں کی مدّت میں بہت کم فاصلہ ہے اس لیے یہ اختلاف روایت ہوگیا ہوگا۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بعثت سے پانچ برس پہلے جب خانۂ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی، پیدا ہوئیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ نبوّت سے تقریباً ایک سال پیشتر پیدا ہوئیں۔

نکاح: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب مشہور روایت کے مطابق ۱۸ سال اور اگر ایک بعثت نبوی کو ان کا سالِ ولادت تسلیم کیا جائے تو پندرہ سال ساڑھے پانچ مہینے کی ہوئی تو ذی الحجہ ۲ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کا نکاح کردیا۔ ابن سعد نے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی، آپ

---

[1] طبقات، رقم: ۴۰۹۲

نے فرمایا کہ جو خدا کا حکم ہوگا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جرأت کی۔ ان کو بھی آپ نے کچھ جواب نہیں دیا بلکہ وہی الفاظ فرمائے لیکن بظاہر یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اصابہ میں ابن سعد کی اکثر روایتیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حال میں روایت کی ہیں لیکن اس کو نظر انداز کر دیا ہے۔

بہر حال حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب درخواست کی تو آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مرضی دریافت کی وہ چپ رہیں یہ ایک طرح کا اظہارِ رضا تھا۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر میں دینے کے لیے کیا ہے؟ بولے: کچھ نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''اور وہ حطمیہ زرہ کیا ہوئی؟'' (جنگ بدر میں ہاتھ آئی تھی) عرض کی وہ تو موجود ہے۔ آپ نے فرمایا: ''بس وہ کافی ہے۔'' حضرت عمر نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہا کے ہاتھ اس کو ۴۸۰ درہم پر فروخت کیا اور قیمت لاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈال دی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ بازار سے خوشبو لائیں۔

زرہ کے سوا اور جو کچھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سرمایہ تھا وہ ایک بھیڑ کی کھال اور ایک بوسیدہ یمنی چادر تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سب سرمایہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے نذر کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہتے تھے شادی کے بعد ضرورت ہوئی کہ الگ گھر لیں۔ حارثہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ کے متعدّد مکانات تھے جن میں سے وہ کئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نذر کر چکے تھے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ان ہی سے کوئی مکان دلوا دیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ کہاں تک؟ اب ان سے کہتے شرم آتی ہے، حارثہ رضی اللہ عنہ نے سنا تو دوڑے آئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اور میرے پاس جو کچھ ہے سب آپ کا ہے خدا کی قسم! میرا جو مکان آپ لے لیتے ہیں مجھ کو اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ وہ میرے پاس رہ جائے۔ غرض انہوں نے اپنا ایک مکان خالی کر دیا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس میں اٹھ گئیں۔

شہنشاہِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدۂ عالم رضی اللہ عنہا کو جو جہیز دیا وہ بان کی چارپائی، چمڑے کا گدا جس کے اندر روئی کے بجائے کھجور کے پتے تھے، ایک چھاگل، دو مٹی کے گھڑے، ایک مشک اور دو چکیاں اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ یہی دو چیزیں عمر بھر ان کی رفیق رہیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب نئے گھر میں جالیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے دروازے پر کھڑے ہو کر اذن مانگا، پھر اندر آئے ایک برتن میں پانی منگوایا دونوں ہاتھ اس میں ڈالے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سینہ اور بازوؤں پر پانی چھڑکا، پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا وہ شرم سے لڑکھڑاتی آئیں۔ ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا کہ میں نے اپنے خاندان میں بہتر شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے۔[1]

داغِ بے پدری: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر مشہور روایت کے مطابق ۲۹ سال کی تھی جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین اولاد تھیں اور اب صرف وہی باقی رہ گئی تھیں اس لیے ان کو صدمہ بھی اوروں سے زیادہ ہوا۔ وفات سے پہلے ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا بھیجا، تشریف لائیں تو ان سے کچھ کان میں باتیں کیں، وہ رونے لگیں، پھر بلا کر کچھ کان میں کہا تو ہنس پڑیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا تو کہا: ''پہلی دفعہ آپ نے فرمایا کہ میں اسی مرض میں انتقال کروں گا جب میں رونے لگی تو فرمایا کہ میرے خاندان میں سب سے پہلے تم مجھ سے آکر ملوگی تو ہنسنے لگی۔[2]''

وفات سے پہلے جب بار بار آپ پر غشی طاری ہوئی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ دیکھ کر بولیں واکرب اباہ! ہائے میرے باپ کی بے چینی! آپ نے فرمایا: ''تمہارا باپ آج کے بعد بے چین نہ ہوگا۔[3]'' آپ کا انتقال ہوا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ایک مصیبت ٹوٹ پڑی۔ اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ جب تک زندہ رہیں کبھی تبسم نہیں فرمایا۔[4] بخاری میں لکھا ہے کہ جب صحابہ نعش مبارک کو دفن کر کے واپس آئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''کیا تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خاک ڈالتے اچھا معلوم ہوا؟ ''[5]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد میراث کا مسئلہ پیش ہوا۔ حضرت عباس، حضرت علی رضی اللہ عنہما ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن۔ یہ تمام بزرگ میراث کے مدّعی تھے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بھی ایک قائم مقام موجود تھا۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جائیداد خالصتاً جائیداد تھی اور اس میں قانون

---

[1] تمام تفصیل بخاری، رقم: ۴۰۰۳، طبقات ابن سعد، رقم: ۴۰۸۹
[2] بخاری، رقم: ۴۴۳۳، ۴۴۳۴
[3] بخاری، رقم: ۴۴۶۲
[4] اسد الغابہ، رقم: ۷۱۸۳
[5] بخاری، رقم: ۴۴۶۲

وراثت جاری نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزّہ کو اپنے اعزّہ سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں۔ لیکن دقّت یہ ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء جو متروکہ چھوڑتے ہیں وہ کُل کا کُل صدقہ ہوتا ہے اور اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی اس بنا پر میں اس جائیداد کو کیوں کر تقسیم کرسکتا ہوں؟ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اہلِ بیت جس حد تک اس سے فائدہ اُٹھاتے تھے اب بھی اُٹھا سکتے ہیں۔ صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ اس گفتگو کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سخت قلق ہوا اور وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس قدر ناراض ہوئیں کہ آخر وقت تک ان سے گفتگو نہیں کی[1] (طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بعد کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے راضی ہوگئی تھیں)۔

وفات: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کو ۶ ماہ گزرے تھے کہ رمضان ۱۱ ہجری میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی کہ ”میرے خاندان میں سب سے پہلے تم ہی مجھ سے آکر ملوگی“ پوری ہوئی۔ یہ منگل کا دن تھا اور رمضان کی تیسری تاریخ تھی، اس وقت ان کا سن ۲۹ سال کا تھا۔ لیکن اگر دوسری روایتوں کا لحاظ کیا جائے تو اس سے مختلف ثابت ہوگا۔ چنانچہ ایک روایت میں ۲۴ سال، ایک میں ۲۵ سال اور ایک میں ۳۰ سال مذکور ہے۔ زرقانی نے لکھا ہے کہ پہلی روایت ۲۹ سال زیادہ صحیح ہے اگر ۴۱ ہجری (محمدی) کو سالِ ولادت قرار دیا جائے تو اس وقت ان کا یہ سن نہیں ہوسکتا تھا البتہ اگر ۲۴ سال کی عمر تسلیم کی جائے تو اس سن کو سالِ ولادت قرار دیا جاسکتا ہے لیکن اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے کہ پانچ برس قبلِ نبوّت میں پیدا ہوئیں تو اس وقت ان کا سن ۲۹ سال کا ہوسکتا ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تجہیز وتکفین میں خاص جدّت کی گئی، عورتوں کے جنازہ پر جو آج کل پردہ لگانے کا دستور ہے اس کی ابتدا ان ہی سے ہوئی۔ اس سے پیشتر عورت اور مرد سب کا جنازہ کھلا ہوا جاتا تھا۔ چونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مزاج میں انتہاء کی شرم وحیا تھی، اس لیے

---

[1] بخاری، رقم: ۴۲۴۰

انہوں نے حضرت اسماء بنت عمیس سے کہا کہ کھلے جنازہ میں عورتوں کی بے پردگی ہوتی ہے جس کو میں ناپسند کرتی ہوں۔ اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے حبشہ میں ایک طریقہ دیکھا ہے آپ کہیں تو اس کو پیش کروں؟ یہ کہہ کر خرمے کی چند شاخیں منگوائیں اور ان پر کپڑا تانا جس سے پردہ کی صورت پیدا ہوگئی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بے حد مسرور ہوئیں کہ یہ بہترین طریقہ ہے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا جنازہ بھی اسی طریقہ سے اُٹھایا گیا۔[1]

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر کے متعلق بھی سخت اختلاف ہے: بعضوں کا خیال ہے کہ وہ بقیع میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے مزار کے پاس مدفون ہوئیں، ابن زبالہ نے یہی لکھا ہے اور مؤرخ مسعودی نے بھی اسی قسم کی تصریح کی ہے۔ مؤرخ موصوف نے ۳۳۲ ہجری میں بقیع کی ایک قبر پر ایک کتبہ دیکھا تھا جس میں لکھا تھا کہ ''یہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی قبر ہے[2]۔'' لیکن طبقات کی متعدد روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دارعقیل کے ایک گوشہ میں مدفون ہوئیں۔[3]

ایک روایت یہ ہے کہ وہ خاص اپنے مکان میں دفن کی گئیں، اس پر ابن شیبہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ پھر پردہ دار جنازہ کی کیا ضرورت تھی؟ لیکن طبقات کی ایک روایت سے اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سلمیٰ کے گھر میں بیمار ہوئی تھیں، وہیں انتقال کیا اور وہیں ان کو غسل دیا گیا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ جنازہ اُٹھا کر باہر لائے اور دفن کیا۔[4]

آج حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر متفقہ طور پر دارعقیل ہی میں سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ محمد لبیب بک تبنونی نے جو ۱۳۲۷ ہجری میں خدیو مصر کے سفرِ حجاز میں ہمرکاب تھے اپنے سفرنامہ میں اس کی تصریح کی ہے۔[5]

اولاد: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پانچ اولادیں ہوئیں: حسن، حسین، محسن، اُمّ کلثوم، زینب رضی اللہ عنہم۔ محسن رضی اللہ عنہ نے بچپن ہی میں انتقال کیا۔ حضرت زینب، حضرت حسن، حضرت

---

[1] اسد الغابہ، رقم: ۷۱۸۳ [2] خلاصۃ الوفاء: ص ۲۱۷ [3] طبقات، رقم: ۴۰۸۹
[4] حوالہ سابقہ [5] الرحلۃ الحجابیۃ

حسین، اور اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہم اہم واقعات کے لحاظ سے تاریخ میں مشہور ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب سے نہایت محبت تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی ان کو بہت محبوب رکھتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادیوں میں صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان سے آپ کی نسل باقی رہی۔

حلیہ: حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا حلیۂ مبارک جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا جلتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گفتگو، لب ولہجہ اور نشست و برخاست کا طریقہ بالکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا[1] اور رفتار بھی بالکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار تھی۔[2]

فضل و کمال: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کتب حدیث میں اٹھارہ روایتیں منقول ہیں جن کو بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان سے روایت کیا ہے: حضرت علی بن ابی طالب، حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت عائشہ، حضرت اُمّ کلثوم، حضرت سلمیٰ، اُمّ رافع، اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم ان سے احادیث روایت کرتے ہیں۔

تفقّہ پر واقعات ذیل شاہد ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی سفر میں گئے تھے واپس آئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے قربانی کا گوشت پیش کیا۔ ان کو عذر ہوا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا، اس کے کھانے میں کچھ حرج نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دیدی ہے۔[3]

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں گوشت تناول فرما رہے تھے کہ نماز کا وقت آگیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح اُٹھ کھڑے ہوئے، چونکہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا تھا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس لیے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دامن پکڑا کہ وضو کر لیجیے، ارشاد فرمایا: بیٹی! وضو کی ضرورت نہیں ہے، تمام اچھے کھانے آگ ہی پر تو پکتے ہیں۔[4]

---

[1] صحیح ترمذی، رقم: ۳۸۷۲ [2] بخاری، رقم: ۶۲۸۵ [3] مسند، رقم: ۲۶۴۱۵ [4] مسند، رقم: ۲۶۴۱۸

فضل وکمال: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین اولاد تھیں۔[1] آپ نے ارشادفرمایا کہ

فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّی فَمَنْ اَغْضَبَهَا فَقَدْ اَغْضَبَنِی۔[2]

''فاطمہ میرے جسم کا ایک حصّہ ہے جواس کو ناراض کرے گا مجھ کو ناراض کرے گا۔''

ابوجہل کی لڑکی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام بھیجا تھا بارگاہ نبوّت میں اطلاع ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور حسب ذیل خطبہ ارشادفرمایا:

اِنَّ بَنِی هِشَامِ بْنِ الْمُغِیْرَةِ اسْتَأْذَنُوا فِيْ اَنْ یُّنْكِحُوا ابْنَتَهُمْ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ، فَلَا اٰذَنُ، ثُمَّ لَا اٰذَنُ، ثُمَّ لَا اٰذَنُ، اِلَّا اَنْ یُّرِیْدَ ابْنُ اَبِيْ طَالِبٍ اَنْ یُّطَلِّقَ ابْنَتِيْ وَیَنْكِحَ ابْنَتَهُمْ، فَاِنَّمَا هِيَ بَضْعَةٌ مِّنِّيْ یُرِیْبُنِيْ مَا اَرَابَهَا، وَیُؤْذِیْنِيْ مَا اٰذَاهَا۔[3]

''آل ہشام، علی بن ابی طالب سے اپنی بیٹی کا عقد کرنا چاہتے ہیں اور مجھ سے اجازت مانگتے ہیں لیکن میں اجازت نہیں دوں گا اور کبھی نہ دوں گا اور کبھی نہ دوں گا۔ البتہ ابن ابی طالب میری بیٹی کو طلاق دیکر ان کی لڑکی سے نکاح کر سکتے ہیں، فاطمہ میرے جسم کا ایک حصّہ ہے جس نے اس کو پریشان کیا اُس نے مجھے پریشان کیا اور جس نے اس کو اذیّت دی اس نے مجھ کو اذیّت دی۔''

اِنَّ فَاطِمَةَ مِنِّیْ وَاَنَا اَتَخَوَّفُ اَنْ تُفْتَنَ فِيْ دِیْنِهَا ثُمَّ ذَكَرَ صِهْرًا لَهُ مِنْ بَنِيْ عَبْدِ شَمْسٍ فَاَثْنٰی عَلَیْهِ فِيْ مُصَاهَرَتِهٖ اِیَّاهُ قَالَ: حَدَّثَنِيْ فَصَدَقَنِيْ وَوَعَدَنِیْ فَوَفٰی لِیْ. وَاِنِّيْ لَسْتُ اُحَرِّمُ حَلَالًا وَلَا اُحِلُّ حَرَامًا وَلٰكِنْ وَاللّٰهِ لَا تَجْتَمِعُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَبِنْتُ عَدُوِّ اللّٰهِ اَبَدًا۔[4]

''بے شک فاطمہ مجھ سے ہے اور مجھے خوف ہے کہ وہ اپنے دین کو خراب کر لے گی۔اس کے بعد ابوالعاص بن ربیع کا جو آپ کے داماد تھے، ذکر فرمایا کہ اس نے مجھ سے جو بات کہی اس کو سچ کر کے دکھلا دیا اور جو وعدہ کیا وفا کیا اور میں حلال کو

---

[1] اصابہ، رقم: ۱۱۵۸۷ [2] بخاری، رقم: ۳۷۶۷ [3] صحیح بخاری، رقم: ۵۲۳۰ [4] بخاری، رقم: ۳۱۱۰

حرام اور حرام کو حلال کرنے نہیں کھڑا ہوا۔ لیکن خدا کی قسم! ایک پیغمبر کی بیٹی اور ایک دشمنِ خدا کی بیٹی ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں۔"

اس کا اثر یہ ہوا کہ جناب سیّدہ رضی اللہ عنہا کی حیات تک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوسری شادی نہیں کی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا شمار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چند مقدّس خواتین میں فرمایا ہے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک برگزیدہ قرار پائی ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

حَسْبُكَ مِنْ نِسَاءِ الْعَالَمِيْنَ: مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ وَفَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ وَاٰسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ۔[1]

"تمہاری تقلید کے لیے تمام دنیا کی عورتوں میں مریم، خدیجہ، فاطمہ اور آسیہ رضی اللہ عنہن کافی ہیں۔"

زہد و ورع کی یہ کیفیت تھی کہ گو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین اولاد تھیں اور اسلام میں رہبانیت کا قلع قمع بھی کر دیا گیا تھا اور فتوحات کی کثرت مدینہ میں مال و زر کے خزانے لٹا رہی تھی۔ لیکن جانتے ہو کہ اس میں جگر گوشۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا حصّہ تھا؟ اس کا جواب سننے سے پہلے آنکھوں کو اشک بار ہو جانا چاہیے۔

سیّدہ عالم رضی اللہ عنہا کی خانگی زندگی یہ تھی کہ چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے، مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے سینے پر گھٹے پڑ گئے تھے، گھر میں جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو جاتے تھے، چولہے کے پاس بیٹھتے بیٹھتے کپڑے دھوئیں سے سیاہ ہو جاتے تھے۔ لیکن بایں ہمہ جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بار گھر کے کاروبار کے لیے ایک لونڈی مانگی اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو ارشاد ہوا کہ جانِ پدر! بدر کے یتیم تم سے پہلے اس کے مستحق ہیں۔[2]

ایک دفعہ آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے دیکھا کہ انہوں نے ناداری سے اس قدر چھوٹا دوپٹہ اوڑھا ہے کہ سر ڈھانکتی ہیں تو پاؤں کھل جاتے ہیں اور پاؤں چھپاتی ہیں تو سر برہنہ رہ جاتا ہے۔ شعر

---

[1] ترمذی، رقم: ۳۸۷۸

[2] ابوداؤد، رقم: ۲۹۸۷، ۲۹۸۸

یوں کی ہے اہل بیت مُطَّہر نے زندگی
یہ ماجرائے دخترِ خیر الانام تھا[1]

صرف یہی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کو آرائش یا زیب وزینت کی کوئی چیز نہیں دیتے تھے بلکہ اس قسم کی جو چیزیں ان کو دوسرے ذرائع سے ملتی تھیں ان کو بھی ناپسند فرماتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو سونے کا ہار دیا۔ آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا: ''کیوں فاطمہ! کیا لوگوں سے کہلوانا چاہتی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑکی آگ کا ہار پہنتی ہے؟'' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس کو فوراً بیچ کر اس کی قیمت سے ایک غلام خرید لیا۔[2]

ایک دفعہ آپ کسی غزوہ سے تشریف لائے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بطور خیر مقدم کے گھر کے دروازے پر پردے لگائے اور حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو چاندی کے کنگن پہنائے۔ آپ حسبِ معمول حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں آئے تو اس دنیوی ساز وسامان کو دیکھ کر واپس گئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آپ کی ناپسندیدگی کا حال معلوم ہوا تو پردہ چاک کر دیا اور بچوں کے ہاتھ سے کنگن نکال ڈالے۔ بچے آپ کی خدمت میں روتے ہوئے آئے، آپ نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''یہ میرے اہل بیت ہیں میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ ان زخارف سے آلودہ ہوں۔'' اس کے بدلے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے ایک عصیب کا ہار اور ہاتھی دانت کے کنگن خرید لاؤ۔[3]

صدق وراستی میں بھی ان کا کوئی حریف نہ تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

مَا رَاَیْتُ اَحَدًا کَانَ اَصْدَقَ لَهْجَةً مِنْ فَاطِمَةَ اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ الَّذِیْ وَلَدَهَا صلی اللہ علیہ وسلم[4]

''میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کو صاف گو نہیں دیکھا البتہ ان کے والد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے مستثنیٰ ہیں۔''

حد درجہ حیادار تھیں، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلب فرمایا تو وہ شرم سے لڑکھڑاتی ہوئی آئیں، اپنے جنازہ پر پردہ کرنے کی جو وصیّت کی تھی وہ بھی اسی بنا پر تھی۔

---

[1] شبلی [2] نسائی، رقم: ۵۱۴۴ [3] ابو داود، رقم: ۴۲۱۳ [4] استیعاب، رقم: ۳۴۹۱

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبّت کرتی تھیں، جب وہ خوردسال تھیں اور آپ مکّہ معظمہ میں مقیم تھے تو عقبہ بن ابی معیط نے نماز پڑھنے کی حالت میں ایک مرتبہ آپ کی گردن پر اونٹ کی اوجھ لاکر ڈال دی۔ قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑے تھے، کسی نے جاکر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خبر کی وہ اگرچہ اس وقت صرف ۵ یا ٦ برس کی تھیں لیکن جوشِ محبّت سے دوڑی آئیں اور اوجھ ہٹا کر عقبہ کو بُرا بھلا کہا اور بددعائیں دیں۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے نہایت محبّت کرتے تھے، معمول تھا کہ جب کبھی سفر فرماتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاتے تو جو شخص سب سے پہلے باریابِ خدمت ہوتا وہ بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی ہوتیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب آپ کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آپ کھڑے ہوجاتے، ان کی پیشانی چومتے اور اپنی نشست سے ہٹ کر اپنی جگہ پر بٹھاتے۔[2]

آپ ہمیشہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے تعلّقات میں خوش گواری پیدا کرنے کی کوشش فرماتے تھے، چنانچہ جب حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا میں کبھی کبھی خانگی معاملات کے متعلق رنجش ہوجاتی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں میں صلح کرادیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا آپ گھر میں تشریف لے گئے اور صفائی کرادی، گھر سے مسرور نکلے، لوگوں نے پوچھا آپ گھر میں گئے تھے تو اور حالت تھی اب آپ اس قدر خوش کیوں ہیں؟ فرمایا:

"میں نے ان دو شخصوں میں مصالحت کرادی ہے جو مجھ کو محبوب تر ہیں۔"[3]

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان پر کچھ سختی کی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لے کر چلیں، پیچھے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آئے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے شکایت کی آپ نے فرمایا: "بیٹی! تم کو خود سمجھنا چاہیے کہ کون شوہر اپنی بیوی کے پاس خاموش چلا آتا ہے۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اس کا یہ اثر ہوا کہ انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: "اب میں تمہارے خلافِ مزاج کوئی بات نہ کروں گا۔"[4]

---

۱ بخاری، رقم: ۲۴۰　　۲ استیعاب، رقم: ۳۴۹۱

۳ طبقات، رقم: ۴۰۸۹　　۴ حوالہ سابقہ

(۱)

حضرت امامہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب: ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں جو زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ آبائی شجرۂ نسب یہ ہے: امامہ بنت ابی العاص بن ربیع بن عبدالعزیٰ بن عبد شمس بن عبد مناف۔

عام حالات: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امامہ سے نہایت محبت تھی، آپ ان کو اوقاتِ نماز میں بھی جدا نہیں کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ مسجد میں امامہ رضی اللہ عنہا کو کندھے پر چڑھائے ہوئے تشریف لائے اور اسی حالت میں نماز پڑھائی جب رکوع میں جاتے تو ان کو اُتار دیتے پھر جب کھڑے ہوتے تو چڑھا لیتے اسی طرح پوری نماز ادا فرمائی۔ اللہ اکبر![1]
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مرتبہ کسی نے کچھ چیزیں ہدیہ میں بھیجیں جن میں ایک زریں ہار بھی تھا، امامہ ایک گوشہ میں کھیل رہی تھیں آپ نے فرمایا: میں اپنے محبوب ترین اہل کو دوں گا۔ ازواج نے سمجھا کہ یہ شرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوگا لیکن آپ نے امامہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر وہ ہار خود ان کے گلے میں ڈال دیا۔ بعض روایتوں میں ہار کے بجائے انگوٹھی کا ذکر ہے[2] اور اس میں ہدیہ بھیجنے والے کا نام بھی آگیا ہے یعنی نجاشی[3]

نکاح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت سنِ شعور کو پہنچ چکی تھیں اس لیے جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے انتقال فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امامہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا۔ ابوالعاص نے حضرت زبیر بن عوام کو جو عشرہ مبشّرہ میں داخل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھیرے بھائی تھے، امامہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی وصیّت کی تھی، چنانچہ یہ تقریب ان ہی کی مرضی سے انجام پائی اور نکاح

---

[1] بخاری، رقم: ۵۱۶　[2] مسند، رقم: ۲۶۲۴۹　[3] طبقات ابن سعد، رقم: ۴۱۵۸

بھی خود ان ہی نے پڑھایا، یہ ۱۱ ہجری کا واقعہ ہے۔

۴۰ ہجری میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی تو مغیرہ بن نوفل (عبدالمطلب کے پڑپوتے) کو وصیت کر گئے کہ امامہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیں، چنانچہ مغیرہ نے تعمیل کی۔ اس سے قبل امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا پیغام پہنچا تھا اور انہوں نے مروان کو لکھا تھا کہ ایک ہزار دینار (پانچ ہزار روپے) اس تقریب میں خرچ کیے جائیں لیکن امامہ رضی اللہ عنہا نے مغیرہ کو اطلاع دی تو انہوں نے فوراً حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اجازت سے نکاح پڑھالیا۔[1]

وفات: حضرت امامہ رضی اللہ عنہا نے مغیرہ کے ہاں وفات پائی۔[2]

اولاد: مغیرہ سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام یحییٰ تھا، لیکن بعض روایتوں میں ہے کہ امامہ رضی اللہ عنہا کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

(۲)

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب: صفیہ نام، عبدالمطلب جدّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر تھی، ماں کا نام ہالہ بنت وہب تھا جو حضرت آمنہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ) کی ہمشیرہ ہیں اس بنا پر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آنحضرت کی پھوپھی ہونے کے ساتھ آپ کی خالہ زاد بہن بھی تھیں، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ عمّ (چچا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہالہ سے پیدا ہوئے تھے اس لیے وہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حقیقی بھائی بہن تھے۔

نکاح: ابوسفیان بن حرب کے بھائی حارث سے شادی ہوئی جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا، اس کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عوام بن خویلد سے نکاح ہوا جس سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

---

[1] طبقات، رقم: ۴۱۵۸ واسد الغابہ، رقم: ۶۷۳۴ واستیعاب، رقم: ۳۲۷۰ [2] اصابہ، رقم: ۱۰۸۲۸

اسلام: ۴۰ برس کی عمر ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام پھوپھیوں میں یہ شرف صرف حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کیا اسد الغابہ میں ہے:

وَالصَّحِيحُ اَنَّهٗ لَمْ يُسْلِمْ غَيْرُهَا.[1]

''یعنی صحیح یہ ہے کہ ان کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی پھوپھی ایمان نہیں لائیں۔''

عام حالات: حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کی، غزوہ اُحد میں جب مسلمانوں نے شکست کھائی تو وہ مدینہ سے نکلیں، صحابہ رضی اللہ عنہم سے عتاب آمیز لہجہ میں کہتی تھیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر چل دیئے؟[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آتے ہوئے دیکھا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بلاکر ارشاد فرمایا کہ حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش نہ دیکھنے پائیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا، بولیں کہ میں اپنے بھائی کا ماجرا سن چکی ہوں لیکن خدا کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی، لاش پر گئیں خون کا جوش تھا اور عزیز بھائی کے ٹکڑے بکھرے پڑے ہوئے تھے۔ لیکن اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کہہ کر چپ ہوگئیں[3] اور مغفرت کی دعا مانگی، واقعہ چونکہ نہایت درد انگیز تھا اس لیے ایک مرثیہ کہا جس کے ایک شعر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح مخاطب کرتی ہیں:[4]

اِنَّ يَوْمًا اَتٰى عَلَيْكَ لَيَوْمٌ كُوِّرَتْ شَمْسُهٗ وَكَانَ ضِيَاءً

''آج آپ پر وہ دن آیا ہے جس میں آفتاب سیاہ ہوگیا ہے حالانکہ پہلے وہ روشن تھا۔''

غزوہ اُحد کی طرح غزوہ خندق میں بھی انہوں نے نہایت ہمّت اور استقلال کا ثبوت دیا انصار کے قلعوں میں ''فارع'' سب سے مستحکم قلعہ تھا اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا تھا۔ یہ قلعہ یہود بنو قریظہ کی آبادی سے متّصل تھا مستورات اسی میں تھیں اور ان کی حفاظت کے لیے حضرت حسّان رضی اللہ عنہ (شاعر) متعیّن کردیئے گئے تھے۔ یہود نے یہ دیکھ کر کہ تمام جمعیّت

---

[1] اسد الغابہ، رقم: ۷۰۶۷ [2] طبقات، رقم: ۴۰۹۴ [3] اسد الغابہ، رقم: ۷۰۶۷، اصابہ، رقم: ۱۱۴۱۱
[4] اصابہ، رقم: ۱۱۴۱۱

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے، قلعہ پر حملہ کر دیا، ایک یہودی قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گیا اور قلعہ پر حملہ کرنے کا موقع ڈھونڈ رہا تھا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے دیکھ لیا۔ حسان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اتر کر قتل کر دو ورنہ یہ جا کر دشمنوں کو پتہ دے گا، حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو ایک عارضہ ہو گیا تھا جس نے ان میں اس قدر جبن پیدا کر دیا تھا کہ وہ لڑائی کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھ سکتے تھے اس بنا پر اپنی معذوری ظاہر کی اور کہا کہ میں اس کام کا ہوتا تو یہاں کیوں ہوتا؟ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے خیمہ کی ایک چوب اکھاڑ لی اور اُتر کر یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ سر پھٹ گیا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا چلی آئیں اور حسان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہتھیار اور کپڑے چھین لاؤ۔ حسّان رضی اللہ عنہ نے کہا جانے دیجیے مجھ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اچھا! جاؤ اس کا سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دو تا کہ یہودی مرعوب ہو جائیں لیکن یہ خدمت بھی حضرت صفیہ ہی کو انجام دینی پڑی، یہودیوں کو یقین ہوا کہ قلعہ میں بھی کچھ فوج متعیّن ہے اس خیال سے پھر انہوں نے حملہ کی جرأت نہ کی۔[1]

۱۱ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو جو صدمہ ہوا ہوگا ظاہر ہے، نہایت پُر درد مرثیہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے:

فَیَا عَیْنُ جُوْدِیْ بِالدُّمُوْعِ السَّوَاجِمْ   لِفَقْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِذْحَانَ یَوْمُه

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر اے آنکھ! خوب آنسو بہا۔''

یہ مرثیہ ابن اسحٰق نے اپنی سیرت میں نقل کیا ہے۔[2]

وفات: حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ۲۰ ہجری میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئیں اس وقت تہتّر برس کا سن تھا۔

فضل و کمال: حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بقول صاحبِ اصابہ کچھ حدیثیں بھی روایت کی ہیں لیکن ہماری نظر سے نہیں گزریں اور نہ مسند میں ان کی حدیثوں کا پتہ چلتا ہے۔

---

[1] اسد الغابہ، رقم: ۷۰۶۷   [2] اصابہ، رقم: ۱۱۴۱۱

(۴)

حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا

نام ونسب: برکۃ نام، اُمّ ایمن کنیت، اُمّ الظباء عرف، سلسلہ نسب یہ ہے: برکۃ بنت ثعلبہ بن عمرو بن حصن بن مالک بن سلمہ بن عمرو بن نعمان۔ حبشہ کی رہنے والی تھیں اور حضرت عبداللہ (پدرِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کی کنیز تھیں، بچپن سے عبداللہ کیساتھ رہیں اور جب انہوں نے انتقال کیا تو حضرت آمنہ کے پاس رہنے لگیں اسکے بعد خود سرورِ کائنات کے حلقۂ غلامی میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہی نے پرورش اور پرداخت کی تھی۔[1]

نکاح: حارث بن خزرج کے خاندان میں عبید بن زید ایک شخص تھے، اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کا ان ہی کے ساتھ عقد ہوا۔ لیکن جب انہوں نے وفات پائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے جو کہ محبوبِ خاص تھے، نکاح پڑھایا، یہ بعثت کے بعد کا واقعہ ہے۔[2]

اسلام: حضرت زید رضی اللہ عنہ چونکہ مسلمان ہو چکے تھے اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا نے بھی اسلام قبول کیا۔

عام حالات: جب مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو وہ بھی گئیں اور وہاں سے ہجرت کے بعد مدینہ واپس آئیں۔ غزوۂ اُحد میں شرکت کی اس موقع پر وہ لوگوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی تیمارداری کرتی تھیں، غزوۂ خیبر میں بھی شریک ہوئیں۔
۱۱ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا اُمّ ایمن سخت مغموم تھیں اور رو رہی تھیں۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے سمجھایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خدا کے پاس بہتر چیز موجود ہے، جواب ملا: ''یہ خوب معلوم ہے۔'' اور یہ رونے کا سبب بھی نہیں رونے کا اصلی سبب یہ ہے کہ اب وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر اس جواب کا اس قدر اثر

---

[1] اصابہ، رقم: ۱۱۹۰۲ [2] ایضاً

ہوا کہ وہ بھی ان کے ساتھ مل کر زار و قطار رونے لگے۔[1]

۲۳ ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی، اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا تو بہت روئیں، لوگوں نے کہا: اب کیوں روتی ہو؟ بولیں: ''اب اس لیے کہ اسلام کمزور پڑ گیا۔''[2]

وفات: اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔

اولاد: دو اولادیں ہوئیں، ایمن اور اسامہ رضی اللہ عنہما، ایمن پہلے شوہر سے تھے صحابی ہیں، خیبر میں شہادت پائی۔ اسامہ رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوبِ خاص تھے اور ان کے والد کو بھی یہی درجہ حاصل تھا، نہایت جلیل القدر صحابی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بے انتہا محبّت تھی۔

فضل وکمال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند حدیثیں روایت کی ہیں، راویوں میں حضرت انس بن مالک، حنش بن عبداللہ صنعانی اور ابو یزید مدنی رضی اللہ عنہم داخل ہیں۔

اخلاق: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نہایت عزّت کرتے اور فرماتے تھے: اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا میری ماں ہیں،'' اکثر ان کے مکان پر تشریف لے جاتے، ایک مرتبہ تشریف لائے تو انہوں نے شربت پیش کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی وجہ سے متردد ہوئے، اس پر اُمّ ایمن ناراض ہوئیں[3] (حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کرنے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک قسم کا ناز تھا، یہ خفگی اسی محبّت کی خفگی تھی)۔[4]

انصار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے نخلستان دیئے تھے، جب بنو قریظہ اور بنو نضیر پر فتح حاصل ہوئی تو آپ نے انصار کو اُن کے نخلستان واپس کرنا شروع کیے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے کچھ باغ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے اور آپ نے اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کو عطا فرمائے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ آئے تو حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا نے ان کے واپس کرنے سے انکار کر دیا اور اس پر مصر رہیں آنحضرت نے یہ دیکھ کر ان کو باغ سے دس گنا زیادہ عطا فرمایا۔[5]

---

[1] مسلم، رقم: ۶۳۱۸　[2] اصابہ، رقم: ۱۱۹۰۲　[3] مسلم، رقم: ۶۳۱۷
[4] نووی شرح مسلم تحت رقم: ۶۲۰۰　[5] بخاری، رقم: ۲۶۳۰

(۴)

حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا

نام ونسب: فاطمہ نام، اسد بن ہاشم کی بیٹی تھیں اور عبدالمطلب جدّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی تھیں۔

نکاح: ابوطالب بن عبدالمطلب سے نکاح ہوا جن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

اسلام: آغازِ اسلام میں خاندانِ ہاشم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے زیادہ ساتھ دیا اور ان میں اکثر مسلمان بھی ہو گئے تھے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی ان ہی لوگوں میں تھیں اور گو اُن کے شوہر ایمان نہیں لائے تاہم وہ اور ان کی بعض اولاد مشرف بہ اسلام ہوئی، جب ابوطالب کا انتقال ہوا تو ان کے بجائے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دست و بازو رہیں۔

ہجرت اور عام حالات: جب مسلمان ہو کر ہجرت کی اجازت ملی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ کی طرف ہجرت کی، یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے عقد ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ (حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا) سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی آتی ہیں میں پانی بھروں گا اور باہر کا کام کروں گا اور وہ چکی پیسنے اور آٹا گوندھنے میں آپ کی مدد کریں گی۔[۱]

وفات: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں وفات پائی، بعض کا خیال ہے کہ ہجرت سے قبل فوت ہوئیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص اتار کر کفن دیا اور قبر میں اُتر کر لیٹ گئے لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ابوطالب کے بعد ان سے زیادہ میرے ساتھ کسی نے سلوک نہیں کیا تھا اس بنا پر میں نے ان کو قمیص پہنائی کہ جنّت میں ان کو حلّہ ملے اور قبر میں

---

[۱] اسد الغابہ، رقم: ۷۱۷۶

لیٹ گیا کہ شدائدِ قبر میں کمی واقع ہو۔[1]

اولاد: حسبِ ذیل اولاد چھوڑی حضرت علی، حضرت جعفر طیّار، طالب، عقیل رضی اللہ عنہم۔

اخلاق: اصابہ میں ہے:

كَانَتْ اِمْرَأَةً صَالِحَةً وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَزُوْرُهَا وَيَقِيْلُ فِيْ بَيْتِهَا.

''وہ نہایت صالح بی بی تھیں آنحضرت ﷺ ان کی زیارت کو تشریف لاتے اور ان کے گھر میں آرام کرتے تھے۔''[2]

(۵)

حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا

نام ونسب: لبابہ نام، اُمّ الفضل کنیت، کبریٰ لقب۔ سلسلہ نسب یہ ہے: لبابۃ الکبریٰ بنت الحارث بن حزن بن بجیر بن الہزم بن رویبہ بن عبد اللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ۔ والدہ کا نام ہند بنت عوف تھا اور قبیلہ کنانہ سے تھیں۔ لبابہ کی حقیقی اور اخیافی کئی بہنیں تھیں جو خاندانِ ہاشم اور قریش کے دوسرے معزّز گھرانوں میں منسوب تھیں۔ چنانچہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کو، لبابہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ (عمّ رسول اللہ ﷺ) کو، سلمٰی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ (عمّ رسول اللہ ﷺ) کو اور اسماء حضرت جعفر طیّار رضی اللہ عنہ (برادرِ حضرت علی رضی اللہ عنہ) کو منسوب تھیں، اسی بنا پر ان کی والدہ (ہند بنت عوف) کی نسبت مشہور ہے کہ سسرالی قرابت میں ان کا کوئی نظیر نہیں۔

نکاح: حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے جو آنحضرت ﷺ کے عمّ (چچا) محترم تھے، نکاح ہوا۔

اسلام: ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں۔ ابن سعد کا خیال ہے کہ انہوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

---

[1] اسد الغابہ، رقم: ۶۷۶۷ [2] اصابہ، رقم: ۱۱۵۸۸

کے بعد اسلام قبول کیا تھا، باقی اور عورتیں ان کے بعد ایمان لائیں، اس لحاظ سے ان کے ایمان لانے کا زمانہ بہت قدیم ہو جاتا ہے۔

حالات: اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج بھی کیا ہے، چنانچہ حَجۃُ الوِداع میں جب لوگوں کو عرفہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صائم (روزہ) ہونے کی نسبت شبہ ہوا اور ان کے پاس آکر ذکر کیا تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک پیالہ دودھ بھیجا، آپ چونکہ روزہ سے نہ تھے دودھ پی لیا اور لوگوں کو تشفّی ہو گئی۔[1]

وفات: اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں وفات پائی، اس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ زندہ تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

اولاد: حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اکثر اولاد ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئی اور چونکہ سب بیٹے نہایت قابل تھے اس لیے بڑی خوش قسمت سمجھی جاتی تھیں۔ فضل، عبداللہ، معبد، عبیداللہ، قثم، عبدالرحمٰن اور اُمّ حبیبہ ان ہی کی یادگار ہیں، ان میں حضرت عبداللہ اور عبیداللہ آسمانِ علم کے مہر و ماہ تھے۔

فضل و کمال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ۳۰ حدیثیں روایت کی ہیں، راوی حسب ذیل اصحاب ہیں: عبداللہ، تمام (پسرانِ عباس رضی اللہ عنہ) انس بن مالک، عبداللہ بن حارث بن نوفل، عمیر، کریب، قابوس رضی اللہ عنہم۔

اخلاق: عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ ہر دوشنبہ اور پانچ شنبہ کو روزہ رکھتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبّت کرتی تھیں آپ اکثر ان کے ہاں جاتے اور دوپہر کے وقت آرام فرماتے تھے۔[2]

---

[1] بخاری، رقم: ۱۹۸۸ [2] خلاصہ تہذیب: ص ۴۹۵

(۶)

حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا

نام ونسب: نام معلوم نہیں۔ اُمّ رومان کنیت ہے، قبیلہ کنانہ کے خاندان فراس سے تھیں[۱] سلسلہ نسب یہ ہے: اُمّ رومان بنت عامر بن عویمر بن عبد شمس بن عتاب بن اذینہ بن سبیع بن دہمان بن حارث بن غنم بن مالک بن کنانہ۔

نکاح: عبداللہ بن سنجرہ سے نکاح ہوا اور ان ہی کے ہمراہ مکّہ آکر اقامت کی، عبداللہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حلیف بن گئے تھے اس بنا پر جب انہوں نے انتقال کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خود نکاح کرلیا۔

اسلام: کچھ زمانہ کے بعد مکّہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ انہوں نے بھی اس صدا کو لبّیک کہا۔

ہجرت: ہجرت کے وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیّت میں مدینہ کو روانہ ہوگئے تھے لیکن ان کا خاندان مکّہ میں مقیم تھا، مدینہ پہنچے تو وہاں سے زید بن حارثہ اور ابورافع رضی اللہ عنہما مستورات کو لانے کے لیے بھیجے گئے، اُمّ رومان رضی اللہ عنہا بھی ان ہی کے ہمراہ مدینہ میں آئیں۔

عام حالات: شعبان ۶ ہجری میں اِفک کا واقعہ پیش آیا، اُمّ رومان رضی اللہ عنہا کے لیے یہ نہایت مصیبت کا وقت تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر میکے آئیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بالا خانے پر تھے اور اُمّ رومان رضی اللہ عنہا نیچے بیٹھی تھیں، پوچھا کیسے آئیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سارا واقعہ بیان کیا، بولیں: ”بیٹی! اس میں گھبرانے

---

[۱] اصابہ، رقم: ۱۲۰۲۷

کی کوئی بات نہیں، جو عورت اپنے خاوند کو زیادہ محبوب ہوتی ہے اس کو سوتنیں حسد کی وجہ سے ایسا کرتی ہیں۔'' لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس سے کچھ تسکین نہ ہوئی اور چیخ مار کر روئیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آواز سنی تو بالاخانہ سے اُتر آئے۔ اور خود بھی رونے لگے پھر ان سے کہا کہ تم اپنے گھر واپس جاؤ اس کے ساتھ ہی اُمّ رومان کو لے کر خود بھی روانہ ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو چونکہ اس صدمہ سے بخار آ گیا تھا دونوں نے ان کو گود میں لٹایا، عصر پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: ''عائشہ! اگر واقعی تم سے ایسی غلطی ہوئی ہو تو خدا سے توبہ کرو۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے والدین سے کہا کہ آپ لوگ جواب دیں، لیکن جواب ملا کہ ہم کیا کہہ سکتے ہیں؟ غرض! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود جواب دیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی جس میں ان کی صاف طور پر برأت کی گئی تھی تو حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا بولیں کہ تم اُٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''میں نہ ان کی مشکور ہوں اور نہ آپ کی میں صرف اپنے خدا کا شکریہ ادا کرتی ہوں[1]۔''

اسی سن کے اخیر میں مہمانوں کا واقعہ پیش آیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اصحابِ صفہ میں سے تین صاحبوں کو اپنے گھر لائے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تو واپسی میں دیر ہو گئی گھر آئے تو اُمّ رومان رضی اللہ عنہا نے کہا: مہمانوں کو چھوڑ کر کہاں بیٹھ رہے؟ بولے: تم نے کھانا نہیں کھلایا؟ جواب ملا کھانا بھیجا تھا لیکن ان لوگوں نے انکار کر دیا۔ غرض کھانا کھلایا گیا اور اس قدر برکت ہوئی کہ نہایت افراط کے ساتھ بچ رہا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا سے پوچھا اب کتنا ہے؟ بولیں: تین گنے سے زیادہ۔ چنانچہ سب اُٹھوا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا گیا[2]۔

وفات: حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا نے ۹ ہجری یا اس کے بعد انتقال کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود قبر میں اُترے اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ۶ ہجری میں وفات پائی تھی، لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ واقعات سے اس کی تردید ہوتی ہے۔

---

[1] بخاری، رقم: ۴۱۴۱ [2] بخاری، رقم: ۶۰۲

اولاد: اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا نے دو نکاح کیے تھے، پہلے شوہر سے ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام طفیل تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے دو اولادیں ہوئیں، حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما۔

(۷)

حضرت سمیّہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب: خباط کی بیٹی اور حضرت عمّار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی والدہ ہیں۔ ابوحذیفہ بن مغیرہ مخزومی کی کنیزہ تھیں۔

نکاح: یاسر عبسی سے کہ ابوحذیفہ کے حلیف تھے، نکاح ہوا حضرت عمّار رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو ابوحذیفہ نے ان کو آزاد کر دیا۔[۱]

اسلام: ایّام پیری میں مکّہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی تو حضرت سمیّہ، یاسر اور عمّار رضی اللہ عنہم تینوں نے اس دعوت کو لبّیک کہا۔ تاریخ میں ہے کہ حضرت سمیّہ رضی اللہ عنہا کا اسلام قبول کرنے والوں میں ساتواں نمبر تھا، کچھ دن اطمینان سے گزرے تھے کہ قریش کا ظلم وستم شروع ہوگیا اور بتدریج بڑھتا گیا، چنانچہ جو شخص جس مسلمان پر قابو پاتا طرح طرح کی دردناک تکلیفیں دیتا تھا۔ حضرت سمیّہ رضی اللہ عنہا کو بھی خاندانِ مغیرہ نے شرک پر مجبور کر دیا لیکن وہ اپنے عقیدہ پر نہایت شدّت سے قائم رہیں، جس کا صلہ یہ ملا کہ مشرکین ان کو مکّہ کی جلتی تپتی ریت پر لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کرتے تھے، لیکن ان کے عزم واستقلال کے چھینٹوں کے سامنے یہ آتش کدہ سرد پڑ جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزرے تو یہ حالت دیکھ کر فرماتے:

”آلِ یاسر! صبر کرو۔ اس کے عوض تمہارے لیے جنّت ہے۔“

شہادت: دن بھر اس مصیبت میں رہ کر شام کو نجات ملتی تھی، ایک مرتبہ شب کو گھر آئیں تو

[۱] اصابہ، رقم: ۱۱۳۴۲، واستیعاب، رقم: ۳۴۲۱

ابوجہل نے ان کو گالیاں دینی شروع کیں اور پھر اس کا غصہ اس قدر تیز ہوا کہ اُٹھ کر ایسی برچھی ماری کہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا جاں بحق تسلیم ہو گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

بنا کر دند خوش رسمے بہ خون و خاک غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حضرت عمّار رضی اللہ عنہ کو اپنی والدہ کی اس بے کسی پر سخت افسوس تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر کہا کہ اب حد ہو گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کی تاکید فرمائی اور کہا: ''خداوندا! آلِ یاسر کو جہنّم سے بچا۔'' یہ واقعہ ہجرتِ نبوی سے قبل کا ہے، اس بنا پر حضرت سمیّہ رضی اللہ عنہا اسلام میں سب سے پہلے شہید ہوئیں۔[1]

غزوۂ بدر میں جب ابوجہل مارا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمّار رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''دیکھو! تمہاری ماں کے قاتل کا خدا نے فیصلہ کر دیا۔''[2]

(۸)

حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا

نام ونسب: سہلہ یا رملہ نام، اُمّ سُلیم کنیت، غمیصاء اور رمیصاء لقب۔ سلسلہ نسب یہ ہے: اُمّ سُلیم بنت ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار۔ ماں کا نام ملیکہ بنت مالک بن عدی بن زید مناۃ تھا۔[3] آبائی سلسلہ سے حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا سلمٰی بنت زید کی پوتی تھیں، سلمٰی عبدالمطلب جدّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ تھیں۔ اسی بنا پر اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ مشہور ہیں۔

نکاح: مالک بن نضر سے نکاح ہوا۔

اسلام: مدینہ میں اوائلِ اسلام میں مسلمان ہوئیں۔ مالک چونکہ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہنا

---

[1] استیعاب، رقم: ۳۴۲۱ [2] طبقات، رقم: ۴۲۰۱ [3] اصابہ: ج ۸، ص ۲۴۴

چاہتے تھے اور اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا تبدیلِ مذہب پر اصرار کرتی تھیں، اس لیے دونوں میں کشیدگی پیدا ہوئی اور مالک ناراض ہو کر شام چلے گئے اور وہیں انتقال کیا۔ ابوطلحہ نے جو اسی قبیلہ سے تھے نکاح کا پیغام دیا لیکن اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا کو اب بھی وہی عذر تھا، یعنی ابوطلحہ مشرک تھے اس لیے وہ ان سے نکاح نہیں کر سکتی تھیں۔

غرض ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کچھ دن غور کر کے اسلام کا اعلان کیا اور اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا کے سامنے آ کر کلمہ پڑھا۔ حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اب تم ان کے ساتھ میرا نکاح کر دو[1] ساتھ ہی مہر معاف کر دیا اور کہا: ''میرا مہر اسلام ہے۔'' حضرت انس رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ یہ نہایت عجیب و غریب مہر تھا۔

عام حالات: نکاح کے بعد حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بیعتِ عقبہ میں شرکت کی۔ چند ماہ کے بعد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا اپنے صاحبزادے (حضرت انس رضی اللہ عنہ) کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور کہا: ''انس کو آپ کی خدمت کے لیے پیش کرتی ہوں یہ میرا بیٹا ہے آپ اس کے لیے دعا فرمائیں'' آنحضرت نے دعا فرمائی۔[2]

اسی زمانہ میں آپ نے مہاجرین و انصار میں مواخات کی، اور یہ مجمع ان ہی کے مکان میں ہوا۔[3]

غزوات میں حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا نے نہایت جوش سے حصّہ لیا۔ صحیح مسلم میں ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَغْزُوْ بِاُمِّ سُلَيْمٍ وَنِسْوَةٌ مِنَ الْاَنْصَارِ مَعَهٗ اِذَا غَزٰى فَيَسْقِيْنَ الْمَاءَ وَيُدَاوِيْنَ الْجَرْحٰى.[4]

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا اور انصار کی چند عورتوں کو غزوات میں ساتھ رکھتے تھے جو لوگوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کو مرہم پٹی کرتی تھیں۔''

غزوۂ اُحد میں جب مسلمانوں کے جمے ہوئے قدم اُکھڑ گئے تھے، وہ نہایت مستعدی سے کام

---

[1] اصابہ، رقم: ۱۲۰۷۷
[2] مسلم، رقم: ۶۳۷۲، و بخاری، رقم: ۶۳۷۸
[3] مسلم، رقم: ۶۴۶۴
[4] مسلم، رقم: ۴۶۸۲

کررہی تھیں۔ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ”میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ مشک بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں، مشک خالی ہو جاتی تھی تو پھر جا کر بھر لاتی تھیں۔[1]

۵ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ اس موقع پر حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا نے ایک لگن میں مالیدہ بنا کر حضرت انس کے ہاتھ بھیجا اور کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنا کہ اس حقیر ہدیہ کو قبول فرمائیں۔[2]

۷ ہجری میں خیبر کا واقعہ ہوا، حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا اس میں شریک تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا ہی نے حضرت حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سنوارا تھا۔[3]

غزوۂ حنین میں وہ ایک خنجر ہاتھ میں لیے تھیں۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا خنجر لیے ہیں۔ آپ نے پوچھا کیا کروگی؟ بولیں: ”اگر کوئی مشرک قریب آئے گا تو اِس سے اُس کا پیٹ چاک کردوں گی۔“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر مسکرا دیے۔ حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا نے کہا یا رسول اللہ! مکّہ کے جو لوگ فرار ہوگئے ہیں، ان کے قتل کا حکم دیجیے، ارشاد ہوا: ”خدا نے خود ان کا انتظام کر دیا ہے۔“[4]

وفات: حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا کی وفات کا سال اور مہینہ معلوم نہیں، لیکن قرینہ یہ ہے کہ انہوں نے خلافت راشدہ کے ابتدائی زمانہ میں وفات پائی ہے۔

اولاد: جیسا کہ اوپر معلوم ہوا حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا نے دو نکاح کیے تھے پہلے شوہر سے حضرت انس رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے دو لڑکے پیدا ہوئے ابوعمیر اور عبداللہ۔ ابوعمیر صغیر سنی میں فوت ہوگئے اور عبداللہ سے نسل چلی۔

فضل و کمال: حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا سے چند حدیثیں مروی ہیں جن کو حضرت انس،

---

[1] بخاری، رقم: ۲۸۸۰ [2] طبقات، رقم: ۴۱۲۴ [3] طبقات، رقم: ۴۱۲۷ [4] مسلم، رقم: ۴۶۸۰

ابن عباس، زید بن ثابت، ابوسلمہ اور عمرو بن عاصم رضی اللہ عنہم نے ان سے روایت کیا ہے۔ لوگ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما میں ایک مسئلہ میں اختلاف ہوا تو ان بزرگوں نے ان کو حکم مانا۔[1]

ان کو مسائل کے پوچھنے میں کچھ عار نہ تھا۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خدا حق بات سے نہیں شرماتا۔ کیا عورت پر خواب میں غسل واجب ہوجاتا ہے؟ اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا یہ سوال سن رہی تھیں، بے ساختہ ہنس پڑیں کہ تم نے عورتوں کی بڑی فضیحت کی؟ بھلا کہیں عورتوں کو بھی ایسا ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں؟ ورنہ بچے ماں کے ہم شکل کیوں ہوتے ہیں۔[2]

اخلاق: حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا میں بڑے بڑے فضائلِ اخلاق جمع تھے، جوش ایمان کا یہ عالم تھا کہ اپنے پہلے شوہر سے صرف اس بنا پر علیحدگی اختیار کی کہ وہ اسلام قبول کرنے پر رضا مند نہ تھے، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام دیا تو محض اس وجہ سے ردّ کردیا کہ وہ مشرک تھے، اس موقع پر انہوں نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو جس خوبی سے اسلام کی دعوت دی وہ سننے کے قابل ہے، مسند احمد میں ہے:

> قَالَتْ يَا اَبَا طَلْحَةَ ! اَلَسْتَ تَعْلَمُ اَنَّ اِلٰهَكَ الَّذِيْ تَعْبُدُ نَبَتَ مِنَ الْاَرْضِ؟ قَالَ: بَلٰى، قَالَتْ: اَفَلَا تَسْتَحْيِ تَعْبُدُ شَجَرَةً.[3]
>
> ''اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: ابوطلحہ! تم جانتے ہو کہ تمہارا معبود زمین سے اُگا ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہاں! حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا بولیں: تو پھر تم کو درخت کی پوجا کرتے ہوئے شرم نہیں آتی؟''

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ پر اس تقریر کا اتنا اثر ہوا کہ فوراً مسلمان ہوگئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حد درجہ محبّت کرتی تھیں، آپ اکثر ان کے مکان پر تشریف لے جاتے اور دوپہر کو آرام فرماتے تھے، جب بستر سے اُٹھتے تو وہ آپ کے پسینے اور ٹوٹے ہوئے بالوں کو

---

[1] مسند، رقم: ۲۷۴۲۷ [2] مسند، رقم: ۲۷۱۱۴ [3] اصابہ بحوالہ مسند، رقم: ۱۲۰۷۷

ایک شیشی میں جمع کرتی تھیں۔[۱]

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مشک سے منہ لگا کر پانی پیا تو وہ اُٹھیں اور مشک کا منہ کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دہنِ مبارک مَس ہوا ہے۔[۲]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان سے خاص محبّت تھی۔ صحیح مسلم میں ہے:

كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لَا يَدْخُلُ عَلَى اَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ اِلَّا عَلَى اَزْوَاجِهٖ اِلَّا اُمِّ سُلَيْمٍ رضی اللہ عنہا فَاِنَّهٗ كَانَ يَدْخُلُ عَلَيْهَا فَقِيْلَ لَهٗ فِيْ ذٰلِكَ فَقَالَ اِنِّيْ اَرْحَمُهَا قُتِلَ اَخُوْهَا مَعِيَ۔[۳]

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہّرات رضی اللہ عنہن کے علاوہ اور کسی عورت کے یہاں نہیں جاتے تھے لیکن اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا مستثنیٰ تھیں، لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا: مجھے ان پر رحم آتا ہے ان کے بھائی (حرام رضی اللہ عنہ) نے میرے ساتھ رہ کر شہادت پائی ہے۔“

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اکثر اوقات حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لے جاتے تھے۔

حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا نہایت صابر اور مستقل مزاج تھیں، ابوعمیر ان کا بہت پیارا اور لاڈلا بیٹا تھا لیکن جب اس نے انتقال کیا تو نہایت صبر سے کام لیا اور گھر والوں کو منع کیا کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی خبر نہ دیں، رات کو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آئے تو ان کو کھانا کھلایا اور نہایت اطمینان سے بستر پر لیٹے۔ کچھ رات گزرنے پر اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا نے اس واقعہ کا تذکرہ کیا لیکن عجیب انداز سے کیا، بولیں: اگر تم کو کوئی شخص عاریۃً ایک چیز دے اور پھر اس کو واپس لینا چاہے تو کیا تم اس کے دینے سے انکار کرو گے؟ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کبھی نہیں۔ کہا: تو اب تم کو اپنے بیٹے کی طرف سے صبر کرنا چاہیے۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر غصہ ہوئے کہ پہلے سے کیوں نہ بتلایا۔ صبح اُٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور سارا واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا: خدا نے اس رات تم دونوں کو بڑی برکت دی۔[۴]

اسی طرح ایک مرتبہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آئے اور کہا کہ رسول اللہ بھوکے ہیں، کچھ بھیج دو۔ حضرت

---

[۱] بخاری، رقم: ۶۲۸۱ [۲] مسند، رقم: ۲۷۱۸۵ [۳] رقم: ۶۳۱۹ [۴] مسلم، رقم: ۶۳۲۲

اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا نے چند روٹیاں ایک کپڑے میں لپیٹ کر حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر پیش کر دیں۔ آپ مسجد میں تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی بیٹھے ہوئے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر فرمایا: ''ابو طلحہ نے تم کو بھیجا ہے؟'' بولے: جی ہاں! فرمایا: ''کھانے کے لیے؟'' کہا: ہاں۔ آپ تمام صحابہ کو لے کر ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لائے۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ گھبرا گئے اور حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا سے کہا: اب کیا کیا جائے؟ کھانا نہایت قلیل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجمع کے ساتھ تشریف لائے ہیں، حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا نے نہایت استقلال سے جواب دیا کہ ان باتوں کو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اندر آئے تو حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا نے وہی روٹیاں اور سالن سامنے رکھ دیا، خدا کی شان اس میں بڑی برکت ہوئی اور سب لوگ کھا کر سیر ہو گئے۔[1]

حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا کے مناقب وفضائل بہت ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں جنّت میں گیا تو مجھ کو آہٹ معلوم ہوئی، میں نے کہا: ''کون ہے؟'' لوگوں نے بتایا کہ انس رضی اللہ عنہ کی والدہ غُمَیصَاء بنت مِلحان ہیں۔[2]

(۹)

حضرت اُمّ عُمارہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب: نسیبہ نام، اُمّ عُمارہ کنیت، قبیلہ خزرج کے خاندان نجّار سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے: اُمّ عُمارہ بنت کعب بن عمرو بن عوف بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن بن نجّار۔

نکاح: پہلا نکاح زید بن عاصم سے ہوا، پھر غَزِیَّہ بن عمرو کے عقدِ نکاح میں آئیں۔

اسلام: اور انہی کیساتھ بیعتِ عقبہ میں شرکت کی۔ سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ بیعتِ عقبہ میں ۷۳ مرد اور دو عورتیں شامل تھیں، حضرت اُمّ عُمارہ رضی اللہ عنہا کا بھی انہی میں شمار ہوتا ہے۔

---

[1] بخاری، رقم: ۵۳۸۱ [2] مسلم، رقم: ۶۳۲۰

غزوات: غزوۂ اُحد میں شریک ہوئیں اور نہایت پامردی سے لڑیں، جب تک مسلمان فتحیاب تھے، وہ مَشک میں پانی بھر کر لوگوں کو پلا رہی تھیں، لیکن جب شکست ہوئی تو آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچیں اور سینہ سپر ہوگئیں، کفّار جب آپ پر بڑھتے تھے تو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کا خود بیان ہے کہ میں اُحد میں ان کو اپنے دائیں اور بائیں برابر لڑتے ہوئے دیکھتا تھا۔ ابن قمیئہ جب درّاتا ہوا آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گیا تو حضرت اُمّ عُمارہ رضی اللہ عنہا نے بڑھ کر روکا۔ چنانچہ کندھے پر زخم آیا اور غار پڑ گیا، انہوں نے بھی تلوار ماری لیکن وہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا اس لیے کارگر نہ ہوئی[1] بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے ایک کافر کو قتل کیا تھا، اُحد کے بعد بیعتِ الرضوان، خیبر اور فتح مکّہ میں بھی شرکت کی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں یمامہ کی جنگ پیش آئی، مسیلمہ کذّاب مدعی نبوّت سے مقابلہ تھا۔ حضرت اُمّ عُمارہ رضی اللہ عنہا اپنے ایک لڑکے (حبیب) کو لے کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانہ ہوئیں اور جب مسیلمہ نے ان کے لڑکے کو قتل کر دیا تو انہوں نے منت مانی کہ ''یا مسیلمہ قتل ہوگا یا وہ خود جان دے دیں گی۔'' یہ کہہ کر تلوار کھینچ لی اور میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئی اور اس پامردی سے مقابلہ کیا کہ ۱۲ زخم کھائے اور ایک ہاتھ کٹ گیا، اس جنگ میں مسیلمہ بھی مارا گیا۔

وفات: اس کے بعد معلوم نہیں کب تک زندہ رہیں۔

اولاد: انتقال کے وقت چار اولادیں یادگار چھوڑیں: حبیب، عبداللہ (پہلے شوہر سے) تمیم، خولہ رضی اللہ عنہم (دوسرے شوہر سے)۔

فضل وکمال: چند حدیثیں روایت کی ہیں جو عباد بن تمیم (پوتے) لیلیٰ (کنیز)، عکرمہ، حارث بن کعب اور اُمّ سعد بنت سعد بن ربیع رحمۃ اللہ علیہم سے مروی ہیں۔

اخلاق: آنحضرت ﷺ سے ان کو جو محبّت تھی اس کا اصلی منظر تو غزوۂ اُحد میں نظر آتا ہے لیکن

---

[1] اصابہ، رقم: ۱۲۱۸۲

اور بھی چھوٹے چھوٹے واقعات ہیں۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مکان میں تشریف لائے تو انہوں نے کھانا پیش کیا ارشاد ہوا: ''تم بھی کھاؤ'' بولیں: میں روزہ سے ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا نوش فرمایا اور فرمایا کہ روزہ دار کے پاس اگر کچھ کھایا جائے تو اُس پر فرشتے درود بھیجتے ہیں[1]

جوشِ اسلام کا نظارہ بھی اوپر کے واقعات سے ہوسکتا ہے۔

(۱۰)

حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب: نسیبہ بنت حارث نام، انصار کے قبیلہ مالک بن النّجار سے تھیں[2]

اسلام: ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو انصار کی عورتوں کو ایک مکان میں بیعت کے لیے جمع کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دروازہ پر بھیجا کہ ان شرائط پر بیعت لیں کہ شرک نہ کریں گی، چوری اور زنا سے بچیں گی، اولاد کو قتل نہ کریں گی، کسی پر بہتان نہ باندھیں گی، اچھی باتوں سے انکار نہ کریں گی، عورتوں نے یہ سب تسلیم کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندر کی طرف ہاتھ بڑھایا اور عورتوں نے اپنے ہاتھ باہر نکالے جو بیعت کی علامت تھی، اس کے بعد حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ اچھی باتوں سے انکار کرنے کے کیا معنی ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نوحہ اور بین نہ کرنا[3]

غزوات اور عام حالات: حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا عہدِ رسالت کے ساتھ معرکوں میں شریک ہوئیں، جن میں وہ مردوں کے لیے کھانا پکاتیں، ان کے سامان کی حفاظت کرتیں، مریضوں کی تیمارداری اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں[4]

---

[1] مسند، رقم: ۲۷۰۵۹ [2] طبقات ابن سعد، رقم: ۴۶۱۴

[3] مسند، رقم: ۲۷۳۰۹ [4] مسلم، رقم: ۴۶۹۰

۸ ہجری میں آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو حضرت اُمّ عطیّہ رضی اللہ عنہا اور چند عورتوں نے ان کو غسل دیا، آنحضرت ﷺ نے ان کو نہلانے کی ترکیب بتلائی۔[1]

خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں ان کا ایک لڑکا کسی غزوہ میں شریک تھا، بیمار ہو کر بصرہ آیا، حضرت اُمّ عطیّہ رضی اللہ عنہا مدینہ میں تھیں، خبر ملی تو نہایت عجلت سے بصرہ روانہ ہوئیں لیکن پہنچنے سے ایک دو دن قبل وہ وفات پا چکا تھا۔ یہاں آ کر انہوں نے بنو خلف کے قصر میں قیام کیا، تیسرے روز انہوں نے خوشبو منگا کر ملی اور کہا کہ شوہر کے علاوہ اور کسی کے لیے ۳ دن سے زیادہ سوگ نہیں کرنا چاہیے۔[2] اس کے بعد بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔[3]

وفات: وفات کی تاریخ اور سن معلوم نہیں اور نہ اولاد کی تفصیل کا علم ہے۔

فضل وکمال: چند حدیثیں روایت کی ہیں، راویوں میں حسبِ ذیل اصحاب ہیں:
حضرت انس رضی اللہ عنہ، محمد بن سیرین، حفصہ بنت سیرین، اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن بن عطیّہ، عبدالملک بن عمیر، علی بن الاقمر، اُمّ شراحیل رحمۃ اللہ علیہم۔ صحابہ اور تابعین ان سے میّت کے نہلانے کا طریقہ سیکھتے تھے۔[4]

اخلاق: آنحضرت ﷺ سے بہت محبّت کرتی تھیں اور آپ بھی ان سے محبّت کرتے تھے، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کے پاس صدقہ کی ایک بکری بھیجی تو انہوں نے اس کا گوشت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس روانہ کیا۔ آپ گھر میں تشریف لائے تو کھانے کے لیے مانگا، بولیں: اور تو کچھ نہیں ہے البتہ جو بکری آپ نے نسیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجی تھی اس کا گوشت رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''لاؤ، کیونکہ وہ مستحق کے پاس پہنچ چکی۔''[5]
آنحضرت ﷺ کے ساتھ آپ کے اعزّہ واقارب سے بھی خاص تعلّقات تھے، چنانچہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت اُمّ عطیّہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں قیلولہ

---

[1] بخاری، رقم: ۱۶۷　[2] بخاری، رقم: ۱۲۷۹　[3] اسد الغابہ، رقم: ۷۵۴۲
[4] تہذیب التہذیب، رقم: ۱۲۱۵۴　[5] مسلم، رقم: ۲۴۹۰

فرماتے تھے۔"[۱]

احکام نبوی کی پوری پابندی کرتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت میں نوحہ کی ممانعت کی تھی، اس پر انہوں نے ہمیشہ عمل کیا، چنانچہ بیعت ہی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ فلاں خاندان کے لوگ میرے ہاں رہ چکے ہیں، اس لیے مجھ کو بھی ان کے ہاں جاکر رہنا ضروری ہے، آپ اس خاندان کو مستثنیٰ کر دیجیے۔ چنانچہ آپ نے مستثنیٰ کر دیا[۲] (بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُمّ عطیّہ رضی اللہ عنہا کو کوئی جواب نہیں دیا، اور جن روایات سے یہ ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مستثنیٰ کر دیا ان کا مطلب یہ ہے کہ یہ استثنا حضرت اُمّ عطیّہ رضی اللہ عنہا کے لیے خاص تھا، ورنہ اصل مسئلہ کہ نوحہ جائز نہیں ہے اپنی جگہ پر ثابت ہے، لڑکے کی وفات اور اس پر سوگ کرنے کا حال ابھی گزر چکا ہے۔)

(۱۱)

حضرت رُبیّع بنت مُعوِّذ بن عفراء رضی اللہ عنہا

نام ونسب: ربیع نام، قبیلہ خزرج کے خاندان نجّار سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے: ربیع بنت معوذ بن حارث بن رِفاعہ بن حارث بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن نجار۔ والدہ کا نام اُمّ تزید تھا جو قیس بن زعورا کی بیٹی تھی، حضرت ربیع رضی اللہ عنہا اور ان کے تمام بھائی عفراء کی اولاد مشہور ہیں، عفراء ان لوگوں کی دادی تھیں۔[۳]

اسلام: ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں۔

نکاح: ایاس بن بکر لیثی سے شادی ہوئی، صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے اور بستر پر بیٹھ گئے، لڑکیاں دف بجا بجا کر شہدائے بدر کے مناقب میں اشعار پڑھ رہی تھیں، اس ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بھی کچھ اشعار پڑھے، جن میں ایک مصرعہ یہ تھا:

---

[۱] رقم: ۴۶۱۴ [۲] مسند، رقم: ۲۷۲۹۸ [۳] تہذیب التہذیب، رقم: ۱۲۰۳۸

وَفِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ

''اور ہم میں وہ نبی ہے جو کل کی بات جانتا ہے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ نہ کہو اور اس کے سوا جو کہتی تھیں وہ کہو۔[1]

عام حالات: غزوات میں شرکت کرتی تھیں، زخمیوں کا علاج کرتیں، لوگوں کو پانی پلاتیں اور مقتولوں کو مدینہ پہنچاتیں اور فوج کی خدمت کرتی تھیں۔[2]

غزوۂ حدیبیہ میں بھی موجود تھیں، جب بیعتِ رضوان کا وقت آیا تو انہوں نے بھی آ کر بیعت کی۔ ۳۵ ہجری میں اپنے شوہر سے علیحدہ ہوئیں، شرط یہ تھی کہ جو کچھ میرے پاس ہے اس کو لے کر مجھ سے دست بردار ہو جاؤ، چنانچہ اپنا تمام سامان ان کو دے دیا، صرف ایک کُرتی رہنے دی، لیکن شوہر کو یہ بھی گوارا نہ ہوا، جا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا، چونکہ ربیع رضی اللہ عنہا نے کل چیزوں کی شرط رکھی تھی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم کو اپنا وعدہ پورا کرنا چاہیے اور شوہر سے فرمایا کہ تم ان کے جوڑا باندھنے کی دھجی تک لے سکتے ہو۔[3]

وفات: حضرت ربیع رضی اللہ عنہا کی وفات کا سال نامعلوم ہے۔

اولاد: اولاد میں محمد مشہور ہیں۔

فضل وکمال: حضرت ربیع رضی اللہ عنہا سے ۲۱ حدیثیں مروی ہیں، علمی حیثیت سے ان کا یہ پایہ تھا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے۔[4]

راویوں میں بہت سے بزرگ ہیں، مثلاً: عائشہ بنت انس بن مالک، سلیمان بن یسار، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، نافع، عبادہ بن ولید، خالد بن ذکوان، عبداللہ بن محمد بن عقیل، ابوعبیدہ بن محمد (حضرت عمّار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے پوتے) اور محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان رحمۃ اللہ علیہم۔

---

[1] بخاری، رقم: ۴۰۰۱ [2] مسند، رقم: ۲۷۰۱۷ [3] اصابہ، رقم: ۱۱۱۷۲ [4] مسند، رقم: ۲۷۰۱۵

اخلاق: جوشِ ایمان اس سے ظاہر ہے کہ ایک مرتبہ اسماء بنت مُخَرِّبہ جو ابو ربیعہ مخزومی کی بیوی تھی اور عطر بیچتی تھی، چند عورتوں کے ساتھ ربیع رضی اللہ عنہا کے گھر آئی اور ان کا نام ونسب دریافت کیا، چونکہ ربیع رضی اللہ عنہا کے باپ نے ابوجہل کو بدر میں قتل کیا تھا اور اسماء قریش کے قبیلے سے تھی بولی: ''تو تم ہمارے سردار کے قاتل کی بیٹی ہو؟'' حضرت ربیع رضی اللہ عنہا کو ابوجہل کی نسبت سردار کا لفظ نہایت ناگوار ہوا، بولیں: سردار کی نہیں، بلکہ غلام کے قاتل کی بیٹی ہوں؟ اسماء کو ابوجہل کی شان میں یہ گستاخی پسند نہ آئی، جھنجھلا کر کہا کہ مجھ کو تمہارے ہاتھ سودا بیچنا حرام ہے۔ حضرت ربیع رضی اللہ عنہا نے برجستہ کہا: مجھ کو تم سے کچھ خریدنا حرام ہے، کیونکہ تمہارا عطر، عطر نہیں بلکہ گندگی ہے۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا محبت تھی، آپ ان کے گھر اکثر تشریف لے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ تشریف لائے اور ان سے وضو کے لیے پانی مانگا۔[2] ایک مرتبہ دو طباقوں میں چھوہارے اور انگور لے گئیں، تو آپ نے زیور یا سونا مرحمت فرمایا۔[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مرتبہ کسی نے حلیہ پوچھا تو بولیں: ''بس یہ سمجھ لو کہ آفتاب طلوع ہو رہا ہے۔''[4]

(۱۲)

حضرت اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا

نام ونسب: فاختہ نام، اُمّ ہانی کنیت، ابوطالب عمّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر تھیں، ماں کا نام فاطمہ بنت اسد تھا، اس بنا پر حضرت علی، حضرت جعفر طیّار اور اُمّ ہانی رضی اللہ عنہم حقیقی بھائی بہن ہیں۔

نکاح: ہبیرہ بن عمرو بن عائذ مخزومی سے نکاح ہوا۔

اسلام: ۸ ہجری میں جب مکّہ فتح ہوا، مسلمان ہوئیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز ان کے مکان میں غسل کیا تھا اور چاشت کی نماز پڑھی۔ انہوں نے اپنے دو عزیزوں کو جو مشرک تھے پناہ

---

[1] اسد الغابہ، رقم: ۶۹۱۷　[2] مسند، رقم: ۲۷۰۱۶　[3] مسند، رقم: ۲۷۰۲۰　[4] اسد الغابہ، رقم: ۶۹۱۸

دے دی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو پناہ دی[1] ان کا شوہر ہبیرہ فتحِ مکّہ میں نجران بھاگ گیا تھا۔

وفات: ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد مدّت تک زندہ رہیں۔ تہذیب میں ہے: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں انتقال کیا۔

اولاد: حسب ذیل اولاد چھوڑی: عمرو، ہانی، یوسف، جعدہ رحمۃ اللہ علیہم۔

فضل وکمال: حضرت اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا سے ۴۶ حدیثیں مروی ہیں، جن کے راوی حسب ذیل حضرات ہیں: جعدہ، یحییٰ، ہارون، ابو مرّہ، ابو صالح، حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن حارث بن نوفل، ابن ابی لیلیٰ، مجاہد، عروہ، عبداللہ بن عیاش، شعبی، عطاء، کریب، محمد بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کبھی مسائل دریافت کرتی تھیں، جس سے ان کی فقہ دانی کا پتہ چلتا ہے، ایک مرتبہ اس آیت کی تفسیر پوچھی تھی: وَتَأْتُوْنَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنكَرَ[2]

اخلاق: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو جو عقیدت تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ آپ فتح مکّہ کے زمانہ میں ان کے مکان پر تشریف لائے اور شربت نوش فرمایا۔ اس کے بعد ان کو دیا، انہوں نے کہا: میں روزہ سے ہوں لیکن آپ کا جھوٹا واپس نہیں کرنا چاہتی ہوں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے پی لیا اور پھر خود ہی عرض کیا: یارسول اللہ! میں روزہ سے ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اگر روزہ رمضان کی قضا کا ہے تو کسی دوسرے دن یہ روزہ رکھ لینا، اور اگر محض نفل ہے تو اس کی قضا کرنے یا نہ کرنے کا تم کو اختیار ہے[3]۔''
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان سے بہت محبّت تھی ایک مرتبہ فرمایا: ''اُمّ ہانی! بکری لے لو، یہ بڑی خیر و برکت کی چیز ہے[4]۔''

---

[1] مسند، رقم: ۲۶۸۹۶ [2] مسند، رقم: ۲۶۸۹۱ (سورۂ عنکبوت: ۲۹) [3] مسند، رقم: ۲۶۸۹۳-۲۶۹۱۰
[4] مسند، رقم: ۲۶۹۰۲

ایک مرتبہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اب میں بوڑھی ہوگئی اور چلنے پھرنے میں ضُعف معلوم ہوتا ہے اس لیے ایسا عمل بتلایا جائے جس کو بیٹھے بیٹھے انجام دے سکوں، آپ نے ایک وظیفہ بتلایا فرمایا کہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ ایک سو مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ایک سو مرتبہ اَللّٰهُ اَکْبَرُ ایک سو مرتبہ اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ایک سو مرتبہ کہہ لیا کرو[1]۔"

(۱۴)

حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا

نام ونسب: فاطمہ نام، اُمّ جمیل کنیت، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ہیں۔

نکاح: حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا۔

اسلام: اورانہی کے ساتھ مسلمانوں ہوئیں یہ اوائلِ اسلام کا واقعہ ہے، ان کے کچھ دنوں کے بعد ان کے بھائی یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے اور انہی کے سبب سے ہوئے، اس کا قصہ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود بیان کیا ہے کہ حضرت عمر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کے مسلمان ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جارہے تھے، راستہ میں ایک مخزومی صحابی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، پوچھا کہ تم نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر محمد کا مذہب اختیار کیا ہے؟ بولے ہاں! لیکن پہلے اپنے گھر کی خبر لو، تمہاری بہن اور بہنوئی نے بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مذہب قبول کرلیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سیدھے بہن کے گھر پہنچے، دروازہ بند تھا اور وہ قرآن پڑھ رہی تھی، ان کی آہٹ پاکر چپ ہوگئیں اور قرآن کے اجزاء چھپادیئے۔ لیکن آواز ان کے کان میں پڑ چکی تھی، پوچھا کہ یہ کیا آواز تھی؟ انہوں نے کہا: کچھ نہیں، بولے: میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہوگئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی سے دست وگریبان ہوگئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بچانے کے لیے آئیں تو ان کی بھی خبر لی، بال پکڑ کر گھسیٹے اور اس قدر مارا کہ ان کا بدن لہولہان ہوگیا۔ اسی

[1] مسند، رقم: ۲۶۹۱۱

حالت میں ان کی زبان سے نکلا: عمر! جو ہو سکے کرو، لیکن اب اسلام دل سے نہیں نکل سکتا۔ ان الفاظ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل پر ایک خاص اثر کیا، بہن کی طرف محبّت کی نگاہ سے دیکھا ان کے بدن سے خون جاری تھا، یہ دیکھ کر اور بھی رقّت ہوئی، فرمایا کہ تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی سناؤ، فاطمہ رضی اللہ عنہا نے قرآن کے اجزاء لاکر سامنے رکھ دیئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو پڑھتے جاتے تھے اور ان پر رعب چھاتا جاتا تھا، یہاں تک کہ ایک آیت پر پہنچ کر پکار اُٹھے:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔[1]

ہجرت: اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت کی۔

وفات: وفات کا سن اور مہینہ معلوم نہیں۔

اولاد: ایک لڑکا چھوڑا عبدالرحمٰن نام تھا۔

(۱۴)

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا

نام ونسب: اسماء نام، قبیلہ خثعم سے تھیں، سلسلۂ نسب یہ ہے: اسماء بنت عمیس بن مَعد بن حارث بن تیم بن کعب بن مالک بن قحافہ بن عامر بن ربیعہ بن عامر بن معاویہ بن زید بن مالک بن بشیر بن وہب اللہ بن شہران بن عِفرِس بن خلف بن اَقبَل (خثعم)۔ ماں کا نام ہند (خولہ) بنت عوف تھا اور قبیلہ کنانہ سے تھیں، اس بنا پر حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا (اُمّ المؤمنین) اور اسماء رضی اللہ عنہا اخیافی بہنیں تھیں۔

نکاح: حضرت جعفر سے، جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے (اور دس برس بڑے تھے) نکاح ہوا۔

---

[1] اصابہ، رقم: ۱۱۵۹۴

اسلام: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خانہ ارقم میں مقیم ہونے سے قبل مسلمان ہوئیں۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی زمانہ میں اسلام قبول کیا تھا۔[1]

عام حالات: حبشہ کی ہجرت کی اور کئی سال تک مقیم رہیں، ۷ ہجری میں جب خیبر فتح ہوا تو مدینہ آئیں، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آ گئے، پوچھا: یہ کون ہیں؟ جواب ملا اسماء۔ بولے: ''ہاں! وہ حبش والی، وہ سمندر والی۔'' حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: ''ہاں وہی'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہم کو تم پر فضیلت ہے، اس لیے کہ ہم مہاجر ہیں۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو یہ فقرہ سن کر غصّہ آیا، بولیں: ''کبھی نہیں! تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ بھوکوں کو کھلاتے اور جاہلوں کو پڑھاتے تھے، لیکن ہماری حالت بالکل جداگانہ تھی ہم نہایت دُور دراز مقام میں صرف خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لیے پڑے رہے اور بڑی بڑی تکلیفیں اُٹھائیں۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکان پر تشریف لائے تو انہوں نے سارا قصّہ بیان کیا۔ ارشاد ہوا: ''انہوں نے ایک ہجرت کی اور تم نے دو ہجرتیں کیں اس لیے تم کو زیادہ فضیلت ہے۔'' حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اور دوسرے مہاجرین کو اس سے اس درجہ مسرّت ہوئی کہ دنیا کی تمام فضیلتیں ہیچ معلوم ہوتی تھیں۔ مہاجرین حبشہ جوق در جوق حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس آتے اور یہ واقعہ دریافت کرتے تھے۔[2]

۸ ہجری غزوۂ موتہ میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آب دیدہ تھے۔ میں نے عرض کیا کہ ''یارسول اللہ! آپ غمگین کیوں ہیں؟ کیا جعفر رضی اللہ عنہ کے متعلق کوئی اطلاع آئی ہے؟'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''ہاں! وہ لوگ شہید ہو گئے ہیں۔'' بچوں کو نہلا دھلا کر ہمراہ لے گئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کو اپنے پاس بلایا اور میں چیخ اُٹھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہلِ بیت کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا جعفر رضی اللہ عنہ کے بچوں کے لیے کھانا پکاؤ کیونکہ وہ رنج وغم میں مصروف ہیں۔[3]

---

[1] اصابہ، رقم: ۱۰۸۰۹ [2] بخاری، رقم: ۴۲۳۰، ۴۲۳۱ [3] مسند، رقم: ۲۷۰۸۶

اس کے بعد مسجد میں جا کر غمزدہ بیٹھے اور اس خبر کا اعلان کیا، اسی حالت میں ایک شخص نے آکر کہا کہ جعفر رضی اللہ عنہ کی مستورات ماتم کررہی ہیں اور رورہی ہیں، آپ نے ان کو منع کرانے بھیجا، وہ گئے اور واپس آکر کہا کہ میں نے منع کیا لیکن وہ باز نہیں آتیں، آپ نے دوبارہ بھیجا وہ پھر گئے اور واپس آکر عرض کی کہ ہم لوگوں کی نہیں چلتی، آپ نے ارشاد فرمایا: ''تو ان کے منہ میں خاک بھردو۔'' یہ واقعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح بخاری میں منقول ہے، صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس شخص سے کہا کہ ''خدا کی قسم! تم یہ نہ کروگے (منہ میں خاک ڈالنا) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف سے نجات نہ ملے گی[1]۔''

تیسرے دن[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے اور سوگ کی ممانعت کی[3]۔ تقریباً چھ مہینے کے بعد شوال ۸ ہجری میں جو غزوۂ حنین کا زمانہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح پڑھادیا[4] جس کے دو برس بعد ذوالقعدہ ۱۰ ہجری میں محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اس وقت حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حج کی غرض سے مکّہ آئی تھیں۔ چونکہ محمد ذوالحلیفہ میں پیدا ہوئے تھے اسماء رضی اللہ عنہا نے دریافت کرایا کہ میں کیا کروں؟ ارشاد ہوا: ''نہا کر احرام باندھیں[5]۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت میں حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا اور اسماء رضی اللہ عنہا نے ذات الجنب تشخیص کرکے دوا پلانا چاہی چونکہ گوارا نہ تھی آپ نے انکار فرمادیا، اسی ممانعت میں غشی طاری ہوگئی انہوں نے منہ کھول کر پلادی، افاقہ کے بعد آپ کو احساس ہوا تو فرمایا: ''یہ مشورہ اسماء رضی اللہ عنہا نے دیا ہوگا، وہ حبشہ سے اپنے ساتھ یہی حکمت لائی ہیں۔ عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ سب کو دوا پلائی جائے۔'' چنانچہ تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو دوا پلائی گئی[6]۔

---

[1] بخاری، رقم: ۱۲۹۹ [2] مسند، رقم: ۲۷۰۸۳ [3] جس عورت کے شوہر کا انتقال ہوجائے اسکو چار ماہ دس دن سوگ کرنا چاہیے مسئلہ یہی ہے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے شبہ میں نہ پڑنا چاہیے، اسلیے کہ یہ روایت تمام صحیح احادیث کے خلاف ہے اور شاذ ہے اور اجماع اس کے خلاف ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ روایت منسوخ ہے اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک منقطع ہے۔ ملاحظہ ہو: فتح الباری میں حدیث نمبر ۵۳۳۴ اور ۵۳۳۵ کے تحت، ان کے سوا اور بہت سے جوابات ہیں جنکی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔

[4] اصابہ، رقم: ۱۰۸۰۹ [5] مسلم، رقم: ۲۹۰۹ [6] مسند، رقم: ۲۷۴۳۹

۱۳ ہجری میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو وصیت فرمائی کہ اسماء رضی اللہ عنہا غسل دیں۔[1]
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد اسماء رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عقد میں آئیں، محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ آئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آغوشِ تربیت میں پرورش پائی۔ ایک دن عجیب لطیفہ ہوا، محمد بن جعفر اور محمد بن ابی بکر نے باہم فخراً کہا کہ ہم تم سے بہتر ہیں اس لیے کہ ہمارے باپ تمہارے باپ سے بہتر تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ کرو۔ بولیں کہ تمام نوجوانوں پر جعفر رضی اللہ عنہ کو اور تمام بوڑھوں پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فضیلت حاصل ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ بولے: ''پھر ہمارے لیے کیا رہا؟''[2]
۳۸ ہجری میں محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ مصر میں قتل ہوئے اور گدھے کی کھال میں ان کی لاش جلائی گئی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے لیے اس سے زیادہ تکلیف دہ واقعہ کیا ہوسکتا تھا؟ ان کو سخت غصہ آیا لیکن نہایت صبر سے کام لیا اور مصلے پر کھڑی ہوگئیں۔[3]

وفات: ۴۰ ہجری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی اور ان کے بعد حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا بھی انتقال ہوگیا۔[4]

اولاد: جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے تین نکاح کیے، چنانچہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے محمد، عبداللہ، عون۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے محمد اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یحیٰ پیدا ہوئے۔[5]
ریاض النضرۃ میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دولڑکے ہوئے تھے، یحیٰ اور عون۔ لیکن علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسکو غلط کہا اور لکھا ہے کہ یہ ابن کلبی کا خیال ہے جو مشہور دروغ گو تھا۔

فضل وکمال: حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے ۶۰ حدیثیں مروی ہیں، جن کے راویوں کے نام یہ ہیں: حضرت عمر، ابوموسیٰ اشعری، عبداللہ بن جعفر، ابن عباس رضی اللہ عنہم، قاسم بن محمد، عبداللہ

---

[1] اصابہ، رقم: ۱۰۸۰۹　[2] حوالہ سابقہ　[3] حوالہ سابقہ
[4] خلاصہ تہذیب: ص ۴۸۸　[5] استیعاب، رقم: ۳۲۶۴

بن شداد بن الہاد، سعید بن مسیب، اُمّ عون بنت محمد بن جعفر، فاطمہ بنت علی، ابو یزید مدنی رحمۃ اللہ علیہم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست تعلیم حاصل کرتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مصیبت اور تکلیف میں پڑھنے کے لیے ان کو ایک دعا بتائی تھی۔[1]

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بچوں کو دبلا دیکھا تو پوچھا کہ یہ اس قدر دبلے کیوں ہیں؟ اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا ان کو نظر بہت لگتی ہے، فرمایا: ''تو تم جھاڑ پھونک کرو۔''

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو ایک منتر یاد تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا، فرمایا: ''ہاں! یہی سہی[2]۔''

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو خواب کی تعبیر میں بھی دخل تھا چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر ان سے خوابوں کی تعبیر پوچھتے تھے۔[3]

(۱۵)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما

نام ونسب: اسماء نام، ذاتُ النطاقین لقب، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ ماں کا نام قیلہ بنت عبدالعزیٰ تھا، ہجرت سے ۲۷ سال قبل مکّہ میں پیدا ہوئیں۔

نکاح: حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا۔

اسلام: اپنے شوہر کی طرح انہوں نے بھی قبولِ اسلام میں سبقت کی۔ ابن اسحٰق کے قول کے مطابق ان کا ایمان لانے والوں میں اٹھارہواں نمبر تھا۔

عام حالات: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رفیقِ صحبت تھے، آپ دوپہر کو ان کے گھر تشریف لائے اور ہجرت کا خیال ظاہر فرمایا۔

---

[1] مسند، رقم: ۲۷۰۸۲۔ دعا یہ ہے: "اَللّٰہُ رَبِّيْ، لَا اُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا۔" [2] مسلم، رقم: ۵۷۶۲

[3] اصابہ، رقم: ۱۰۸۰۹

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے سفر کا سامان کیا دو تین دن کا کھانا ناشتہ دان میں رکھا، نطاق جس کو عورتیں کمر میں لپیٹتی ہیں، پھاڑ کر اس سے ناشتہ دان کا منہ باندھا، یہ وہ شرف تھا جس کی بنا پر آج تک ان کو ذات النطاقین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔[1]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہجرت کے وقت کل روپیہ ساتھ لے گئے تھے، ابو قحافہ رضی اللہ عنہ جو کہ ان کے والد تھے، معلوم ہوا، بولے: انہوں نے جانی اور مالی دونوں قسم کی تکلیف دی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا وہ کثیر رقم چھوڑ گئے ہیں۔ یہ کہہ کر اٹھیں اور جس جگہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مال رہتا تھا بہت سے پتھر رکھ دیئے اور ان پر کپڑا ڈال دیا پھر ابو قحافہ کو لے گئیں اور کہا ٹٹول لیجیے، دیکھیے! یہ رکھا ہے۔ ابو قحافہ نابینا ہو گئے تھے اس لیے مان گئے اور کہا کھانے کے لیے بہت ہے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے صرف ابو قحافہ کی تسکین کے لیے ایسا کیا تھا ورنہ وہاں ایک دانہ بھی نہ تھا۔[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر مستورات کو بلوایا تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بھی آئیں۔ قباء میں قیام کیا، یہاں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے۔[3] ان کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ نے عبداللہ کو گود میں لیا، گھٹی دی اور ان کے لیے دعا فرمائی۔[4] عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جب جوان ہوئے تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ان کے پاس رہنے لگیں کیونکہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دیدی تھی۔[5]

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے گھٹی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب مبارک پیا تھا اس بنا پر جب سن شعور کو پہنچے تو فضائلِ اخلاق کے پیکرِ مجسّم تھے۔ ادھر سلطنت بنوامیّہ کا فرماں روا (یزید) سرتاپا فسق و فجور تھا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس کی بیعت سے انکار کر دیا، مکّہ میں پناہ گزین ہوئے اور وہیں سے اپنی خلافت کی صدا بلند کی چونکہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی عظمت و جلالت کا ہر شخص معترف تھا، اس لیے تمام دنیائے اسلام نے اس صدا پر لبّیک کہی اور ملک کا بڑا حصّہ ان کے عَلَم کے نیچے آ گیا لیکن جب عبدالملک بن مروان تخت نشین ہوا تو اس نے اپنی

---

[1] بخاری، رقم: ۳۹۰۵ [2] مسند احمد بن حنبل، رقم: ۲۶۹۵۷ [3] اصابہ، رقم: ۱۰۸۰۴

[4] بخاری، رقم: ۳۹۰۹ [5] اسد الغابہ، رقم: ۶۷۰۵

حکمت عملی سے بعض صوبوں پر قبضہ کرلیا اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے مقابلہ کی تیاریاں کیں، شامی لشکر نے خانۂ کعبہ کا محاصرہ کیا تو ابن زبیر رضی اللہ عنہما حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس آئے، وہ بیمار تھیں پوچھا: ''کیا حال ہے؟'' بولیں: ''بیمار ہوں۔'' کہا: ''آدمی کو موت کے بعد آرام ملتا ہے۔'' حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: ''شاید تم کو میرے مرنے کی تمنّا ہے؟ لیکن میں ابھی مرنا پسند نہیں کرتی، میری آرزو یہ ہے کہ تم لڑکر قتل ہو اور میں صبر کروں، یا تم کامیاب ہو اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔'' ابن زبیر رضی اللہ عنہما ہنس کر چلے گئے، شہادت کا وقت آیا تو دوبارہ ماں کی خدمت میں آئے وہ مسجد میں بیٹھی تھیں، صلح کے متعلق مشورہ کیا، بولیں: ''بیٹا! قتل کے خوف سے ذلت آمیز صلح بہتر نہیں، کیونکہ عزّت کے ساتھ تلوار مارنا ذلت کے ساتھ کوڑا مارنے سے بہتر ہے۔'' حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس پر عمل کیا اور لڑکر مردانہ وار شہادت حاصل کی۔

حجّاج نے ان کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا، تین دن گزرنے پر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کنیز کو ساتھ لے کر اپنے بیٹے کی لاش پر آئیں، لاش الٹی لٹکی تھی دل تھام کر اس منظر کو دیکھا اور نہایت استقلال سے کہا: ''کیا اس سوار کے گھوڑے سے اترنے کا ابھی وقت نہیں آیا۔''[1]

حجّاج کو چھیڑ منظور تھی آدمی بھیجا کہ ان کو جاکر لائے، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے انکار کیا، اس نے پھر آدمی بھیجا کہ ''ابھی خیریت ہے، ورنہ آئندہ جو شخص بھیجا جائے گا وہ بال پکڑ کر گھسیٹ لائے گا۔'' حضرت اسماء رضی اللہ عنہا صرف خدا کی شانِ جبّاری کی معترف تھیں جواب دیا میں نہیں جاسکتی۔ حجّاج نے مجبوراً خود جوتا پہنا اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آیا اور حسب ذیل گفتگو ہوئی:

حجّاج نے کہا: ''کہیے! میں نے دشمنِ خدا (ابن زبیر رضی اللہ عنہما) کے ساتھ کیا سلوک کیا؟''

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بولیں: ''تو نے ان کی دنیا بگاڑی اور انہوں نے تیری عاقبت خراب کی! میں نے سنا ہے کہ تو ان کو طنزاً ذات النطاقین کا بیٹا کہتا ہے، خدا کی قسم! ذات النطاقین میں ہوں میں نے ایک نطاق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کھانا باندھا تھا اور دوسرے کو کمر میں لپیٹتی تھی، لیکن یہ یاد رہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ثقیف میں ایک کذّاب اور

---

[1] استیعاب، رقم: ۱۵۵۳

ظالم پیدا ہوگا، چنانچہ کذاب کو دیکھ چکی ہوں اور ظالم تُو ہے۔"

حجّاج نے یہ حدیث سنی تو چپکا اُٹھ کھڑا ہوا۔[1]

چند دنوں کے بعد عبدالملک کا حکم پہنچا تو حجّاج نے لاش اتروا کر یہود کے قبرستان میں پھنکوا دی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے لاش اُٹھوا کر گھر منگوایا اور غسل دلوا کر جنازہ کی نماز پڑھی۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا جوڑ جوڑ الگ تھا، نہلانے کے لیے کوئی عضو اُٹھایا جاتا تو ہاتھ کے ساتھ چلا آتا تھا لیکن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے یہ کیفیت دیکھ کر صبر کیا کہ خدا کی رحمت ان ہی پارہ پارہ ٹکڑوں پر نازل ہوتی ہے۔

وفات: حضرت اسماء رضی اللہ عنہا دعا کرتی تھیں کہ جب تک میں عبداللہ کی لاش نہ دیکھ لوں مجھے موت نہ آئے۔ چنانچہ ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے داعی اجل کو لبّیک کہا یہ جمادی الاولیٰ ۷۳ ہجری کا واقعہ ہے اس وقت ان کی عمر سو سال کی تھی۔[2]

اولاد: حسب ذیل اولاد ہوئی: عبداللہ، منذر، عروہ، مہاجر، خدیجۃ الکبریٰ، اُمّ الحسن، عائشہ۔[3]

حلیہ: حضرت اسماء رضی اللہ عنہا باایں ہمہ کہ سو برس کی تھیں لیکن ایک دانت بھی نہیں گرا تھا اور ہوش و حواس بالکل درست تھے[4] دراز قد اور جسیم شحیم تھیں، اخیر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی۔[5]

فضل و کمال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ۵۶ حدیثیں روایت کی ہیں جو صحیحین اور سنن میں موجود ہیں۔ راویوں میں حسب ذیل اصحاب ہیں:

عبداللہ، عروہ (پسران)، عباد بن عبداللہ، عبداللہ بن عروہ (نبیرگان) فاطمہ بنت المنذر بن زبیر، عباد بن حمزہ بن عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن کیسان (غلام) ابن عباس، صفیہ بنت شیبہ، ابن ابی ملیکہ، وہب بن کیسان، ابوبکر و عامر (پسران) ابن زبیر، مطلب بن حنطب، محمد بن

---

[1] طبقات، رقم: ۴۱۹۰ [2] استیعاب، رقم: ۳۲۵۹، تہذیب التہذیب، رقم: ۱۱۹۶۹

[3] الریاض النضرۃ: ص ۲۷۹، ۲۸۰ [4] اصابہ، رقم: ۱۰۸۰۴ [5] مسند، رقم: ۲۶۹۴۶

منکدر، مسلم معرّیٰ، ابونوفل بن ابی عقرب رضی اللہ عنہم۔

اخلاق: حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بالطّبع نیکی کی طرف مائل تھیں۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسوف کی نماز پڑھا رہے تھے، نماز کو بہت طول دیا تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ادھر اُدھر دیکھنا شروع کیا، ان کے پاس دو عورتیں کھڑی تھیں جن میں ایک فربہ اور دوسری لاغر تھی یہ دیکھ کر انہوں نے اپنے دل کو تسلّی دی کہ مجھے ان سے زیادہ دیر تک کھڑا رہنا چاہیے۔[1] لیکن چونکہ نماز کئی گھنٹے تک ہوئی تھی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو غش آگیا اور سر پر پانی چھڑکنے کی نوبت آئی۔[2]

ابن ابی ملیکہ کا بیان ہے کہ ان کے سر میں درد ہوتا تو سر پکڑ کر کہتیں یہ میرا گناہ ہے اور جو گناہ خدا معاف کرتا رہتا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہیں۔

حق گوئی انکا خاص شعار تھا، اسکی متعدّد مثالیں اوپر گزر چکی ہیں۔ حجّاج بن یوسف جیسے ظالم اور جابر کے سامنے وہ جس صاف گوئی سے کام لیتی تھیں وہ بجائے خود اپنی آپ ہی نظیر ہے، ایک دن وہ منبر پر بیٹھا ہوا تھا، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اپنی کنیز کیساتھ آئیں اور دریافت کیا کہ ''امیر کہاں ہے؟'' معلوم ہوا تو حجّاج کے قریب گئیں اس نے دیکھتے ہی کہا: ''تمہارے بیٹے نے خدا کے گھر میں الحاد پھیلایا تھا، اس لیے خدا نے اسکو بڑا دردناک عذاب دیا۔'' حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے برجستہ جواب دیا: ''تو جھوٹا ہے، وہ ملحد نہ تھا بلکہ صائم، پارسا اور شب بیدار تھا۔''[3]

نہایت صابر تھیں، حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت ایک قیامت تھی، جو اُن کے لیے قیامت کبریٰ بن گئی، لیکن اس میں انہوں نے جس عزم، جس استقلال، جس صبر اور جس تحمّل سے کام لیا اس کی تاریخ میں بہت کم نظیریں مل سکتی ہیں۔

حد درجہ خوددار تھیں۔ حجّاج بن یوسف جیسے امیر کی نخوت بھی ان کی خودداری کی چٹان سے ٹکرا کر چور چور ہو جاتی تھی۔

باایں ہمہ نہایت متواضع اور خاکسار تھیں، محنت مشقت میں ان کو بالکل عار نہ تھا۔ چنانچہ جب ان کا نکاح ہوا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ نہ تھا، صرف ایک اونٹ اور ایک گھوڑا تھا وہ

---

[1] مسند، رقم: ۲۶۹۵۴ [2] بخاری، رقم: ۱۰۵۳ [3] مسند، رقم: ۲۶۹۶۷

گھوڑے کو دانہ دیتی، پانی بھرتی اور ڈول سیتی تھیں، روٹی پکانی نہیں آتی تھی اس لیے آٹا گوندھ کر رکھتی اور انصار کی بعض عورتیں پکا دیتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو جو زمین عنایت فرمائی تھی وہاں جا کر وہ چھوہاروں کی گٹھلیاں چنتی اور تین فرلانگ سے سر پر لاد کر لاتی تھیں۔ ایک دن اسی حالت میں آ رہی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوگئی۔ آپ نے اپنے اونٹ کو بٹھایا کہ سوار ہو جائیں، لیکن ان کو شرم معلوم ہوئی اور اونٹ پر نہ بیٹھیں، گھر آ کر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے سارا قصّہ بیان کیا۔ انہوں نے کہا سبحان اللہ! سر پر بوجھ لادنے سے شرم نہیں آئی؟ کچھ زمانہ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک غلام دیا جو گھوڑے کی تربیت اور پرداخت کرتا تھا۔ اس وقت حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی مصیبت کم ہوئی کہتی تھیں:

فَكَأَنَّمَا اَعْتَقَنِي یعنی گویا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ کو آزاد کر دیا۔[1]

غربت کی وجہ سے جو کچھ خرچ کرتیں ناپ تول کر خرچ کرتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا کہ پھر خدا بھی ناپ کر دے گا اس وقت سے یہ عادت چھوڑ دی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آمدنی وافر ہوگئی اور پھر کبھی تنگ دست نہیں ہوئیں۔[2]

حد درجہ فیاض تھیں، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو فیاض نہیں دیکھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی وفات کے وقت ترکہ میں ایک جنگل چھوڑا تھا جو ان کے حصّہ میں آیا تھا، لیکن انہوں نے اس کو لاکھ درہم پر فروخت کر کے کل رقم عزیزوں پر تقسیم کر دی۔[3] بیمار پڑتیں تو اپنے تمام غلام آزاد کر دیتی تھیں۔[4] حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا مزاج تیز تھا، اس لیے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں بلا اجازت ان کے مال سے فقراء کو خیرات دے سکتی ہوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی۔[5]

ایک مرتبہ ان کی ماں مدینہ میں آئیں اور ان سے روپیہ مانگا، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ''وہ مشرک ہیں، کیا ایسی حالت میں ان کی مدد کر سکتی ہوں؟'' ارشاد ہوا: ''ہاں! اپنی ماں کے ساتھ صلۂ رحمی کرو۔''[6]

---

[1] بخاری، رقم: ۵۲۲۴ [2] مسند، رقم: ۲۶۹۷۰ [3] بخاری: باب هبة الواحد للجماعة
[4] طبقات، رقم: ۴۱۹۰ [5] مسند، رقم: ۲۶۹۸۴ [6] بخاری، رقم: ۲۶۲۰

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کئی حج کیے، پہلا حج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا[۱] اس میں جو کچھ دیکھا تھا ان کو بالکل یاد تھا، چنانچہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب حج کے لیے آئیں اور مزدلفہ میں ٹھہریں تو رات کو نماز پڑھی پھر اپنے غلام سے پوچھا: ''چاند چھپ گیا؟'' اُس نے کہا: نہیں! جب چاند ڈوب گیا، بولیں کہ ''اب رمی کے لیے چلو۔'' رمی کے بعد پھر واپس آئیں اور صبح کی نماز پڑھی، اُس نے کہا آپ نے بڑی عجلت کی فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ نشینوں کو اسکی اجازت دی ہے۔[۲] جب کبھی حجون سے گزرتیں کہتیں کہ ''ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہاں ٹھہرے تھے، اس وقت ہمارے پاس بہت کم سامان تھا، ہم نے اور عائشہ رضی اللہ عنہا اور زبیر رضی اللہ عنہ نے عمرہ کیا تھا اور طواف کر کے حلال ہوئے تھے۔''[۳]

نہایت بہادر تھیں، اخلاقی جرأت کے چند واقعات اوپر گزر چکے ہیں۔ سعید بن عاص کے زمانۂ حکومت میں جب اسلام میں فتنہ پیدا ہوا اور بدامنی شروع ہوگئی تو انہوں نے ایک خنجر رکھا تھا لوگوں نے پوچھا: اس کا کیا فائدہ ہے؟ بولیں: ''اگر کوئی چور آئے گا تو اس سے اس کا پیٹ چاک کروں گی۔''[۴]

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے تقدّس کا عام چرچا تھا لوگ ان سے دعا کراتے تھے۔ جب کوئی عورت بخار میں مبتلا ہوتی اور دعا کے لیے آتی تو اس کے سینہ پر پانی چھڑکتیں اور کہتیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔[۵] (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ بخار آتشِ جہنّم کی گرمی سے ہے اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو[۶]) گھر کا کوئی آدمی بیمار ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جبّہ (جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وفات کے وقت ان کے سپرد کیا تھا) دھوتی اور اس کا پانی پلاتی تھیں اس سے بیمار کو شفاء ہو جاتی تھی۔[۷]

---

[۱] مسند، رقم: ۲۶۹۱۶ — [۲] بخاری، رقم: ۱۶۷۹
[۳] بخاری، رقم: ۱۷۹۶ — [۴] طبقات، رقم: ۴۱۹۰
[۵] بخاری، رقم: ۵۸۲۴ — [۶] حوالہ سابقہ — [۷] مسند، رقم: ۲۶۹۴۲

(۱۶)

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا

نام ونسب: فاطمہ نام، سلسلۂ نسب یہ ہے: فاطمہ بنت قیس بن خالد اکبر بن وہب بن ثعلبہ بن وائلہ بن عمرو بن شیبان بن محارب بن فہر۔ والدہ کا نام امیمہ بنت ربیعہ تھا، اور بنی کنانہ سے تھیں۔

نکاح: ابوعمرو بن حفص بن مغیرہ سے نکاح ہوا۔

اسلام: اسلام کے ابتدائی دور میں ایمان لائیں اور ہجرت کی۔

عام حالات: ۱۰ ہجری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک لشکر لے کر یمن گئے تھے، ابوعمرو بھی ان کے ساتھ تھے، چلتے وقت عیّاش بن ابی ربیعہ کی معرفت اپنی بیوی کو آخری طلاق (دو طلاق پہلے دے چکے تھے) اور ۵، ۵ صاع جو اور خرمے بھیجے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کھانے اور مکان کا مطالبہ کیا تو عیّاش نے کہا کہ جو کچھ دیا گیا محض احسان ہے ورنہ ہمارے ذمہ یہ بھی ضروری نہیں، اس جواب پر فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غصّہ آیا اور اپنے کپڑے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئیں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ وغیرہ بھی پہنچے، آپ نے دریافت کیا کہ انہوں نے تم کو کتنے مرتبہ طلاق دی؟ بولیں: تین مرتبہ۔ فرمایا: ''اب تم کو نفقہ نہیں مل سکتا[1]۔'' تم اُمّ شریک کے ہاں عدّت کے دن پورے کرو لیکن چونکہ اُمّ شریک کے اعزّہ و اقارب ان کے مکان میں آتے جاتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''ابن امّ مکتوم نابینا اور تمہارے ابنِ عمّ ہیں، اس لیے بہتر ہے کہ تم ان کے ہاں رہو۔'' عدّت کا زمانہ پورا ہوا تو ہر طرف سے پیغام آئے۔ امیر

[1] عدّت کے اندر عورت کا کھانا کپڑا اسی مرد کے ذمہ ہے جس نے طلاق دی ہے۔ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی اس روایت کے متعلق بڑی بحث ہے جس کے ذکر کا یہاں موقع نہیں ہے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ، ابوجہم اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے بھی پیغام دیا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے دو شخصوں کا پیغام اس لیے مسترد کردیا کہ اوّل الذکر مفلس اور دوسرے تُند مزاج تھے پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تم اسامہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کرلو۔ چونکہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خیال تھا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنی زوجیت کا شرف عطا فرمائیں گے اس لیے انکار کیا، ارشاد ہوا: "خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو، اس میں تمہارے لیے بھلائی ہے۔" یہ سن کر فاطمہ رضی اللہ عنہا مجبور ہوئیں اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کرلیا، کہتی ہیں کہ پھر میں قابلِ رشک بن گئی۔[1]

۲۳ ہجری میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انتقال کیا تو مجلسِ شوریٰ کا اجلاس فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی کے مکان میں ہوتا تھا۔[2]

۵۴ ہجری میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا تو فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سخت صدمہ ہوا، دوسری شادی نہیں کی اور اپنے بھائی ضحاک رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہیں۔ جب یزید نے اپنے عہد حکومت میں ان کو عراق کا گورنر مقرّر کیا تو فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی ان کے ساتھ کوفہ چلی آئیں اور یہیں سکونت اختیار کی۔

وفات: وفات کا سال معلوم نہیں، حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے زمانۂ خلافت تک زندہ رہیں۔[3]

حلیہ: خوب صورت تھیں۔[4]

فضل وکمال: اسد الغابہ میں ہے:

لَهَا عَقْلٌ وَ كَمَالٌ.[5]

"وہ نہایت عاقل اور صاحب کمال تھیں"

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی عبداللہ بن عمرو بن عثمان کو منسوب تھیں، انہوں نے ان کو تین طلاقیں دیں، فاطمہ رضی اللہ عنہا ان کی خالہ ہوتی تھیں کہلا بھیجا کہ میرے گھر چلی آؤ مروان

---

[1] مسلم، رقم: ۳۶۹۷ [2] اصابہ، رقم: ۱۱۶۰۸ [3] مسلم، رقم: ۳۷۱۵

[4] اصابہ، رقم: ۱۱۶۰۸ [5] رقم: ۷۱۹۳

نے قبیصہ کو بھیجا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے سبب دریافت کرو، قبیصہ نے آکر کہا کہ آپ ایک عورت کو ایام عدّت گزرنے سے قبل کیوں گھر سے نکالتی ہیں؟ بولیں: اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یہی حکم دیا تھا۔ اس کے بعد اپنا واقعہ بیان کیا اور اس کی قرآن مجید سے تائید پیش کی، قرآن مجید میں ہے:

اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَاتُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ.[1]

''جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کو عدّت کے وقت تک طلاق دو اور عدّت کو شمار کرو اور خدا سے ڈرو اور ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ نکلیں مگر یہ کہ کھلی ہوئی بے حیائی کی مرتکب ہوں۔''

یہ مراجعہ کی صورت تھی اس کے بعد ہے:

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ.[2]

''پس جب میعاد کو پہنچ جائیں تو انکو اچھی طرح روکے رکھو یا اچھی طرح جدا کردو۔''

اس بنا پر تین مرتبہ کے بعد پھر کسی صورت کا احتمال نہیں ہے، اس کے بعد فرمایا کہ چونکہ تمہارے نزدیک عورت جب تک حاملہ نہ ہو اس کا نفقہ نہ دینا چاہیے اس لیے اس کو روک رکھنا بالکل بیکار ہے (جب مروان کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اس گفتگو کی اطلاع ہوئی تو کہا کہ یہ ایک عورت کی بات ہے اور ان مطلقہ خاتون کو حکم دیا کہ اپنے گھر واپس آئیں، چنانچہ وہ واپس آئیں اور وہیں عدّت گزاری)۔[3]

فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند حدیثیں روایت کی ہیں، جو متعدّد اشخاص کے ذریعہ سے مروی ہیں ان میں سے چند نام یہ ہیں:

قاسم بن محمد، ابوبکر بن ابی الجہم، ابوسلمہ، سعید بن مسیّب، عروہ، عبداللہ بن عبداللہ، اسود، سلیمان بن یسار، عبداللہ البہی، محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان، شعبی، عبدالرحمٰن بن عاصم، تمیم رحمۃ اللہ علیہم۔

---

[1] سورۂ طلاق:۱ [2] سورۂ طلاق:۲ [3] مسند، رقم:۲۷۳۳۹

اخلاق: عادات و اخلاق نہایت شریفانہ تھے، شعبی جوان کے شاگرد تھے ملنے کو آئے تو انہوں نے چھوہارے کھلائے اور ستو پلایا۔[1]

(۱۷)

حضرت شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب: شفاء نام، قبیلہ قریش کے خاندان عدی سے ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: شفاء بنت عبداللہ بن عبدشمس بن خلف بن صدّاد بن عبداللہ بن قُرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی۔ والدہ کا نام فاطمہ بنت ابی وہب بن عمرو بن عائذ بن عمر بن مخزوم تھا۔

نکاح: ابوحثمہ بن حذیفہ عدوی سے نکاح ہوا۔

اسلام: ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں۔[2]

عام حالات: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو بہت محبّت تھی، آپ کبھی ان کے گھر تشریف لے جاتے تو آرام فرماتے تھے، انہوں نے آپ کے لیے علیحدہ بچھونا اور ایک تہبند رکھ چھوڑی تھی چونکہ ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ جذب ہوتا تھا یہ بڑی متبرک چیزیں تھیں۔ حضرت شفاء رضی اللہ عنہا کے بعد ان کی اولاد نے ان تبرکات کو نہایت احتیاط سے محفوظ رکھا لیکن مروان نے ان سے یہ سب چیزیں لے لیں۔[3]
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک مکان بھی عنایت فرمایا تھا اور وہ اپنے بیٹے کے ساتھ اسی میں سکونت پذیر تھیں۔[4]
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ان کے ساتھ خاص رعایتیں کیں۔ چنانچہ اصابہ میں ہے:

---

[1] مسلم، رقم: ۳۷۰۷
[2] اصابہ، رقم: ۱۱۳۷۹
[3] اسد الغابہ، رقم: ۷۰۴۵
[4] اصابہ، رقم: ۱۱۳۷۹

كَانَ عُمَرُ يُقَدِّمُهَا فِي الرَّأْيِ وَيَرْعَاهَا وَيُفَضِّلُهَا وَرُبَّمَا وَلَّاهَا شَيْئًا مِنْ أَمْرِ السُّوقِ.[1]

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو رائے میں مقدم رکھتے ان کی فضیلت کی رعایت کرتے اور ان کو بازار کا اہتمام سپرد کرتے تھے۔"

وفات: وفات کا سن معلوم نہیں۔

اولاد: اولاد میں دو کا پتہ چلتا ہے، سلیمان اور ایک لڑکی جو شرحبیل بن حسنہ کو منسوب تھی۔

فضل وکمال: جاہلیت میں دو چیزوں میں مشہور تھیں: (۱) جھاڑ پھونک اور (۲) لکھنا۔ جھاڑ پھونک کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے استفسار کیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی اور فرمایا تھا کہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو بھی سکھا دو، لکھنے کے متعلق بھی یہی ارشاد ہوا تھا۔ چیونٹی کے کاٹے میں یہ منتر پڑھتی تھیں:

بِسْمِ اللّٰهِ صَلُّوْ صَلُبَ جَبِرٍ تَعَوُّذًا مِنْ أَفْوَاهِهَا فَلَا تَضُرَّ أَحَدًا اَللّٰهُمَّ اكْشِفِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ.[2]

حضرت شفاء رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں جن کی تعداد صاحب خلاصہ کے نزدیک بارہ ہے، راویوں میں ان کے بیٹے اور دو پوتے ابوبکر و عثمان اور ابوسلمہ، حضرت حفصہ، ابواسحٰق رحمۃ اللہ علیہم شامل ہیں۔

اخلاق: اسد الغابہ میں ہے:

كَانَتْ مِنْ عُقَلَاءِ النِّسَاءِ وَفُضَلَائِهِنَّ.[3]

"یعنی وہ بڑی عاقلہ اور فاضلہ تھیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ان کو بلا کر ایک چادر عنایت کی اور عاتکہ بنت اسید کو ان سے بہتر چادر دی تو بولیں: تمہارے ہاتھ غبار آلود ہوں، ان کو مجھ سے بہتر چادر دی حالانکہ میں ان

---

[1] اصابہ، رقم: ۱۱۳۷۹　[2] اسد الغابہ، رقم: ۷۰۴۵　[3] حوالہ سابقہ

سے پہلے مسلمان ہوئی اور تمہاری بنتِ عمّ بھی ہوں، اس کے علاوہ تم نے مجھ کو طلب کیا تھا اور یہ خود چلی آئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں تمہیں عمدہ چادر دیتا، لیکن جب یہ آگئیں تو مجھے ان کی رعایت کرنی پڑی کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسباً قریب تر ہیں۔[1]

(۱۸)

حضرت زینب بنت ابی معاویہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب: زینب نام، رائطہ عرف، قبیلہ ثقیف سے تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: زینب بنت عبداللہ ابی معاویہ بن معاویہ بن عتّاب بن اسعد بن غاضرہ بن حُطیط بن جُشم بن ثقیف۔

نکاح: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا، چونکہ ان کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا اور زینب رضی اللہ عنہا دستکار تھیں، اس لیے اپنے شوہر اور اولاد کی خود کفیل ہوئیں۔ ایک دن کہنے لگیں کہ تم نے اور تمہاری اولاد نے مجھ کو صدقہ وخیرات سے روک رکھا ہے، جو کچھ کماتی ہوں تم کو کھلا دیتی ہوں، بھلا اس میں میرا کیا فائدہ؟ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: تم اپنے فائدہ کی صورت نکال لو، مجھ کو تمہارا نقصان منظور نہیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں اور عرض کی کہ میں دست کار ہوں اور جو کچھ اس سے پیدا کرتی ہوں شوہر اور بال بچوں پر صرف ہو جاتا ہے کیونکہ میرے شوہر کا کوئی ذریعۂ معاش نہیں ہے اس بنا پر میں محتاجوں کو صدقہ نہیں دے سکتی، اس حالت میں کیا مجھ کو کچھ ثواب ملتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! تم کو ان کی خبر گیری کرنا چاہیے۔[2]

عام حالات: حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے حالات بہت کم معلوم ہیں، سالِ وفات کا بھی یہی حال ہے۔

اولاد: ابوعبیدہ رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے زمانہ کے مشہور محدّث گزرے ہیں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نورِ

---

[1] اسد الغابہ، رقم: ۷۰۸۵ [2] مسلم، رقم: ۲۳۱۸

نظر تھے۔

فضل و کمال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے چند حدیثیں روایت کیں، راویوں میں حسب ذیل اصحاب ہیں: ابوعبیدہ، عمرو بن حارث بن ابی ضرار، بسر بن سعید، عبید بن سباق، کلثوم، محمد بن عمرو بن حارث رحمۃ اللہ علیہم۔

اخلاق: بارگاہِ نبوّت میں ان کو مخصوص درجہ حاصل تھا۔ اکثر آپ کے مکان میں آتی جاتی تھیں۔ ایک دن وہ آپ کے سر کی جوئیں دیکھ رہی تھیں، مہاجرین کی اور عورتیں بھی بیٹھی ہوئی تھیں، ایک مسئلہ پیش ہوا تو انہوں نے اپنے کام چھوڑ کر بولنا شروع کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم آنکھ سے نہیں بولتی ہو، کام بھی کرو اور گفتگو بھی۔[1]

(۱۹)

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا

نام و نسب: اسماء نام، اُمّ سلمہ کنیت۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: اسماء بنت یزید بن السکن بن رافع بن امریٔ القیس بن زید بن عبدالاشہل بن جُشم بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔

اسلام: ہجرت کے بعد مسلمان ہوئیں اور چند عورتوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت کے لیے آئیں۔ آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجمع میں تشریف فرما تھے، انہوں نے عرض کی کہ مسلمان عورتوں کی طرف سے ایک پیغام لے کر آئی ہوں۔ خدا نے آپ کو مرد اور عورت سب کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے، ہم نے آپ کی پیروی کی ہے اور آپ پر ایمان لائیں ہیں لیکن ہماری حالت مردوں سے بالکل جداگانہ ہے، ہم پردہ نشین ہیں اس لیے جمعہ اور جماعت

---

[1] مسند، رقم: ۲۷۰۵۰

میں شریک نہیں ہوسکتیں اور مرد جمعہ و جماعت میں شریک ہوتے ہیں، مریضوں کی عیادت کرتے ہیں، نماز جنازہ پڑھتے ہیں، حج کو جاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جہاد کرتے ہیں، لیکن ان تمام صورتوں میں ہم گھر میں بیٹھ کر ان کی اولاد کو پالتے ہیں، گھروں کی حفاظت کرتے ہیں، کپڑوں کے لیے چرخہ کاتتے ہیں، تو کیا اس صورت میں ہم کو بھی کچھ ثواب ملے گا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ "تم نے کسی عورت سے ایسی گفتگو بھی سنی ہے؟" لوگوں نے کہا: نہیں! آپ نے اسماء رضی اللہ عنہا کو جواب دیا کہ "عورت کے لیے شوہر کی رضا جوئی نہایت ضروری چیز ہے، اگر وہ فرائضِ زوجیت ادا کرتی ہے اور شوہر کی مرضی پر چلتی ہے تو مرد کو جس قدر ثواب ملتا ہے، عورت کو بھی اسی قدر ملتا ہے۔[1]

جامع ترمذی، ابن سعد اور مسند ابن حنبل میں اس بیعت کا کسی قدر تذکرہ آیا ہے۔ مسند میں ہے کہ اس بیعت میں اسماء رضی اللہ عنہا کی خالہ بھی شریک تھیں جو سونے کے کنگن اور انگوٹھیاں پہنے تھیں، آپ نے فرمایا: "ان کی زکوٰۃ دیتی ہو؟" بولیں: نہیں، تو فرمایا: "تو کیا تم کو یہ پسند ہے کہ خدا آگ کے کنگن اور انگوٹھیاں پہنائے؟" حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: خالہ! ان کو اُتار دو۔ چنانچہ فوراً تمام چیزیں اُتار کر پھینک دیں۔ اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: "یا رسول اللہ! ہم زیور نہ پہنیں گے تو شوہر بے وقعت سمجھے گا۔" ارشاد ہوا: "تو پھر چاندی کے زیور بنواؤ اور ان پر زعفران مل لو کہ سونے کی چمک پیدا ہو جائے۔"

غرض ان باتوں کے بعد جب بیعت کا وقت آیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زبانی چند اقرار کرائے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: "یا رسول اللہ! ہم آپ سے بیعت کرتے ہیں"، اپنا ہاتھ بڑھائیے فرمایا: "میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔"

بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ کنگن کا واقعہ خود حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا تھا۔[2]

عام حالات: ا ہجری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی اور وہ اپنے میکہ سے کاشانۂ نبوت میں آئیں تو جن عورتوں نے ان کو سنوارا تھا ان میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بھی داخل تھیں۔

---

[1] اسد الغابہ، رقم: ۶۷۱۸ [2] مسند، رقم: ۲۷۵۷۲

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جلوے میں بٹھا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کی، آپ ان کے پاس آ کر بیٹھ گئے، کسی نے دودھ پیش کیا تو تھوڑا سا پی کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا ان کو شرم معلوم ہوئی اور سر جھکا لیا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ڈانٹا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دیتے ہیں، لے لو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دودھ لے کر کسی قدر پی لیا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو دیا انہوں نے پیالہ کو گھٹنے پر رکھ کر گردش دینا شروع کیا کہ جس طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمایا تھا وہاں بھی منہ لگ جائے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اور عورتوں کو بھی دو، لیکن سب نے جواب دیا کہ ہم کو اس وقت خواہش نہیں ہے، ارشاد ہوا: ''بھوک کے ساتھ جھوٹ بھی[1]؟''

۱۵ ہجری میں یرموک کا واقعہ پیش آیا اس میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنے خیمہ کی چوب سے ۹ رومیوں کو قتل کیا۔[2]

وفات: یرموک کے بعد مدّت تک زندہ رہیں اور پھر وفات پائی، وفات کا سال معلوم نہیں ہے۔

فضل و کمال: حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند حدیثیں روایت کی ہیں، جن کے راوی اصحابِ ذیل ہیں: محمود بن عمرو انصاری، مہاجرین ابی مسلم، شہر بن حوشب، مجاہد، اسحٰق بن راشد رحمۃ اللہ علیہم لیکن ان میں سب سے زیادہ شہر بن حوشب نے روایتیں کی ہیں۔

اخلاق: استیعاب میں ہے:

كَانَتْ مِنْ ذَوَاتِ الْعَقْلِ وَالدِّيْنِ.[3]

''یعنی وہ عقل اور دین دونوں سے متصف تھیں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ ناقہ غضباء کی مُہار تھامے تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی، ان کا بیان ہے کہ وحی کا اتنا بار تھا کہ مجھے خوف ہوا کہ کہیں اونٹنی کے ہاتھ پاؤں نہ ٹوٹ جائیں۔[4] حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اکثر اوقات کاشانۂ نبوّت میں حاضر

---

[1] مسند، رقم: ۲۷۵۹۱ [2] اصابہ، رقم: ۱۰۸۱۶ [3] استیعاب، رقم: ۳۲۶۷ [4] مسند، رقم: ۲۷۵۷۵

ہوتیں ایک مرتبہ بیٹھی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجّال کا ذکر فرمایا، گھر میں کہرام مچ گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ واپس آئے تو وہی حالت قائم تھا، فرمایا: کیوں روتی ہو؟ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: ''ہماری حالت یہ ہے کہ لونڈی آٹا گوندھنے بیٹھتی ہے، ہم کو سخت بھوک ہوتی ہے، وہ پکا کر فارغ نہیں ہوتی کہ ہم بھوک سے بیتاب ہوجاتے ہیں، پھر دجّال کے زمانہ میں جو قحط پڑے گا اس پر کیوں کر صبر کرسکیں گے؟ یعنی فوراً اس کے دام میں پھنس جائیں گے۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس دن تسبیح وتکبیر بھوک سے بچائے گی، پھر کہا: رونے کی ضرورت نہیں اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو میں خود سینہ سپر ہوں گا، ورنہ میرے بعد خدا ہر مسلمان کی حفاظت کرے گا۔[1]''

مہمان نواز تھیں۔ ایک بار حضرت شہر بن حوشب رضی اللہ عنہ آئے تو انہوں نے ان کے سامنے کھانا رکھا، حضرت شہر بن حوشب نے انکار کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ بیان کیا جس سے یہ اشارہ مقصود تھا کہ انکار کرنا مناسب نہیں، انہوں نے کہا: اب دوبارہ ایسی غلطی نہ کروں گا۔[2]

(۲۰)

حضرت اُمّ الدّرداء رضی اللہ عنہا

نام ونسب: اُمّ الدّرداء دو تھیں اور دونوں حضرت ابو الدّرداء رضی اللہ عنہ کے عقدِ نکاح میں آئیں، لیکن جو بڑی تھیں وہ صحابیہ ہیں۔ امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین کے قول کے مطابق ان کا نام خیرہ تھا اور ابو حدرد اسلمی کی صاحب زادی تھیں۔

وفات: حضرت ابو الدّرداء رضی اللہ عنہ سے دو سال قبل شام میں وفات پائی، یہ خلافتِ عثمانی کا زمانہ تھا۔

---

[1] مسند، رقم: ۲۷۵۶۸　[2] مسند، رقم: ۲۷۵۹۱

فضل وکمال: حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:

كَانَتْ مِنْ فُضَلَاءِ النِّسَاءِ وَعُقَلَائِهِنَّ وَذَوَاتِ الرَّأيِ مِنْهُنَّ.[1]

''وہ بڑی عاقلہ اور فاضلہ اور صاحب الرائے تھیں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں، ان کے شاگرد میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کی سماعت پر جمہور کا اتفاق ہے۔ حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے بعض اور راویوں کے نام بھی لکھے ہیں لیکن یہ سخت غلطی ہے کیوں کہ ان میں سے کسی نے اُمّ الدرداء رضی اللہ عنہا کا زمانہ نہیں پایا۔[2]

اخلاق: نہایت عابدہ اور زاہدہ تھیں۔

(۲۱)

حضرت اُمّ حکیم رضی اللہ عنہا

نام ونسب: قریش کے خاندان مخزوم سے تھیں۔ باپ کا نام حارث بن ہشام بن المغیرہ اور ماں کا نام فاطمہ بنت الولید تھا، فاطمہ حضرت خالد بن ولید کی ہمشیرہ تھیں۔

نکاح: عکرمہ بن ابی جہل سے (جو اُن کے ابن عمّ تھے) شادی ہوئی۔

عام حالات: غزوۂ اُحد میں کفّار کے ساتھ شریک تھیں۔ لیکن جب ۸ ہجری میں مکّہ فتح ہوا تو پھر اسلام سے چارہ نہ تھا، ان کا خسر (ابوجہل) مکّہ میں اسلام کا سب سے بڑا دشمن اور کفر کا سرغنہ رہ چکا تھا، شوہر عکرمہ کی رگوں میں بھی اسی کا خون دوڑتا تھا۔ ماموں (خالد) بھی مدّت سے اسلام سے برسرِ پیکار رہ چکے تھے۔ لیکن بایں ہمہ اُمّ حکیم رضی اللہ عنہا نے اپنی فطری سلامت روی کی بنا پر فتح مکّہ میں اسلام قبول کرنے میں بہت عجلت کی۔ ان کے شوہر جان بچا کر یمن بھاگ گئے تھے، اُمّ حکیم رضی اللہ عنہا نے ان کے لیے امن کی درخواست کی تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا

---

[1] استیعاب، رقم: ۳۵۸۴ [2] اصابہ، رقم: ۱۱۱۴۳

دامنِ عفو نہایت کشادہ تھا، غرض یمن جا کر ان کو واپس لائیں اور عکرمہ نے صدقِ دل سے اسلام قبول کیا۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے مسلمان ہو کر اپنے تمام گناہوں کا کفارہ ادا کیا، نہایت جوش سے غزوات میں شرکت کی اور بڑی پامردی اور جاں بازی سے لڑے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں رومیوں سے جنگ چھڑی، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اُمّ حکیم رضی اللہ عنہا کو لے کر شام گئے اور اجنادین کے معرکہ میں دادِ شجاعت دے کر شہادت حاصل کی۔ حضرت اُمّ حکیم رضی اللہ عنہا نے عدّت کے بعد خالد بن سعید بن العاص سے نکاح کیا، ۴۰۰ سو دینار مہر بندھا اور رسم عروسی ادا کرنے کی تیاریاں ہوئیں، چونکہ نکاح مرج الصفر میں ہوا تھا جو دمشق کے قریب ہے اور ہر وقت رومیوں کے حملہ کا اندیشہ تھا۔ حضرت اُمّ حکیم رضی اللہ عنہا نے خالد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ابھی توقف کرو، لیکن خالد نے کہا کہ مجھے اسی معرکہ میں اپنی شہادت کا یقین ہے۔ غرض ایک پُل کے پاس جو اب قنطرۂ اُمّ حکیم رضی اللہ عنہا کہلاتا ہے، رسم عروسی ادا ہوئی۔ دعوت ولیمہ سے لوگ فارغ نہیں ہوئے تھے کہ رومی آ پہنچے اور لڑائی شروع ہوگئی، خالد میدان جنگ میں گئے اور شہادت حاصل کی۔ حضرت اُمّ حکیم رضی اللہ عنہا اگرچہ عروس تھیں، تاہم اُٹھیں کپڑوں کو باندھا اور خیمہ کی چوب اُکھاڑ کر کفّار پر حملہ کیا۔ لوگوں کا بیان ہے کہ انہوں نے اس چوب سے سات کافروں کو قتل کیا تھا۔[1]

وفات: حضرت اُمّ حکیم رضی اللہ عنہا کی وفات کا زمانہ معلوم نہیں، اولاد کا بھی یہی حال ہے۔

(۲۲)

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا

نام ونسب: تماضر نام، خنساء لقب، قبیلہ قیس کے خاندانِ سُلیم سے ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: خنساء بنت عمرو بن الشرید بن رباح بن ثعلبہ بن عُصَیَّہ بن خفاف بن امرئ القیس بن بُہثہ بن

---

[1] اصابہ، رقم: ۱۱۹۸۴

سُلیم بن منصور بن عکرمہ بن حفصہ بن قیس بن عیلان بن مضر، نجد کی رہنے والی تھیں۔

نکاح: پہلا نکاح قبیلۂ سُلیم کے ایک شخص رواحہ بن عبدالعزّیٰ سے ہوا، اس کے انتقال کے بعد مرداس بن ابی عامر کے عقدِ نکاح میں آئیں۔[1]

اسلام: پیری کا زمانہ تھا کہ مکّہ کے اُفق سے ماہتابِ رسالت طلوع ہوا۔ حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کو خبر ہوئی تو اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ مدینہ میں آئیں اور مشرّف باسلام ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک ان کے اشعار سنتے اور تعجب کرتے رہے، یہ ہجرت کے بعد کا واقعہ ہے۔[2]

عام حالات: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جب قادسیہ (عراق) میں جنگ ہوئی تو حضرت خنساء رضی اللہ عنہا اپنے چار بیٹوں کو لے کر میدان میں آئیں اور انکو مخاطب کر کے یہ نصیحت کی: ''پیارے بیٹو! تم نے اسلام اور ہجرت اپنی مرضی سے اختیار کی ہے ورنہ تم اپنے ملک کو بھاری نہ تھے، اور نہ تمہارے یہاں قحط پڑا تھا باوجود اسکے تم اپنی بوڑھی ماں کو یہاں لائے اور فارس کے آگے ڈال دیا۔ خدا کی قسم! تم ایک ماں اور باپ کی اولاد ہو، میں نے نہ تمہارے باپ سے خیانت کی اور نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا، تم جانتے ہو کہ دنیا فانی ہے اور کفّار سے جہاد کرنے میں بڑا ثواب ہے، خدا تعالیٰ فرماتا ہے: یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا[3] اس بنا پر صبح اُٹھ کر لڑنے کی تیاری کرو اور آخر وقت تک لڑو۔ چنانچہ بیٹوں نے ایک ساتھ باگیں اُٹھائیں اور نہایت جوش میں رجز پڑھتے ہوئے بڑھے اور شہید ہوئے، حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کو خبر ہوئی تو خدا کا شکر ادا کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان لڑکوں کو ۲۰۰ درہم سالانہ وظیفہ عطا کرتے تھے، ان کی شہادت کے بعد یہ رقم حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کو ملتی رہی۔[4]

وفات: اس واقعہ کے دس برس کے بعد حضرت خنساء رضی اللہ عنہا نے وفات پائی، سالِ وفات

---

[1] الشعر والشعراء: تذکرہ خنساء بنت عمرو رضی اللہ عنہا [2] اصابہ، رقم: ۱۱۱۱۲ [3] سورۂ آل عمران: ۲۰۰

[4] اسد الغابہ، رقم: ۶۸۸۳

۲۴ ہجری ہے۔

اولاد: چار لڑکے تھے جو قادسیہ میں شہید ہوئے ان کے نام یہ ہیں: ''عبداللہ، ابو شجرہ (پہلے شوہر سے) زید، معاویہ (دوسرے شوہر سے) رضی اللہ عنہم۔''

فضل و کمال: اقسام سخن میں سے مرثیہ میں حضرت خنساء رضی اللہ عنہا اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں۔ صاحب ''اصابہ'' لکھتے ہیں:

اَجْمَعَ اَهْلُ الْعِلْمِ بِالشِّعْرِ اَنَّهُ لَمْ تَكُنْ اِمْرَاَةٌ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا اَشْعَرَ مِنْهَا۔[1]

''ناقدانِ سخن کا فیصلہ ہے کہ خنساء رضی اللہ عنہا کے برابر کوئی عورت شاعر نہیں پیدا ہوئی۔''

لیلائے اخیلیہ کو شعراء نے تمام شاعر عورتوں کا سرتاج تسلیم کیا ہے، تاہم اس میں بھی حضرت خنساء رضی اللہ عنہا مستثنیٰ رکھی گئی ہیں۔ بازار عکاظ میں جو شعرائے عرب کا سب سے بڑا مرکز تھا، حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ ان کے خیمے کے دروازے پر ایک علم نصب ہوتا تھا۔ جس پر یہ الفاظ لکھے تھے ''ارثی العرب'' یعنی عرب میں سب سے بڑی مرثیہ گو۔ نابغہ جو اپنے زمانہ کا سب سے بڑا شاعر تھا، اس کو حضرت خنساء رضی اللہ عنہا نے اپنا کلام سنایا تو بولا کہ اگر میں ابو بصیر (اعشیٰ) کا کلام نہ سن لیتا تو تجھ کو تمام عالم میں سب سے بڑا شاعر تسلیم کرتا۔[2]''

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا ابتداءً ایک دو شعر کہتی تھیں لیکن صخر کے مرنے سے ان کو جو صدمہ پہنچا، اس نے ان کی طبیعت میں ایک ہیجان پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ کثرت سے مرثیے لکھے ہیں، یہ شعر خاص طور پر مشہور ہیں:

وَاِنَّ صَخْراً لَتَأْتَمُّ الْهُدَاةُ بِهِ
كَاَنَّهُ عَلَمٌ فِیْ رَاْسِهِ نَارٌ

''صخر کی بڑے بڑے لوگ اقتدا کرتے ہیں گویا وہ ایک پہاڑ ہے جس کی چوٹی پر آگ روشن ہے۔[3]''

---

[1] اصابہ، رقم ۱۱۱۱۲　[2] الشعر والشعراء: تذکرہ خنساء رضی اللہ عنہا　[3] حوالہ سابقہ

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کا دیوان بہت ضخیم ہے، ۱۸۸۸ء میں بیروت میں مع شرح کے چھاپا گیا ہے اس میں حضرت خنساء کے ساتھ ۶۰ عورتوں کے اور بھی مرثیے شامل ہیں، ۱۸۸۹ء میں اس کا فرنچ زبان میں ترجمہ ہوا اور دوبارہ طبع کیا گیا۔

(۲۳)

حضرت اُمّ حرام رضی اللہ عنہا

نام ونسب: نام معلوم نہیں، اُمّ حرام کنیت تھی، قبیلہ خزرج کے خاندان بنونجّار سے تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: اُمّ حرام بنت ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن جُندب بن عامر بن غنم بن عدی بن مالک بن نجّار۔ والدہ کا نام ملیکہ تھا جو مالک بن عدی بن زید بن منات بن عدی بن عمرو بن مالک بن نجار کی دختر تھیں۔ اس بنا پر اُمّ حرام رضی اللہ عنہا حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا کی بہن اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خالہ ہوتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ان کا یہی رشتہ تھا۔

نکاح: عمرو بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ لیکن جب انہوں نے اُحد میں شہادت پائی تو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے عقدِ نکاح میں آئیں جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے۔[1]

عام حالات اور وفات: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی قبا کی طرف تشریف لے جاتے تو حضرت اُمّ حرام رضی اللہ عنہا کے گھر آتے اور کھانا نوش فرماتے تھے۔[2] حجۃ الوداع کے بعد ایک روز آپ تشریف لائے اور کھانا کھا کر آرام فرمایا تو حضرت اُمّ حرام رضی اللہ عنہا نے جوئیں دیکھنا شروع کیا، آپ کو نیند آگئی لیکن تھوڑی دیر کے بعد مسکراتے ہوئے اُٹھے اور فرمایا: میں نے ایک خواب دیکھا ہے اور وہ یہ کہ ''میری اُمّت کے کچھ لوگ سمندر میں غزوہ کے ارادہ سے سوار ہیں۔'' حضرت اُمّ حرام رضی اللہ عنہا نے کہا: ''یارسول اللہ! دعا کیجیے کہ میں بھی ان میں شامل ہوں۔'' آپ نے دعا کی اور پھر آرام فرمایا، کچھ دیر کے بعد پھر مسکراتے ہوئے اُٹھے اور اسی

---

[1] تہذیب التہذیب، رقم: ۱۲۱۷۸ [2] اصابہ، رقم: ۱۱۹۷۱

خواب کا اعادہ کیا، حضرت اُمّ حرام رضی اللہ عنہا نے پھر اپنی شرکت کے لیے دعا کی درخواست کی، فرمایا: "تم پہلی جماعت کے ساتھ ہو" اس خواب کی تعبیر ۲۸ ہجری میں پوری ہوئی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کے حاکم تھے، انہوں نے متعدد بار جزائر پر حملہ کرنے کی خواہش ظاہر کی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت نہیں دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں انہوں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو اجازت ملی، انہوں نے جزیرہ قبرس (سائپرس) پر حملہ کرنے کیلئے ایک بیڑا تیار کیا۔ اس حملہ میں بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم شریک تھے: حضرت ابوذر، حضرت ابوالدّرداء، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت اُمّ حرام رضی اللہ عنہم بھی ان ہی میں داخل تھیں[۱] بیڑا حمص کے ساحل سے روانہ ہوا اور قُبرس فتح ہوگیا، واپسی میں حضرت اُمّ حرام رضی اللہ عنہا سواری پر چڑھ رہی تھیں کہ نیچے گریں اور جاں بحق تسلیم ہوئی، لوگوں نے ان کو وہیں دفن کر دیا[۲]

اولاد: حضرت اُمّ حرام رضی اللہ عنہا سے تین لڑکے پیدا ہوئے، پہلے شوہر سے قیس اور عبداللہ، حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے محمد۔

فضل و کمال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند حدیثیں روایت کیں۔ راویوں میں حضرت عبادہ، حضرت انس رضی اللہ عنہما، عمرو بن اسود، عطاء بن یسار اور یعلی بن شداد بن اوس رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔

(۲۴)

حضرت اُمّ ورقہ بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب: نام معلوم نہیں، اُمّ ورقہ کنیت اور انصار کے کسی قبیلہ سے تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: اُمّ ورقہ بنت عبداللہ بن حارث بن عُوَیمر بن نوفل۔

اسلام: ہجرت کے بعد مسلمان ہوئیں۔

---

[۱] اسد الغابہ، رقم: ۷۴۱۱ [۲] اصابہ، رقم: ۱۱۹۷۱

غزوات: غزوۂ بدر پیش آیا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے شرکت کی اجازت مانگی کہ مریضوں کی تیمارداری کروں گی، ممکن ہے کہ اس سلسلہ میں شہادت نصیب ہو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''تم گھر میں رہو، خدا تم کو وہیں شہادت عطا فرمائے گا۔''

شہادت: چونکہ قرآن پڑھی ہوئی تھیں اور آنحضرت ﷺ نے ان کو عورتوں کا امام بنایا تھا، اس لیے درخواست کی کہ ایک مؤذن بھی مقرر فرمایئے، چنانچہ مؤذن اذان دیتا اور عورتوں کی امامت کرتی تھیں[1] راتوں کو قرآن پڑھا کرتیں، انہوں نے ایک لونڈی اور ایک غلام کو مدبّر بنایا یعنی اس شرط پر آزادی کا وعدہ کیا تھا کہ میرے بعد تم آزاد ہو، ان بدبختوں نے اس وعدے سے ناجائز فائدہ اُٹھانا چاہا، اور رات کو ایک چادر ڈال کر ان کا کام تمام کر دیا یہ خلافتِ فاروقی کا واقعہ ہے۔ صبح کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے پوچھا: ''آج خالہ کے پڑھنے کی آواز نہیں آئی، معلوم نہیں کیسی ہیں؟'' مکان میں گئے تو دیکھا کہ ایک چادر میں لپٹی پڑی ہوئی ہیں، نہایت افسوس ہوا اور فرمایا خدا اور رسول ﷺ نے سچ کہا تھا آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''شہیدہ کے گھر چلو۔'' اس کے بعد منبر پر چڑھے اور کہا غلام اور لونڈی دونوں گرفتار کیے جائیں، چنانچہ وہ گرفتار ہو کر آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو سولی پر لٹکا دیا۔ یہ دونوں وہ پہلے مجرم ہیں جن کو مدینہ منورہ میں سولی دی گئی۔[2]

(۲۵)

حضرت ہند رضی اللہ عنہا

نام ونسب: ہند نام، قبیلہ قریش سے تھیں، سلسلۂ نسب یہ ہے: ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ ہند کا باپ قریش کا سب سے معزز رئیس تھا۔

نکاح: فاکہ بن مغیرہ مخزومی سے نکاح ہوا لیکن پھر کسی وجہ سے جھگڑا ہو گیا تو ابو سفیان بن حرب

---

[1] عورتوں کی امامت کے متعلق دیباچہ پر ایک نوٹ ہے وہ ملاحظہ فرمائیں۔ [2] اصابہ، رقم: ۱۲۲۹۸

کے عقد میں آئیں جو قبیلہ امیہ کے مشہور سردار تھے۔

عام حالات: عتبہ، ابوسفیان اور ہند تینوں کو اسلام سے سخت عداوت تھی اور وہ اسلام کی غیر معمولی ترقی کو نہایت رشک سے دیکھتے تھے اور حتی الامکان اس کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتے تھے۔ ابوجہل ان سب کا سردار تھا لیکن جب بدر کے معرکہ میں جو اسلام اور کفر کا پہلا معرکہ تھا، قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے اور ابوجہل اور عتبہ وغیرہ بھی قتل ہوگئے تو ابوسفیان بن حرب نے جو عتبہ کے داماد تھے، اس کی جگہ لی اور ابوجہل کی طرح مکّہ میں ان کی سیادت مسلّم ہوگئی۔ چنانچہ بدر کے بعد سے جس قدر معرکے پیش آئے ابوسفیان سب میں پیش پیش تھے۔ غزوۂ اُحد ان ہی کے جوشِ انتقام کا نتیجہ تھا، اس موقع پر ان کے ساتھ ان کی بیوی ہند بھی آئی تھیں، جنہوں نے اپنے باپ کے انتقام میں سنگ دلی اور خون خواری کا ایسا خطرناک منظر پیش کیا جس کے تخیّل سے بھی جسم لرز اُٹھتا ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے، انہوں نے عتبہ کو قتل کیا تھا، ہند ان کی فکر میں تھیں۔ چنانچہ انہوں نے وحشی کو جو جبیر بن مطعم کے غلام اور حربہ اندازی میں کمال رکھتے تھے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل پر آمادہ کیا تھا (یہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے قبل از اسلام کا واقعہ ہے) اور یہ اقرار ہوا کہ اس کارگذاری کے صلہ میں وہ آزاد کردیئے جائیں گے۔ چنانچہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جب ان کے برابر آئے تو وحشی نے حربہ پھینک کر مارا جو ناف میں لگا اور پار ہوگیا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ان پر حملہ کرنا چاہا لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے اور روح پرواز کرگئی۔

خاتونِ قریش نے انتقام بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا تھا، انکے ناک کان کاٹ لیے، ہند نے ان کا پھولوں کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر گئیں اور انکا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبا گئیں لیکن گلے سے نہ اتر سکا۔ اسلیے اُگل دینا پڑا (حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ہند رضی اللہ عنہا کے یہ سب واقعات اسلام قبول کرنے سے پہلے کے ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فعل سے جس قدر صدمہ ہوا تھا، اسکا کون اندازہ کرسکتا ہے؟ لیکن ایک اور چیز تھی جو ایسے نازک موقعوں پر بھی جبینِ رحمت کو شکن آلود نہیں ہونے دیتی تھی۔

اسلام: چنانچہ جب مکّہ فتح ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے بیعت لینے کے لیے بیٹھے تو مستورات میں ہند بھی آئیں۔ شریف عورتیں عموماً نقاب پہنتی تھیں ہند رضی اللہ عنہا بھی نقاب پہن کر آئیں، جس سے اس وقت یہ غرض بھی تھی کہ کوئی ان کو پہچاننے نہ پائے۔ بیعت کے وقت انہوں نے نہایت دلیری سے باتیں کیں جو حسب ذیل ہیں:

ہند: یارسول اللہ! آپ ہم سے کن باتوں کا اقرار لیتے ہیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔

ہند: یہ اقرار آپ نے مردوں سے تو نہیں لیا۔ لیکن بہر حال ہم کو منظور ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: چوری نہ کرنا۔

ہند: میں اپنے شوہر کے مال میں سے کبھی کچھ لے لیا کرتی ہوں۔ معلوم نہیں یہ جائز بھی ہے یا نہیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اولاد کو قتل نہ کرنا۔

ہند: رَبَّیْنَاهُمْ صِغَارًا وَقَتَلْتَهُمْ کِبَاراً فَاَنْتَ وَهُمْ اَعْلَمَ.
ہم نے تو اپنے بچوں کو پالا تھا بڑے ہوئے تو جنگِ بدر میں آپ نے ان کو مار ڈالا اب آپ اور وہ باہم سمجھ لیں گے۔

(اس دیدہ دلیری کے باوجود) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہند سے درگزر فرمایا۔ ہند کے قلب پر اس کا بہت اثر ہوا اور ان کے دل نے اندر سے گواہی دی کہ آپ سچے پیغمبر ہیں۔ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! اس سے پہلے آپ کے خیمہ سے زیادہ میرے نزدیک کوئی مبغوض خیمہ نہ تھا، لیکن اب آپ کے خیمہ سے زیادہ کوئی محبوب خیمہ میرے نزدیک نہیں ہے۔[1]

حضرت ہند رضی اللہ عنہا مسلمان ہو کر گھر گئیں تو اب وہ ہند نہ تھیں، ابن سعد نے لکھا ہے کہ انہوں نے گھر جا کر بت توڑ ڈالا اور کہا کہ ہم تیری طرف سے دھوکے میں تھے۔[2]

اسد الغابہ میں ان کے حسنِ اسلام کے متعلق لکھا ہے کہ

اَسْلَمَتْ یَوْمَ الْفَتْحِ وَحَسُنَ اِسْلَامُهَا.[3]

---

[1] صحیح بخاری، رقم: ۳۸۲۵ [2] اصابہ، رقم: ۱۱۶۰ [3] رقم: ۷۳۵۰

"فتحِ مکّہ کے دن مسلمان ہوئیں اور اچھے اسلام پر رہیں۔"

غزوات: فتحِ مکّہ کے بعد اگرچہ اسلام کو اعلانیہ غلبہ حاصل ہوگیا تھا اور اس لیے عورتوں کو غزوات میں شریک ہونے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی، تاہم جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں روم و فارس کی مہم پیش آئی تو بعض مقامات میں اس شدّت کا رن پڑا کہ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی تیغ و خنجر سے کام لینا پڑا۔ چنانچہ شام کی لڑائیوں میں جنگِ یرموک ایک یادگار جنگ تھی، اس میں حضرت ہند رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ دونوں نے شرکت کی اور فوج میں رومیوں کے مقابلہ کا جوش پیدا کیا۔

وفات: حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں انتقال کیا، اسی دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ رضی اللہ عنہ نے بھی وفات پائی تھی۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ ان کی وفات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نہیں بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی، کتاب الامثال سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ اس میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے وفات پائی (ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں وفات پائی تھی) تو کسی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھ سے ہند رضی اللہ عنہا کا نکاح کردو، انہوں نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ اب ان کو نکاح کرنے کی ضرورت نہیں۔[1]

اولاد: اولاد میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ زیادہ مشہور ہیں۔

اخلاق: حضرت ہند رضی اللہ عنہا میں وہ تمام اوصاف موجود تھے جو ایک عرب عورت کے مابہ الامتیاز ہوسکتے ہیں۔ صاحب اسد الغابہ نے لکھا ہے:

كَانَتْ اِمْرَاَةً لَهَا نَفْسٌ وَانَفَةٌ وَرَأْيٌ وَّعَقْلٌ.[2]

"ان میں عزّتِ نفس، غیرت، رائے تدبیر اور دانش مندی پائی جاتی تھی۔"

---

[1] اصابہ، رقم: ۱۱۸۶۰ [2] رقم: ۷۳۵۰

فیاض تھیں، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ ان کو ان کے صلہ کے مطابق خرچ نہیں دیتے تھے، اسلام لانے کے وقت جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عہد لیا کہ چوری نہ کریں تو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! ابوسفیان رضی اللہ عنہ مجھے پورا خرچ نہیں دیتے اگر ان سے چھپا کرلوں تو جائز ہے؟ آپ نے اجازت دی۔[1]

(۲۶)

حضرت اُمّ کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب اور اسلام: اُمّ کلثوم کنیت۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: اُمّ کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط بن ابی عمرو بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ والدہ کا نام اروی بنت کریز تھا۔ اس بنا پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا اخیافی بھائی بہن ہیں۔ اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا کا باپ عقبہ بن ابی معیط قبیلہ امیہ کا ایک ممتاز شخص تھا، اس کو اسلام سے سخت عداوت تھی لیکن خدا کی قدرت دیکھو! اس نے اس ظلمتِ کدہ میں ایمان کا چراغ روشن کیا یعنی اس کی صاحبزادی حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا مشرف بہ اسلام ہوئیں۔

ہجرت: ۷ ہجری میں صلحِ حدیبیہ کے بعد حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ خزاعہ کے ایک شخص کے ہمراہ مکّہ سے پاپیادہ روانہ ہوئیں، چونکہ بھاگ کر نکلی تھیں اس لیے ان کے بھائی پیچھے سے آئے، مدینہ پہنچیں تو دوسرے دن وہ بھی پہنچ گئے۔ حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا نے فریاد کی کہ مجھ کو اپنے ایمان کا خوف ہے، میں عورت ہوں اور عورتیں کمزور ہوتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح نامہ میں یہ شرط کی تھی کہ قریش کا کوئی آدمی مدینہ آئے گا تو واپس کردیا جائے گا اس لیے آپ کو فکر نہ ہوئی لیکن چونکہ اس میں عورتیں داخل نہ تھیں اس لیے ان کے متعلق خاص یہ آیت اُتری:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ

---

[1] صحیح بخاری، رقم: ۲۲۱۱

اَعْلَمُ بِاِیْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَی الْكُفَّارِ.[1]

''مسلمانو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو جانچ لو خدا ان کے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے اب اگر تم کو معلوم ہو کہ وہ مسلمان ہیں تو ان کو کافروں کے ہاں واپس نہ بھیجو۔''

اور آپ نے اس کے مطابق حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔

نکاح: حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا اب تک کنواری تھیں، اس لیے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے جو کہ بڑے رتبہ کے صحابی تھے اُن کا نکاح کیا گیا لیکن جب زید نے غزوۂ موتہ میں شہادت پائی تو حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے عقدِ نکاح میں آئیں۔ لیکن انہوں نے طلاق دے دی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا اور ان کی وفات کے بعد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے نکاح پڑھایا اور یہ آخری نکاح تھا۔

وفات: ایک مہینہ کے بعد وفات پائی اس زمانہ میں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ والیٔ مصر تھے۔

اولاد: حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا کے حضرت زید اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے کوئی اولاد نہیں پیدا ہوئی، لیکن حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے زینب، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے ابراہیم، حمید، محمد اور اسماعیل رحمۃ اللہ علیہم پیدا ہوئے۔

فضل وکمال: حمید اور ابراہیم رحمۃ اللہ علیہما نے ان سے کچھ حدیثیں روایت کی ہیں۔

(۲۷)

حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب: زینب نام، قبیلہ مخزوم سے ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: زینب بنت ابی سلمہ عبداللہ

[1] سورۃ الممتحنۃ: ۱۰

بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم۔ حبشہ میں حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئیں اور ان ہی کے ساتھ کچھ زمانہ کے بعد مدینہ کو ہجرت کی حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے دودھ پلایا۔[1] پہلے برّہ نام تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب نام رکھا۔[2]

عام حالات: ۴ ہجری میں ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقدِ نکاح میں آئیں اس وقت زینب شیر خوار تھیں۔ والدہ ماجدہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آغوشِ تربیت میں آئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے محبّت تھی پیروں پر چلنے لگیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتیں۔ آپ غسل فرماتے تو ان کے منہ پر پانی چھڑکتے تھے، لوگوں کا بیان ہے کہ اس کی یہ برکت تھی کہ بڑھاپے تک ان کے چہرے پر شباب کا آب ورنگ باقی رہا۔

حضرت عبداللہ بن زمعہ بن اسود اسدی رضی اللہ عنہ سے شادی ہوئی، دولڑکے پیدا ہوئے، جن میں ایک کا نام ابوعبیدہ تھا، ۶۳ ہجری میں حرّہ کی لڑائی میں دونوں کام آئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے سامنے ان کی لاشیں لاکر رکھی گئیں۔ انہوں نے اِنَّا لِلّٰہ پڑھا اور کہا کہ ''مجھ پر بہت بڑی مصیبت پڑی، ایک تو میدان میں لڑ کر قتل ہوا، لیکن دوسرا تو خانہ نشین تھا لوگوں نے اس کو گھر میں گھس کر مارا۔''

وفات: بیٹوں کے قتل کے بعد دس برس زندہ رہیں اور ۷۳ ہجری میں انتقال فرمایا، یہ طارق کی حکومت کا زمانہ تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جنازہ میں تشریف لائے۔[3]

فضل وکمال: حضرت زینب فضل وکمال میں شہرۂ آفاق تھیں اور اس وصف میں کوئی عورت ان سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتی تھی، اسد الغابہ میں ہے:

كَانَتْ مِنْ اَفْقَهِ نِسَاءِ زَمَانِهَا۔[4]

''وہ اپنے عصر کی فقیہ عورت تھیں۔''

---

[1] اصابہ، رقم: ۱۱۲۴۱ [2] مسلم، رقم: ۵۶۰۸ [3] تہذیب، رقم: ۸۴۳۶ [4] رقم: ۶۹۶۶

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ حدیثیں روایت کیں۔ آپ کے علاوہ حضرت اُمّ سلمہ، حضرت عائشہ، حضرت اُمّ حبیبہ اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہن سے بھی چند حدیثیں سنیں۔ جن لوگوں نے ان سے روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں:

امام زین العابدین، ابوعبیدہ، محمد بن عمرو بن عطاء، عراک بن مالک، حمید بن نافع، عروہ، ابوسلمہ، کلیب بن وائل، ابو قِلابہ جَرمی رحمۃ اللہ علیہم۔

(۲۸)

حضرت اُمّ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب: امیمہ نام تھا، باپ کا نام صُبَیح یا صُفَیح بن حارث تھا۔

اسلام: اگرچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جواُنکے صاحب زادے تھے، مسلمان ہوچکے تھے تاہم وہ مشرکہ تھیں، ایک روز انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو سخت ناگوار ہوا، روتے ہوئے خدمتِ اقدس میں پہنچے اور کہا: ''حضور! آپ میری ماں کے مسلمان ہونے کے لیے دعا فرمائیے۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی، اُدھر ان کی حالت میں دفعۃً انقلاب پیدا ہوگیا، غسل کر کے کپڑے بدلے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے سامنے کلمہ پڑھا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرطِ مسّرت سے آب دیدہ ہوگئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا شکر ادا کیا۔[1]

وفات: وفات کی تاریخ معلوم نہیں۔

اولاد: اولاد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ زیادہ مشہور ہیں۔

---

[1] مسلم، رقم: ۶۳۹۶

(۲۹)

حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا

نام ونسب: خولہ نام، اُمّ شریک کنیت، قبیلہ سُلیم سے تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ ہوتی ہیں۔نسب نامہ یہ ہے: خولہ بنت حکیم بن امیہ بن حارثہ بن الاوقص بن مُرّہ بن ہلال بن فالج بن ذکوان بن ثعلبہ بن بُہثہ بن سُلیم۔[۱]

نکاح: حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے، نکاح ہوا۔

عام حالات: مسلمان ہوکر مدینہ کو ہجرت کی، ۲ ہجری میں غزوۂ بدر کے بعد حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو خولہ نے دوسرا نکاح نہیں کیا، اکثر پریشان رہتی تھیں، صحیح بخاری میں روایت آئی ہے کہ انہوں نے اپنے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تھا۔[۲]

فضل وکمال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ۱۵ حدیثیں روایت کیں، راویانِ حدیث میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سعید بن مسیّب، بشر بن سعید اور عروہ اور ربیع بن مالک رحمۃ اللہ علیہم داخل ہیں۔

اخلاق: اسد الغابہ میں ہے:

كَانَتْ اِمْرَاَةً صَالِحَةً.[۳]

''وہ ایک نیک بی بی تھیں۔''

مسند میں ہے:

تَصُوْمُ النَّهَارَ وَتَقُوْمُ اللَّيْلَ.

''وہ دن کو روزہ رکھتی اور رات کو عبادت کرتی تھیں۔''

ابتداءً زیور کا بڑا شوق تھا، چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اگر طائف فتح ہوتو

[۱] اسد الغابہ، رقم: ۶۸۸۸ [۲] بخاری، رقم: ۵۱۱۳ [۳] رقم: ۶۸۸۸

آپ مجھ کو فلاں عورت کا زیور دے دیجیے گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر خدا اس کی اجازت نہ دے تو پھر میں کیا کر سکتا ہوں؟ [1]

(۳۰)

حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا

نام ونسب: حمنہ نام، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ ہیں۔ سلسلۂ نسب اوپر گزر چکا ہے۔

نکاح: حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا۔

اسلام: اور ان ہی کے ساتھ دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں۔

عام حالات: مدینہ کی ہجرت کا شرف حاصل کیا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کی عورتوں سے بیعت لی تو اس میں یہ بھی شامل ہوئیں۔ مسند ابن حنبل اور ابن سعد وغیرہ نے اکثر عورتوں کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ کَانَتْ مِنَ الْمُبَایِعَاتِ ان سے یہی بیعت مراد ہے، چنانچہ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کے حالات میں بھی اس کا ذکر کر آئے ہیں۔
غزوات میں سے اُحد میں نمایاں شرکت کی، وہ پانی پلاتیں اور زخمیوں کا علاج کرتی تھیں، ان کے علاوہ اور عورتیں بھی یہ خدمت انجام دے رہی تھیں، چنانچہ رفیدہ اور اُمِّ کبشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کی نسبت بھی اسی قسم کی تصریحات موجود ہیں۔
اس واقعہ میں حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی، جن کے بعد انہوں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے جو کہ عشرہ مبشّرہ میں سے تھے، نکاح کیا۔
افک کے واقعہ میں منافقین کے ساتھ غلطی سے جو مسلمان شریک ہو گئے تھے، ان میں حضرت حسّان رضی اللہ عنہ اور حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے:

[1] اصابہ، رقم: ۱۱۱۱۹

وَطَفِقَتْ اُخْتُهَا حَمْنَةُ تُحَارِبُ لَهَا فَهَلَكَتْ فِيمَنْ هَلَكَ مِنْ اَصْحَابِ الْاِفْكِ۔[1]

''حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بہن حمنہ برابر میرے خلاف رہیں یہاں تک کہ اور اصحابِ اِفک کی طرح برباد ہوئیں۔''

فتح الباری میں ہے کہ حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا کے شریک ہونے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں سے گرا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا (اپنی بہن) کو بلند کریں۔[2] لیکن تعجب ہے کہ خود حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اس موقع سے فائدہ نہیں اُٹھایا، چنانچہ اس کا تذکرہ ان کے حالات میں آچکا ہے۔

وفات: وفات کا سنہ صحیح طور پر معلوم نہیں، اتنا علم ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات تک زندہ تھیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ۲۰ ہجری میں وفات پائی ہے۔

اولاد: حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا کے دولڑکے پیدا ہوئے محمد اور عمران۔ محمد کو سجاد کے لقب سے شہرت تھی۔

تَمَّتْ بِالْخَيْرِ

سیر الصحابیات ختم ہوئی آگے اسوۂ صحابیات شروع ہوتی ہے۔

---

[1] بخاری، رقم: ۴۷۵۰ [2] فتح الباری، تحت رقم: ۴۷۵۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ.

دیباچہ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ.

عورتوں کی تعلیم وتربیت کے مسئلہ سے اصولاً کسی کو اختلاف نہیں ہے، گفتگو جو کچھ ہے یہ ہے کہ موجود دور کی تعلیم وتربیت سے متمتّع ہو کر ایک مسلمان عورت مذہب، اخلاق اور معاشرت کے قدیم اصول کو قائم رکھ سکے گی یا نہیں؟ یا دوسرے الفاظ میں قدیم اسلامی روایات کا تحفّظ کر سکے گی یا نہیں؟ جن لوگوں کو مسئلہ تعلیم نسواں سے اختلاف ہے وہ اسی شبہ کو اپنی دلیل قرار دیتے ہیں اور موجودہ دور کے تعلیم یافتہ مردوں نے جو مذہبی اخلاقی اور معاشرتی نمونے قائم کیے ہیں ان سے بھی اس شبہ کی تائید ہوتی ہے اور غیر قوموں کی تعلیم یافتہ عورتوں نے بھی ہماری خواتین کے لیے کوئی عمدہ نمونہ نہیں قائم کیا ہے۔ لیکن اسلام کی قدیم تاریخ ہمارے سامنے مسلمان عورت کا بہترین اور اصلی نمونہ پیش کرتی ہے اور آج جب کہ زمانہ بدل رہا ہے، یورپین تمدّن اور یورپین طرزِ معاشرت سے ہمارے جدید تعلیم یافتہ لوگ بھی بیزاری ظاہر کر رہے ہیں۔ اگر ہماری عورتوں کے سامنے اسلام کی ممتاز اور برگزیدہ خواتین کا نمونہ پیش کر دیا جائے تو ان کی فطرتی لچک ان سے بھی زیادہ متاثر ہو سکے گی اور موجودہ دور کے مؤثرات سے بیزار ہو کر خالص اسلامی اخلاق، اسلامی معاشرت اور اسلامی تمدّن کا نمونہ بن جائے گی۔

اسلام کے ہر دور میں اگرچہ عورتوں نے مختلف حیثیتوں سے امتیاز حاصل کیا ہے، لیکن ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن، بناتِ طاہرات رضی اللہ عنہن اور اکابر صحابیات رضی اللہ عنہن ان تمام حیثیات کی جامع ہیں اور ہماری عورتوں کے لیے انہی کے مذہبی، اخلاقی، معاشرتی اور علمی کارنامے اسوۂ حسنہ بن سکتے ہیں اور موجودہ دور کے تمام معاشرتی اور تمدّنی خطرات سے ان کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

میں نے اسوۂ صحابہ کی دونوں جلدوں میں عہدِ صحابہ کے جو مذہبی، اخلاقی، معاشرتی اور علمی واقعات جمع کیے ہیں، ان میں اگرچہ صحابیات کے یہ تمام کارنامے بھی نمایاں طور پر نظر آتے ہیں لیکن ان کی اہمیّت ان کی عظمت اور ان کی اسلامی خدمت کے لحاظ سے میں نے ان واقعات کو جو اس کتاب کی دونوں جلدوں میں متفرق طور پر موجود تھے متعدّد واقعات کے اضافہ کے ساتھ اس مختصر سے رسالے میں الگ جمع کر دیا ہے، جس سے ایک طرف تو یہ فائدہ ہوگا کہ صحابیات رضی اللہ عنہن کی مذہبی، اخلاقی، معاشرتی، اور علمی زندگی ایک مستقل حیثیت اختیار کرے گی، دوسری طرف ہماری عورتوں اور لڑکیوں کے درسِ ہدایت اور مطالعہ کے لیے مستند اور مؤثر واقعات کا ایک مجموعہ مرتّب ہو جائے گا جس پر عمل کر کے وہ خالص اسلامی تعلیمات کا بہترین نمونہ بن جائیں گی اور ان کی تعلیم و تربیت کے متعلق جو شبہات ظاہر کیے جا رہے ہیں، ان کی عملی تردید کر سکیں گی۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ.

عبدالسلام ندوی
شبلی منزل، اعظم گڑھ۔
۱۳ر دسمبر ۱۹۲۲ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ.

قبولِ اسلام

لطافتِ طبع، رقتِ قلب اور اثر پذیری ایک نیک سرشتِ انسان کا اصلی جوہر ہیں اور ان ہی کے ذریعہ سے وہ ہر قسم کی پند و موعظت، تعلیم و تربیت اور ارشاد و ہدایت کو قبول کرسکتا ہے۔ پھولوں کی پنکھڑیاں، نسیم صبح کی خاموش حرکت سے ہل جاتی ہیں لیکن تناور درختوں کو بادِ صَرصَر کے جھونکے بھی نہیں ہلا سکتے۔ شعاعِ نگاہ آئینہ کے اندر سے گزر جاتی ہے لیکن پتھروں پر فولادی تیر بھی نہیں اثر کرتے۔ بعینہٖ یہی حال انسان کا بھی ہے۔ لطیفُ الطّبع اور رقیقُ القلب آدمی ہر دعوتِ حق کو آسانی سے قبول کرلیتا ہے لیکن سنگ دل اور غلیظُ القلب لوگوں پر بڑے بڑے معجزے بھی اثر نہیں کرتے، اس فرقِ مراتب کی جزئی مثالیں ہر جگہ مل سکتی ہیں، لیکن اشاعتِ اسلام کی تاریخ تمام تر اِسی قسم کی مثالوں سے لبریز ہے۔ کفّار میں ہم کو بہت سے اشقیاء کا نام معلوم ہے جنہوں نے ہزاروں کوششوں کے بعد بھی خدائے ذوالجلال کے آگے سر نہیں جھکایا، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سیکڑوں بزرگ ہیں جو توحید کی آواز کے سننے کے ساتھ ہی اسلام کے حلقے میں داخل ہوگئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ صحابیات رضی اللہ عنہن بھی اس فضیلت میں شریک ہیں اور نہ صرف شریک ہیں بلکہ ان سے اَسبق واَقدم ہیں، چنانچہ سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بغیر کسی قسم کی کدوکاوش اور جبر واکراہ کے اسلام قبول کیا اور اسلام قبول کرنے کے ساتھ ہی اپنے خدا کے آگے سر جھکایا، تاریخ ابن خمیس میں حضرت رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم بُعِثۡتُ یَوۡمَ الۡاِثۡنَیۡنِ وَصَلَّتۡ خَدِیۡجَۃُ اٰخِرَ یَوۡمِ الۡاِثۡنَیۡنِ وَصَلّٰی عَلِیٌّ یَوۡمَ الثُّلَاثَاءِ مِنَ الۡغَدِ ثُمَّ زَیۡدُ بۡنُ حَارِثَۃَ ثُمَّ اَبُوۡبَکۡرٍ[1]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں دوشنبہ کے دن مبعوث ہوا اور خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اس

---

[1] ص ۲۸۶

دن کے آخری حصّہ میں نماز پڑھی اور علی رضی اللہ عنہ نے دوسرے دن منگل کو نماز پڑھی، اس کے بعد زید بن حارثہ اور ابوبکر رضی اللہ عنہما شریک نماز ہوئے۔''

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آفتابِ رسالت سے پہلے دن جو شعاع اُفقِ عالم پر چمکی وہ ایک رقیقُ القلب مقدّس خاتون کے سینہ پُرنور سے چھن کر نکلی۔

اعلانِ اسلام: ابتدائے اسلام میں اسلام قبول کرنے سے زیادہ اظہارِ اسلام کے لیے ہمّت، شجاعت اور جسارت کی ضرورت تھی، لیکن باوجود کفّار کی روک ٹوک اور جور و ستم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ صحابیات رضی اللہ عنہن نے بھی نہایت جرأت و بے باکی کے ساتھ اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ چنانچہ ابتدا میں جن سات بزرگوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا تھا، ان میں چھ آدمی یعنی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر، حضرت بلال، حضرت خباب، حضرت صہیب، حضرت عمّار رضی اللہ عنہم مرد تھے اور ساتویں ایک غریب صحابیہ یعنی حضرت عمّار رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت سمیّہ رضی اللہ عنہا تھیں [۱]

صحابیات رضی اللہ عنہن نے اپنی نیک طینتی سے صرف آسانی کے ساتھ اسلام ہی کو قبول نہیں کیا، بلکہ انہوں نے نہایت آسانی کے ساتھ اسلام کی اشاعت بھی کی، چنانچہ صحیح بخاری کتاب التیمّم میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک سفر میں ایک عورت کو پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، اس کے پاس پانی کے مشکیزے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے پانی ہی کی ضرورت سے اس کو پکڑا تھا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا پانی لیا تو اس کی قیمت ادا فرمائی، اس کو آپ کی اس دیانت سے اسی وقت آپ کی نبوّت کا یقین آ گیا اور اس کے اثر سے اس کا تمام قبیلہ بھی مسلمان ہوگیا۔

تحمّلِ شدائد: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ صحابیات رضی اللہ عنہن نے بھی اسلام کے لیے ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کیں اور ان کے ایمان میں ذرّہ برابر بھی تزلزل واقع نہیں ہوا۔

حضرت سمیّہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا تو ان کو کفّار نے طرح طرح کی اذیتیں دینا شروع کیں،

---

[۱] تاریخ ابن خمیس: ص ۲۵۷

سب سے سخت اذیت یہ تھی کہ ان کو مکّہ کی تپتی ریت میں لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کر دیتے تھے، لیکن بااین ہمہ وہ اسلام پر ثابت قدم رہتی تھیں۔ ایک دن کفار نے حسبِ معمول ان کو لوہے کی زِرہ پہنا کر کے دھوپ میں زمین پر لٹا دیا تھا۔ اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا تو فرمایا: ''صبر کرو، تمہارا ٹھکانا جنّت میں ہے۔'' لیکن کفّار کی اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی اور ابوجہل نے ان کی ران میں برچھی مار کر ان کو شہید کر دیا۔ چنانچہ اسلام میں سب سے پہلے شرفِ شہادت ان ہی کو نصیب ہوا۔[۱] اور صحابیات کی یہ سب سے بڑی فضیلت ہے کہ سب سے پہلے ایک صحابیہ نے اسلام قبول کیا اور سب سے پہلے ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے شرفِ شہادت حاصل کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن جب اسلام لائیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسکا حال معلوم ہوا تو اس قدر مارا کہ بدن لہولہان ہو گیا، لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ جو کچھ کرنا ہو کرو میں تو اسلام لا چکی ہوں۔[۲] لبینہ رضی اللہ عنہا کو بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ ''میں نے رحم کی بنا پر نہیں بلکہ تم کو اس وجہ سے چھوڑ دیا کہ تھک گیا ہوں۔'' اسی طرح وہ زنیرہ رضی اللہ عنہا بھی جو ان کے گھرانے کی کنیز تھیں نہایت اذیّت دیتے تھے۔

قطع علائق: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایمان لائے تو ان کے تمام رشتے ناتے منقطع ہو گئے لیکن اس سے ان کی قوت ایمانی میں کوئی تزلزل واقع نہیں ہوا۔ صحابیات کی حالت اس معاملہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی زیادہ نازک تھی، انسان اگرچہ اپنے تمام اعزّہ واقارب کی اعانت کا محتاج ہو جاتا ہے لیکن عورت کی زندگی کا تمام تر دارومدار شوہر کی اعانت و امداد پر ہوتا ہے اور وہ کسی حالت میں بھی اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتی۔ باپ بیٹے سے، بیٹا باپ سے قطع تعلّق کر کے زندگی بسر کر سکتا ہے لیکن عورت شوہر سے جدا ہو کر بالکل بے کس و بے چارہ ہو جاتی ہے۔ لیکن بااین ہمہ صحابیات رضی اللہ عنہن نے اسلام کے لیے اس نازک رشتے کو بھی منقطع کیا اور اپنے کافر شوہروں سے ہمیشہ کے لیے علیحدہ ہو گئیں، چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد جب یہ آیت نازل ہوئی:

۱۔ اسد الغابہ، رقم: ۷۰۲۱ ۲۔ اسد الغابہ، رقم: ۳۷۳۰

وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ.[1]

''کافرہ عورتوں سے تعلق نہ رکھو۔''

تو جس طرح صحابہ کرام نے اپنی کافرہ عورتوں کو طلاق دیدی اسی طرح بہت سی صحابیات رضی اللہ عنہن بھی اپنے کافر شوہروں کو چھوڑ کر ہجرت کر آئیں اور ان میں سے ایک بھی اپنے شوہر کے پاس واپس نہ گئی، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

مَانَعْلَمُ اَحَدًا مِنَ الْمُهَاجِرَاتِ اِرْتَدَّتْ بَعْدَ اِيْمَانِهَا.[2]

''ہم کو کسی ایسی مہاجرہ عورت کا حال معلوم نہیں جو ایمان لا کر پھر مرتد ہوئی ہو۔''

عقائد

توحید: کفّار نے صحابیات رضی اللہ عنہن کو طرح طرح کی اذیتیں دیں، لیکن ان کی زبان سے کلمۂ توحید کے سوا کلمۂ شرک نہیں نکلا، حضرت اُمّ شریک رضی اللہ عنہا ایمان لائیں تو ان کے اعزہ واقارب نے ان کو دھوپ میں لے جا کر کھڑا کر دیا، اس حالت میں جب کہ وہ دھوپ میں جل رہی تھیں، روٹی کے ساتھ شہد جیسی گرم چیز کھلاتے اور پانی نہیں پلاتے تھے۔ جب اس مصیبت میں تین دن گزر گئے تو ظالموں نے کہا کہ ''جس مذہب پر تم ہو اب اس کو چھوڑ دو۔'' وہ اس قدر بدحواس ہوگئی تھیں کہ ان جملوں کا مطلب نہ سمجھ سکیں، اب ان لوگوں نے آسمان کی طرف انگلی اُٹھا کر بتایا تو سمجھیں کہ توحیدِ الٰہی کا انکار مقصود ہے۔ بولیں: ''خدا کی قسم! میں تو اب تک اس پر قائم ہوں۔''[3]

شرک سے علیحدگی: عورتیں قدیم رسم ورواج اور قدیم عقائد کی نہایت پابند ہوتی ہیں اور عرب میں مشرکانہ عقائد ایک مدت سے پھیل کر قلوب میں راسخ ہوگئے تھے۔ لیکن صحابیات رضی اللہ عنہن نے اسلام لانے کے ساتھ ان عقائد کا انکار کیا، عرب کا خیال تھا کہ جو لوگ بتوں کی بُرائی بیان کرتے ہیں وہ مختلف امراض میں مبتلا ہوجاتے ہیں، اس لیے حضرت

---

[1] سورۃ الممتحنۃ: ۱۰ [2] بخاری، رقم: ۲۷۳۳ [3] طبقات ابن سعد، رقم: ۴۱۴۰

زنیرہ رضی اللہ عنہا اسلام لانے کے بعد اندھی ہو گئیں تو کفار نے کہنا شروع کیا: ''ان کو لات اور عزیٰ نے اندھا کر دیا۔'' لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ ''لات وعزیٰ کو اپنے پوجنے والوں کی کیا خبر؟ یہ خدا کی طرف سے ہے۔''[1]

زمانہ جاہلیت میں بچوں کے بچھونے کے نیچے اُسترہ رکھنا: جاہلیت کے زمانہ میں بچوں کے بچھونوں کے نیچے اُسترا رکھ دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس طرح بچے آسیب سے محفوظ رہتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک بار کسی بچے کے سرہانے اُسترا دیکھا تو منع فرمایا اور کہا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹوٹکے کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔''[2]

عرب میں شرک کا اصلی مرکز بت تھے جو گھر گھر میں نصب تھے، لیکن صحابیات رضی اللہ عنہن نے ہر موقع پر ان سے تبرا ظاہر کی۔ چنانچہ حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا جب ایمان لائیں تو گھر میں جو بت نصب تھا اس کو توڑ پھوڑ ڈالا اور کہا کہ ''ہم تیری نسبت بڑے دھوکے میں مبتلا تھے۔''[3]

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے جب حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا سے نکاح کی خواہش کی تو انہوں نے کہا: ''ابوطلحہ! کیا تم کو یہ خبر نہیں کہ جس خدا کو تم پوجتے ہو وہ ایک درخت ہے (یعنی لکڑی کا بت) جو زمین سے اُگا ہے، اس کو فلاں حبشی نے گھڑ کر تیار کیا ہے۔'' بولے: ''مجھے معلوم ہے۔'' بولیں: ''تو کیا تمہیں اس کی عبادت سے شرم نہیں آتی؟'' چنانچہ جب انہوں نے بت پرستی سے توبہ کر کے کلمۂ توحید نہیں پڑھا، انہوں نے ان سے نکاح کرنا پسند نہیں کیا۔[4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت پر ایمان: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کا اعتقاد نہ صرف صحابیات رضی اللہ عنہن کے لوحِ دل پر کالنّقش فی الحجر تھا، بلکہ ان کی چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کے دل میں بھی یہ عقیدہ نہایت شدّت سے راسخ ہو گیا تھا۔ ایک بار آپ نے ایک لڑکی کو بددعا دے دی کہ ''تیرا سن زیادہ نہ ہو۔'' اس نے شدّتِ اعتقاد کی بنا پر اس کا یقین کر لیا اور حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا کے پاس روتی ہوئی آئی اور کہا کہ آپ نے مجھ کو یہ بددعا دی ہے اب میرا سن نہ بڑھے گا، وہ

---

[1] اسد الغابہ، رقم: ۶۹۴۸ [2] الادب المفرد، رقم: ۹۳۸

[3] طبقات ابن سعد، رقم: ۴۱۶۰ [4] اصابہ، رقم: ۱۲۰۷۷

بدحواس آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ آپ نے میری یتیمہ کو یہ بددعا دیدی۔آپ ہنس پڑے اور فرمایا: ''میں بھی آدمی ہوں اور آدمیوں کی طرح خوش اور رنجیدہ ہوتا ہوں۔ پس جس کو میں ایسی بددعا دوں جس کا وہ مستحق نہیں ہے تو یہ اسکے لیے پاکی، تزکیہ اور نیکی ہوگی۔''[۱]

عبادات-ابواب الصلوۃ

پابندیٔ جماعت: اگرچہ عورتوں پر جماعت کی پابندی فرض نہیں ہے اور اس بنا پر بعض غیور صحابہ جماعت میں اپنی عورتوں کی شرکت کو پسند بھی نہیں کرتے تھے، تاہم بعض صحابیات رضی اللہ عنہن پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑتا تھا اور وہ مناسب اوقات میں نماز باجماعت ادا فرماتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بی بی برابر عشاء اور فجر کی نماز میں شریکِ جماعت ہوتی تھیں، ایک بار ان سے لوگوں نے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ عمر اس کو پسند نہیں کرتے، پھر کیوں ایسا کرتی ہو؟ بولیں: ''تو پھر روک کیوں نہیں دیتے۔''[۲]

نمازِ جمعہ: عورتوں پر اگرچہ جمعہ فرض نہیں ہے تاہم صحابیات رضی اللہ عنہن اس دن کی بہت عزّت کرتی تھیں اور اس کی برکتوں میں عمدہ طریقوں سے شریک ہوتی تھیں۔ ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا جو اپنے کھیتوں میں چقندر بو دیا کرتی تھیں، جب جمعہ کا دن آتا تھا تو اس کو پکا کر نمازِ جمعہ کے بعد تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو کھلاتی تھیں۔[۳]

نمازِ اشراق: نمازِ اشراق اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ حضرت اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، تمام عمر میں صرف ایک بار پڑھی تھی، لیکن بعض صحابیات رضی اللہ عنہن نے اس کا التزام کرلیا تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نمازِ اشراق پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن میں خود پڑھتی ہوں، کیونکہ آپ بہت سی چیزوں کو پسند فرماتے تھے لیکن اس پر عمل اس لیے نہیں کرتے تھے کہ اُمّت پر فرض نہ ہو جائے۔[۴]

---

[۱] مسلم، رقم: ۶۶۲۷ [۲] بخاری، رقم: ۹۰۰ [۳] بخاری، رقم: ۹۳۸ [۴] مسلم، رقم: ۱۶۶۲

تہجّد و نمازِ شبانہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تہجّد پڑھتے تھے تو اس میں صحابیات رضی اللہ عنہن بھی شریک ہوتی تھیں، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کو تہجّد کے لیے اپنے اہل و عیال کو جگاتے تھے تو یہ آیت پڑھتے تھے:[۱]

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى. (سورۂ طٰہٰ:۱۳۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رات کے تین حصّے کر دیئے تھے، ایک میں خود، دوسرے میں ان کی بیوی اور تیسرے میں ان کا خادم تہجّد پڑھتا تھا اور ایک دوسرے کو جگاتے تھے۔[۲]

ابواب الزکوٰۃ والصدقات

زیور عورتوں کو سب سے زیادہ محبوب ہوتے ہیں لیکن صحابیات رضی اللہ عنہن کو خدا کی مرضی ان سے بھی زیادہ عزیز تھی۔ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا اپنی لڑکی کو لے کر حاضر ہوئیں، لڑکی کے ہاتھ میں سونے کے موٹے موٹے کنگن تھے۔ آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا: کیا تم اس پر زکوٰۃ دیتی ہو؟ بولیں: نہیں! فرمایا: ''کیا تمہیں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ خدا قیامت کے دن اس کے بدلے اس کے ہاتھ میں آگ کے کنگن پہنائے؟'' انہوں نے یہ سنا تو فوراً کنگن آپ کے سامنے ڈال دیئے کہ یہ خدا اور خدا کے رسول کے ہیں۔[۳]

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ عید میں صدقہ و خیرات کی ترغیب دی، صحابیات رضی اللہ عنہن کا مجمع تھا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ دامن پھیلائے ہوئے تھے اور صحابیات رضی اللہ عنہن اپنے کان کی بالیاں، گلے کے ہار اور انگلیوں کے چھلے تک پھینکتی جاتی تھیں۔[۴] حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس صرف ایک ہی لونڈی تھی، انہوں نے اس کو فروخت کیا اور روپیہ گود میں لے کر بیٹھیں، اسی حالت میں ان کے شوہر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ آئے اور کہا کہ روپیہ مجھے دیدو۔ بولیں: میں نے تو اس کو صدقہ کر دیا۔[۵]

---

۱ موطأ، رقم: ۲۵۸ ۲ بخاری، رقم: ۵۴۴۱ ۳ ابوداؤد، رقم: ۱۵۶۳ ۴ ابوداؤد، رقم: ۱۱۴۳ ۵ مسلم، رقم: ۵۶۹۳

اعزّہ واقارب پر صدقہ کرنا: ایک بار حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بی بی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا کہ تم نادار آدمی ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ، اگر آپ اجازت دیں تو میں جو صدقہ کرنا چاہتی ہوں تمہیں کو دوں۔ لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم ہی جاؤ۔ وہ آئیں اور آستانۂ مبارک پر اسی غرض سے ایک دوسری صحابیہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں، دونوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے پوچھوایا کہ دو عورتیں اپنے شوہروں اور چند یتیموں پر جو ان کی کفالت میں ہیں، صدقہ کرنا چاہتی ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ آپ نے فرمایا: ''اُن کو دو دو ثواب ملیں گے، ایک قرابت کا اور دوسرا صدقہ کا۔[۱]''

ایک بار حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اگر میں ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے لڑکوں پر صدقہ کروں تو مجھ کو ثواب ملے گا؟ میں ان کو چھوڑ نہیں سکتی، کیونکہ وہ میرے لڑکے ہیں۔ آپ نے فرمایا ''ہاں! تمہیں ثواب ملے گا۔''

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ماں کو ایک لونڈی صدقۃً دی تھی، ماں کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی نسبت دریافت کیا، آپ نے فرمایا: ''صدقے کا ثواب تمہیں مل چکا اور اب وہ لونڈی تمہاری وراثت میں داخل ہے۔[۲]''

محتاج کی حسبِ حاجت امداد: صحابیات موت وحیات دونوں حالتوں میں اہلِ حاجت کی اعانت وامداد فرماتی تھیں۔ غزوۂ اُحد میں حضرت صفیّہ رضی اللہ عنہا آئیں اور اپنے بھائی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سیّد الشہداء کے کفن کے لیے دو کپڑے لائیں، لیکن ان کی لاش کے پاس ایک انصاری کی لاش بھی اسی طرح برہنہ نظر آئی، دل میں شرمائیں کہ حمزہ دو کپڑوں میں کفنائے جائیں اور انصاری کے لیے ایک کپڑا بھی نہ ہو، ناپا تو ایک کا قد بڑا نکلا، مجبوراً کپڑے پر قرعہ ڈالا گیا اور جو کپڑا جس کے حصّہ میں پڑا وہ اسی میں کفنایا گیا۔[۳]

---

[۱] بخاری، رقم: ۱۴۶۶ [۲] ابوداؤد، رقم: ۱۶۵۶ [۳] مسند احمد بن حنبل، رقم: ۱۴۱۸

ابواب الصّوم

صائم الدّہر رہنا: آج ہماری عورتیں صومِ مفروضہ میں بھی لیت ولعل کرتی ہیں، لیکن بعض صحابیات صائم الدّہر رہتی تھیں یعنی ہمیشہ روزہ رکھتی تھیں۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار دعائے شہادت کی درخواست کی، لیکن آپ نے سلامتی کی دعا فرمائی۔ آخر میں عرض کی کہ کسی ایسے عمل کی ہدایت فرمائیے کہ خدا مجھے اس سے نفع دے۔ آپ نے روزہ کا حکم دیا اور انہوں نے متّصل روزہ رکھنے کا التزام کرلیا، ان کے ساتھ ان کے خادم اور بی بی نے بھی اس عملِ صالح میں شرکت کی اور روزہ ان کے گھر کی امتیازی علامت ہوگئی، اگر کسی دن ان کے گھر میں دھواں اُٹھتا تو لوگ سمجھتے کہ آج ان کے گھر میں کوئی مہمان آیا ہے ورنہ اس گھر میں دن کا کھانا کیوں کر پک سکتا ہے۔[۱]

نفل روزے رکھنا: بعض صحابیہ رضی اللہ عنہا نفل کے روزے رکھتی تھیں جس سے ان کے شوہر کو تکلیف ہوتی تھی، انہوں نے روکا تو سخت ناگوار ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاکر شکایت کی، لیکن آپ نے حکم دیا کہ عورت شوہر کی اجازت کے بغیر نفل کا روزہ نہیں رکھ سکتی۔[۲]

مُردوں کی جانب سے روزہ رکھنا: صحابیات رضی اللہ عنہن نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ اپنے مُردوں کی جانب سے بھی روزے رکھتی تھیں۔ ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میری ماں کا انتقال ہوگیا ہے اور اس پر روزے فرض تھے، کیا میں ان کو پورا کردوں؟ آپ نے ان کو اجازت دیدی۔[۳]

اعتکاف: صحابیات کو اعتکاف کا اس قدر شوق تھا کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کے لیے خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا خیمہ الگ نصب کروایا، ان کی دیکھا دیکھی تمام ازواجِ مطہّرات رضی اللہ عنہن نے بھی خیمے نصب کروائے۔[۴]

---

[۱] مسند احمد بن حنبل، رقم: ۲۲۱۹۵ [۲] ابوداؤد، رقم: ۲۴۵۸ [۳] بخاری، رقم: ۱۹۵۳ [۴] ابوداود، رقم: ۲۴۶۴

ابواب الحج

حج: فرائض اسلام میں اگرچہ حج صرف ایک بار فرض ہے لیکن صحابیات رضی اللہ عنہن کو ایک بار کے حج سے کیا تسکین ہوسکتی تھی؟ اس لیے تقریباً ہر سال فریضۂ حج ادا کرتی تھیں۔ ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا: ''بہترین جہاد حجِ مبرور ہے۔'' اس کے بعد سے ان کا کوئی سال حج سے خالی نہ گیا۔[1]

صحابیات رضی اللہ عنہن جس ذوق وشوق سے حج ادا کرتی تھیں اس کا مؤثر منظر حجۃ الوداع میں دنیا کو نظر آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ حج کیا تو حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا اگرچہ حاملہ تھیں لیکن وہ بھی روانہ ہوئیں۔

بچے کا حج: بہت سے صحابہ حجۃ الوداع کی شرکت کے لیے جارہے تھے، راستے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو ایک صحابیہ جھپٹ کے آپ کے پاس آئیں اور ہودَج سے اپنے بچے کو نکال کر پوچھا، اس کا حج بھی ہوسکتا ہے؟ فرمایا: ''ہاں! تمھیں اس کا ثواب ملے گا۔''[2]

صحابیات رضی اللہ عنہن فریضۂ حج کے ادا کرنے میں طرح طرح کا التزام مَالَا یلتزِم کرتی تھیں، ایک صحابیہ نے خانۂ کعبہ تک پاپیادہ جانے کی نذر مانی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: ''پاپیادہ بھی چلو اور سوار بھی ہولو۔''[3] اگر کسی مجبوری سے حج کے فوت ہوجانے کا اندیشہ ہوجاتا تو صحابیات کو سخت صدمہ ہوتا تھا۔ حجۃ الوداع میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ضرورت نسوانی سے معذوری ہوگئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا تو دیکھا کہ رورہی ہیں، فرمایا: ''کیا ماجرا ہے؟'' بولیں کہ میں نے اب تک حج نہیں کیا۔ فرمایا: ''سبحان اللہ! یہ تو فطری چیز ہے، تمام مناسکِ حج ادا کرلو صرف خانۂ کعبہ کا طواف نہ کرو۔''[4]

---

[1] بخاری، رقم: ۱۸۶۱ [2] ابوداؤد، رقم: ۱۷۳۶ [3] بخاری: کتاب الحج

[4] ابوداؤد، رقم: ۱۷۸۱

ماں باپ کی طرف سے حج ادا کرنا: صحابیات رضی اللہ عنہن نہ صرف خود بلکہ اپنے ماں باپ کی جانب سے بھی حج ادا کرتی تھیں۔ حجۃ الوداع کے زمانہ میں ایک صحابیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ میرے باپ پر حج فرض ہوگیا ہے لیکن وہ بڑھاپے کی وجہ سے سواری پر بیٹھ نہیں سکتے میں ان کی جانب سے حج ادا کردوں؟ آپ نے ان کو اس کی اجازت دیدی۔[1] ایک صحابیہ کی ماں کا انتقال ہو چکا تھا وہ آپ کی خدمت میں آئیں اور کہا کہ میری ماں نے کبھی حج نہیں کیا، کیا میں ان کی جانب سے یہ فرض ادا کردوں؟ آپ نے ان کو بھی اجازت دیدی۔[2]

عمرہ ادا کرنا: عمرہ فرض ہو یا نہ ہو لیکن صحابیات اس کو نہایت پابندی کے ساتھ ادا کرتی تھیں، اور جب وہ فوت ہوجاتا تھا تو ان کو سخت قلق ہوتا تھا۔ جب حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جن لوگوں کے پاس ہدی (قربانی کا جانور) نہ ہو وہ عمرہ ادا کرسکتے ہیں تو خیمے میں آکر دیکھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رو رہی ہیں، وجہ پوچھی تو بولیں کہ میں ضرورت نسوانی سے مجبور ہوں لیکن لوگ دو دو فرض (حج و عمرہ) کا ثواب لے کر جاتے ہیں اور میں صرف ایک کا۔ فرمایا: ''کوئی حرج نہیں، خدا تم کو عمرہ کا ثواب بھی عطا فرمائیں گے۔'' چنانچہ آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ کردیا اور مقامِ تنعیم میں انہوں نے جا کر عمرہ کا احرام باندھا اور آدھی رات کو فارغ ہو کر آئیں۔[3]

ابواب الجہاد

شوق شہادت: عہدِ نبوّت میں شہادت ایک ابدی زندگی خیال کی جاتی تھی، اس لیے ہر شخص اس آبِ حیات کا پیاسا رہتا تھا۔ حضرت اُمّ ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں، جب غزوۂ بدر پیش آیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے کو شریک جہاد ہونے کی اجازت عطا فرمائی جائے، میں مریضوں کی تیمارداری کروں گی، شاید مجھے بھی درجۂ شہادت

---

[1] بخاری، رقم: ۱۵۱۳ [2] ترمذی، رقم: ۹۲۹ [3] بخاری، رقم: ۱۷۶۲

حاصل ہوجائے۔ آپ نے فرمایا: ''گھر ہی میں رہو، خدا تمہیں اسی میں شہادت دے گا'' یہ معجزانہ پیشین گوئی کیوں کر غلط ہوسکتی تھی۔ انہوں نے دو غلام مدبّر کیے تھے[1] دونوں نے ان کو شہید کردیا کہ جلد آزاد ہوجائیں[2]۔

عمل بالقرآن

صحابیات رضی اللہ عنہن پر قرآن مجید کا شدت سے اثر پڑتا تھا، ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ قرآن مجید کی یہ آیت:

مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا یُّجۡزَ بِہٖ۔[3]

''جو شخص کوئی بھی بُرائی کرے گا اس کو اس کا بدلہ دیا جائے گا۔''

نہایت سخت ہے۔ ارشاد ہوا کہ عائشہ! تم کو خبر نہیں کہ مسلمان کے پاؤں میں اگر ایک کانٹا بھی چبھ جاتا ہے تو وہ اس کے اعمالِ بد کا معاوضہ ہوجاتا ہے۔ بولیں: لیکن خدا تو کہتا ہے:

فَسَوۡفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیۡرًا ۝[4]

''خدا ذرا ذرا سی بُرائی کا بھی حساب لے گا۔''

فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر عمل خدا کی بارگاہ میں پیش ہوگا، عذاب اسی کو دیا جائے گا جس کے حساب میں ردّ و قدح ہوگی۔[5]

اس اثر پذیری کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابیات نہایت سرعت کے ساتھ قرآنِ مجید کے احکام پر عمل کرنے کو تیار ہوجاتی تھیں۔ حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا، اس لیے زمانۂ جاہلیت کے رسم و رواج کے مطابق ان کو حقیقی بیٹے کے حقوق حاصل ہوگئے تھے لیکن جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

اُدۡعُوۡھُمۡ لِاٰبَآئِہِمۡ۔[6]

---

[1] مدبّران غلاموں کو کہتے ہیں جن سے آقا کہہ دیتا ہے کہ وہ ان کی موت کے بعد آزاد ہوجائیں گے اس لیے قدرتی طور پر یہ لوگ آقا کی موت کے متمنی ہوتے ہیں۔ [2] ابوداؤد، رقم: ۵۹۱ [3] سورۂ نساء: ۱۲۳

[4] سورۂ انشقاق: ۸ [5] ابوداؤد، رقم: ۳۰۹۳ [6] سورۂ احزاب: ۵

''ان کو ان کے حقیقی باپوں کا بیٹا کہہ کر پکارو۔''

تو ان کی بیوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ سالم پہلے ہمارے ساتھ گھر میں رہتے تھے اور ان سے کوئی پردہ نہ تھا، اب آپ کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ ''دودھ پلا دو وہ تمہارے رضاعی بیٹے ہو جائیں گے۔''[1]

زمانۂ جاہلیت میں عرب کی عورتیں نہایت بے پروائی کے ساتھ دوپٹہ اوڑھتی تھیں، اس لیے سینہ اور سر وغیرہ کھلا رہتا تھا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ۔[2]

''عورتوں کو چاہیے کہ اپنے دوپٹوں کو اپنے سینوں پر ڈال لیں۔''

اس کا اثر یہ ہوا کہ عورتوں نے اپنے تہہ بند اور متفرق کپڑوں کو پھاڑ کر دوپٹے بنائے اور اپنے آپ کو سیاہ چادروں سے اس طرح ڈھانپ لیا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے قول کے مطابق یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کے سروں کے آشیانے بن گئے ہیں۔[3]

منہیاتِ شرعیہ سے اجتناب

مزامیر سے اجتناب: راگ باجا تو بڑی چیز ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ حال تھا کہ اونٹ کی گھنٹی کی آواز سننا بھی پسند نہیں کرتی تھیں، اگر سامنے سے گھنٹی کی آواز آتی تو ساربان سے کہتیں کہ ٹھہر جاؤ تاکہ یہ آواز سننے میں نہ آئے اور اگر سن لیتیں تو کہتیں کہ تیزی کے ساتھ لے چلو کہ میں اس آواز کو نہ سن سکوں۔[4]

ایک بار ایک لڑکی ان کے گھر میں گھنگھرو پہنے ہوئے داخل ہوئی، گھنگھرو کی آواز سننے کے ساتھ ہی بولیں کہ گھنگھرو پہنے ہوئے وہ میرے پاس نہ آنے پائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس گھر میں اس قسم کی آوازیں آتی ہیں اس میں فرشتے نہیں آتے۔[5]

---

[1] ابوداود، رقم: ۲۰۶۱ [2] سورۂ نور: ۳۱ [3] ابوداود، رقم: ۴۱۰۰، ۴۱۰۱
[4] مسند احمد بن حنبل، رقم: ۲۵۱۸۸ [5] مسند احمد بن حنبل، رقم: ۲۶۰۵۲

مشتبہات سے اجتناب: حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو چیز مشتبہ ہے اس کو چھوڑ کر وہ چیز اختیار کرو جو غیر مشتبہ ہے، حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی لیکن ان کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں۔ پس جو شخص مشتبہ گناہوں کو چھوڑ دے گا وہ کھلے ہوئے گناہوں کا سب سے زیادہ چھوڑنے والا ہوگا اور جو شخص مشتبہ گناہوں کا مرتکب ہوگا بہت ممکن ہے کہ کھلے ہوئے گناہوں کا مرتکب ہو جائے۔ گناہ خدا کی چراگاہ ہے اور جو شخص چراگاہ کے آس پاس چرائے گا ممکن ہے کہ اس کے مویشی اس میں پڑ جائیں۔ صحابیات رضی اللہ عنہن اس حدیث پر نہایت شدت سے عامل تھیں۔ ایک صحابیہ نے اپنی لونڈی کو اپنی ماں پر صدقہ کر دیا تھا، وہ مرگئیں تو اس لونڈی کی حالت مشتبہ ہوگئی، صدقہ کر چکی تھیں اور صدقہ کا مال واپس لینا جائز نہیں، ماں اس کی مالک ہوگئی تھی اور اس کے مرنے کے بعد یہ اس کی وارث ہوگئی تھیں اس لیے وہ ان کو وراثت میں مل سکتی تھی۔ اس اشتباہ کے رفع کرنے کے لیے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا: "تمہیں صدقہ کا ثواب مل چکا اور اب وہ تمہاری وراثت میں آگئی۔"[1]

کافروں کا ہدیہ قبول کرنا: حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی ماں قتیلہ کافرہ تھیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زمانۂ جاہلیت ہی میں ان کو طلاق دیدی تھی ایک بار وہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس متعدّد چیزیں ہدیہ لے کر آئیں، چونکہ یہ کافرہ کا ہدیہ تھا اس لیے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ان کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کروایا، آپ نے اس کو قبول کرنے کی اجازت دیدی۔[2]

---

[1] ابوداؤد، رقم: ۱۶۵۶

[2] طبقات ابن سعد، رقم: ۴۱۹۰

مذہبی زندگی کے مظاہرِ مختلفہ

تسبیح وتہلیل: تسبیح وتہلیل پاک مذہبی زندگی کی مخصوص علامات ہیں اور صحابیات میں یہ علامت پائی جاتی تھی، ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا سامنے کنکری یا گٹھلی رکھ کر تسبیح پڑھ رہی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا کہ اس کی کیا ضرورت ہے؟ میں اس سے آسان ترکیب بتاتا ہوں۔ اس کے بعد ایک دعا بتادی۔[1]

مقاماتِ مقدّسہ کی زیارت: حصولِ برکت کا شوق صحابیات کو مقاماتِ مقدّسہ کی طرف کھینچ لیے جاتا تھا، ایک بار ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں اور یہ نذر مانی کہ اگر خدا شفا دیگا تو بیت المقدّس میں جا کر نماز پڑھوں گی، صحت یاب ہوئیں تو سامانِ سفر کیا اور رخصت ہونے کے لیے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں انہوں نے کہا کہ مسجد نبوی میں نماز پڑھ لو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے۔[2] ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے مسجدِ قبا تک پاپیادہ جانے کی نذر مانی تھی، ابھی نذر پوری کرنے بھی نہیں پائی تھیں کہ انتقال ہوگیا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فتویٰ دیا کہ ان کی صاحب زادی نذر پوری کریں۔[3]

فرائضِ مذہبی ادا کرنے میں جسمانی تکلیفیں اُٹھانا: شوقِ عبادت ہر قسم کی جسمانی تکلیفوں کو آسان کر دیتا ہے اور صحابیات میں یہ شوق موجود تھا، اس لیے وہ ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کرتی تھیں اور فرائضِ اسلام کو بخوشی ادا کرتی تھیں۔ حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں اُن کا معمول تھا کہ برابر مصروفِ نماز رہتی تھیں، جب تھک جاتی تھیں تو ستونِ مسجد میں ایک رسی باندھ رکھی تھی اس سے لٹک جاتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رسی کو دیکھا تو فرمایا: ان کو صرف اسی قدر نماز پڑھنی چاہیے جو ان کی طاقت میں ہو، اگر تھک جائیں تو بیٹھ جانا چاہیے، چنانچہ وہ رسی کھلوا کر پھنکوادی۔[4]

[1] ابوداود، رقم: ۱۵۰۰ [2] مسلم، رقم: ۳۳۸۳ [3] موطأ امام محمد، رقم: ۷۴۲ [4] ابوداود، رقم: ۱۳۱۲

پابندیٔ قسم: ہم لوگ بات بات پر قسم کھایا کرتے ہیں اور ہم کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ یہ کس قدر ذمہ داری کا کام ہے؟ لیکن صحابیات بہت کم قسم کھاتی تھیں اور جس بات پر قسم کھالیتی تھیں اس کو پورا کرتی تھیں۔ ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے ناراض ہوگئیں اور قسم کھالی کہ اب ان سے بات چیت نہ کریں گی لیکن جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے معافی مانگی اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی ان کی سفارش کی تو رو کر کہنے لگیں:

اِنِّي نَذَرْتُ وَالنَّذْرُ شَدِيْدٌ.

''میں نے نذر مان لی ہے اور نذر کا پورا کرنا نہایت سخت ہے۔''

بالآخر اصرار و سفارش سے ان کا قصور معاف کر دیا تو کفارۂ قسم میں چالیس غلام آزاد کیے۔[1]

تبجیل الرسول

برکت اندوزی: صحابیات رضی اللہ عنہن ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے برکت اندوز ہوتی رہتی تھیں، اس لیے جو بچہ پیدا ہوتا صحابیات سب سے پہلے اس کو آپ کی خدمت میں حاضر کرتیں۔ آپ بچے کے سر پر ہاتھ پھیرتے، اپنے منہ میں کھجور ڈال کر اس کے منہ میں ڈالتے اور اس کے لیے برکت کی دعا فرماتے۔

محافظت یادگارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: صحابیات رضی اللہ عنہن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگاروں کو جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آپ کا ایک جبّہ محفوظ تھا، جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اس کو لے لیا اور محفوظ رکھا۔ چنانچہ جب کوئی شخص آپ کے خاندان میں بیمار ہوتا تھا تو شفا حاصل کرنے کے لیے اس کو دھو کر اس کا پانی پلاتی تھیں۔[2]

جن کپڑوں میں آپ کا وصال ہوا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو محفوظ کر رکھا تھا۔ چنانچہ ایک دن انہوں نے ایک صحابی کو ایک یمنی تہبند اور ایک کمبل دکھا کر کہا کہ خدا کی قسم! آپ نے ان ہی کپڑوں میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا تھا۔[3]

---

[1] بخاری، رقم: ۶۰۷۳　[2] مسند احمد بن حنبل، ۲۶۹۴۲　[3] ابوداود، رقم: ۴۰۳۶

ایک بار ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی دعوت کی، آپ نے کھانے کے بعد جس مشکیزہ سے پانی پیا اس کو انہوں نے محفوظ رکھا۔ جب کوئی شخص بیمار ہوتا یا برکت حاصل کرنے کا موقع آتا تو وہ اس سے پانی پیتی اور پلاتی تھیں[1] جب آپ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لاتے تھے تو ان کی والدہ آپ کے پسینے کو نچوڑ کر ایک شیشی میں بھر لیتی تھیں اور اس کو محفوظ رکھتی تھیں۔[2]

غزوۂ خیبر میں آپ نے ایک صحابیہ کو خود دستِ مبارک سے ایک ہار پہنایا تھا وہ اس کی اس قدر قدر کرتی تھیں کہ عمر بھر اس کو گلے سے جدا نہیں کیا اور جب انتقال کرنے لگیں تو وصیّت کی کہ ان کے ساتھ وہ بھی دفن کر دیا جائے۔[3]

ایک دن آپ اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لائے، گھر میں ایک مشکیزہ لٹک رہا تھا، آپ نے اس کا دہانہ اپنے منہ سے لگایا اور پانی پیا، حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا نے مشکیزے کے دہانے کو کاٹ کر اپنے پاس بطور یادگار رکھ لیا۔[4]

آپ حضرت شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا کے یہاں کبھی کبھی قیلولہ فرماتے تھے، اس غرض سے انہوں نے آپ کیلئے ایک بستر اور ایک خاص تہبند بنوالیا تھا جسکو پہن کر آپ اِستراحت فرماتے تھے۔ یہ یادگاریں ایک مدّت تک انکے خاندان میں محفوظ رہیں، اخیر میں مروان نے ان سے لے لیا۔[5]

ادبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم: صحابیات رضی اللہ عنہن آپ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو دربارِ نبوّت کے ادب وعظمت کے لحاظ سے تمام کپڑے زیب تن کر لیتیں۔ ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

جَمَعْتُ عَلَيَّ ثِيَابِيْ..... فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ۔[6]

''میں نے تمام کپڑے پہن لیے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔''

اگر نادانستگی کی حالت میں بھی کوئی کلمہ آپ کی شان کے خلاف منہ سے نکل جاتا تو اس کی معافی چاہتیں۔ ایک صحابیہ کا بچہ مر گیا تھا اور وہ اس پر رو رہی تھیں، آپ کا گزر ہوا تو فرمایا: ''خدا سے ڈرو اور صبر کرو۔'' بولیں: ''تمہیں میری مصیبت کی کیا پروا ہے؟'' آپ چلے گئے

---

[1] طبقات ابن سعد، رقم: ۳۴۲۳ [2] بخاری، رقم: ۶۲۸۱ [3] مسند احمد، رقم: ۲۷۱۳۶
[4] مسند احمد، رقم: ۲۷۱۸۵ [5] اصابہ، رقم: ۱۱۳۷۹ [6] ابوداؤد، رقم: ۲۳۰۶

تو لوگوں نے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ تھے، دوڑی ہوئی آئیں اور عرض کی کہ میں نے حضور ﷺ کو نہیں پہچانا تھا۔[1]

حمایتِ رسول اللہ ﷺ: صحابیات رضی اللہ عنہن اپنے دلوں میں نہایت شدت کے ساتھ آپ کی حمایت کی آرزو رکھتی تھیں۔ حضرت طلیب بن عمیر رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور اپنی ماں اروٰی بنت عبدالمطلب کو اس کی خبر دی تو بولیں کہ ''تم نے جس شخص کی حمایت کی وہ اس کا سب سے زیادہ مستحق تھا، اگر مردوں کی طرح ہم بھی استطاعت رکھتے تو آپ کی حفاظت کرتے اور آپ کی طرف سے لڑتے۔''[2]

خدمتِ رسول اللہ ﷺ: صحابیات رضی اللہ عنہن رسول اللہ ﷺ کی خدمت کو اپنا سب سے بڑا شرف خیال کرتی تھیں۔ حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں، انہوں نے اس استقلال کے ساتھ آپ کی خدمت کی کہ ان کو خادمۂ رسول اللہ ﷺ کا لقب حاصل ہوا۔[3]
سفینہ رضی اللہ عنہ حضرت سلمہ کی والدہ کے غلام تھے، انہوں نے اس کو اس شرط پر آزاد کرنا چاہا کہ وہ اپنی عمر حضور ﷺ کی خدمت گذاری میں صرف کرے اس نے کہا: ''اگر آپ یہ شرط نہ بھی کرتیں تب بھی میں تا نفسِ واپسیں آپ کی خدمت سے علیحدہ نہ ہوتا۔''[4]

ہیبتِ رسول اللہ ﷺ: رسول اللہ ﷺ کی پُرعظمت روحانیت سے صحابیات رضی اللہ عنہن اس قدر مرعوب ہوجاتیں کہ جسم پر رعشہ پڑجاتا تھا۔ ایک بار حضرت قیلہ بنت مخرمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو مسجد میں اکڑو بیٹھے ہوئے دیکھا، ان پر آپ کے اس خشوع خضوع کی حالت کا یہ اثر پڑا کہ کانپ اٹھیں۔[5]

نعتِ رسول اللہ ﷺ: صحابیات رضی اللہ عنہن کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں تک آپ کی مدح میں رطب اللسان رہتی تھیں، آپ جب ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تو لڑکیاں دف بجا بجا کر

---

[1] ابوداؤد، رقم: ۳۱۲۴ [2] اصابہ، رقم: ۱۰۷۹۱ [3] ابوداؤد، رقم: ۳۸۵۸ [4] ابوداؤد، رقم: ۳۹۳۲
[5] شمائل ترمذی: باب ماجاء فی جلسة رسول الله ﷺ

یہ شعر گاتی پھرتی تھیں:

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ یَا حَبَّذَا مُحَمَّدًا مِنْ جَارِ

ہم خاندان بنو نجّار کی لڑکیاں ہیں محمد ﷺ کتنے اچھے پڑوسی ہیں

پردہ نشین عورتیں یہ اشعار پڑھتی تھیں:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ

''ثنیۃ الوداع کی گھاٹیوں سے ہم پر چودھویں رات کا چاند طلوع ہوا ہے۔''

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ

''جب تک دعا کرنے والے دعا کریں، ہم پر خدا کا شکر واجب ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب رخصت ہو کر آئیں تو لڑکیاں دف بجا بجا کر واقعاتِ بدر کے متعلق اشعار گاتی تھیں، ان میں سے ایک نے یہ مصرعہ گایا:

وَفِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ

''ہم میں ایک پیغمبر ہے جو کل کی بات جانتا ہے۔''

تو آپ نے اسے روک دیا اور کہا کہ وہی گاؤ جو پہلے گا رہی تھیں۔[1]

پابندئ احکام رسول اللہ ﷺ: صحابیات رضی اللہ عنہن رسول اللہ ﷺ کے احکام کی نہایت شدّت کے ساتھ پابندی کرتی تھیں۔ آپ نے شوہر کے علاوہ اور اعزّہ کے ماتم کے لیے صرف تین دن مقرّر فرمائے تھے، صحابیات نے اس کی اس شدّت کے ساتھ پابندی کی کہ جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے بھائی کا انتقال ہوا تو چوتھے دن کچھ عورتیں ان سے ملنے آئیں، انھوں نے ان سب کے سامنے خوشبو لگائی اور کہا کہ مجھے خوشبو کی ضرورت نہ تھی لیکن میں نے آپ سے سنا ہے کہ ''کسی مسلمان عورت کو شوہر کے سوا تین دن سے زیادہ کسی کا ماتم کرنا جائز نہیں۔'' اس لیے یہ اسی حکم کی تعمیل تھی۔

جب حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد نے انتقال کیا تو انھوں نے تین روز کے بعد تیل لگایا، خوشبو لگائی اور کہا کہ ''مجھے اس کی ضرورت نہیں تھی، صرف آپ کے حکم کی تعمیل مقصود تھی۔''[2]

---

[1] فتح الباری شرح البخاری تحت رقم: ۳۹۲۵ [2] ابوداود، رقم: ۲۲۹۹

ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک سائل آیا، انہوں نے ایک روٹی کا ٹکڑا دیدیا، پھر اس کے بعد ایک خوش لباس شخص آیا تو انہوں نے اس کو بٹھا کر خوب کھانا کھلایا۔ لوگوں نے اس تفریق و امتیاز پر اعتراض کیا تو بولیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

اَنْزِلُوا النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ مَنَازِلِهِمْ.

''لوگوں کو ان کے درجہ پر رکھو۔''

ایک بار آپ مسجد سے نکل رہے تھے، دیکھا کہ راستے میں مرد و عورت مل جل کر چل رہے ہیں۔ عورتوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: ''پیچھے رہو، تم وسط راہ سے نہیں گزر سکتیں۔'' اس کے بعد عورتوں کا یہ حال ہو گیا کہ گلی کے کنارے سے اس طرح لگ کے چلتی تھیں کہ ان کے کپڑے دیواروں سے اُلجھ جاتے تھے۔[۱]

رضا مندیٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: صحابیات رضی اللہ عنہن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا مندی کی ہمیشہ فکر رہتی تھی، اس لیے اگر آپ کبھی ناراض ہو جاتے تھے تو ہر ممکن تدبیر سے آپ کو رضا مند کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔ آپ جب حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے تو تمام بیبیاں ساتھ تھیں، سوئے اتفاق سے راستہ میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ تھک کر بیٹھ گیا وہ رونے لگیں، آپ کو خبر ہوئی تو خود تشریف لائے اور دست مبارک سے ان کے آنسو پونچھے، آپ جس قدر ان کو رونے سے منع فرماتے تھے، اسی قدر اور زیادہ روتی تھیں، جب کسی طرح چپ نہ ہوئیں تو آپ نے ان کی سرزنش فرمائی اور تمام لوگوں کو منزل کرنے کا حکم دیا اور خود بھی اپنا خیمہ نصب کروایا۔ اب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو خیال ہوا کہ آپ ان سے ناراض ہو گئے ہیں اس لیے آپ کی رضا مندی کی تدبیریں اختیار کیں۔ اس غرض سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں اور کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں اپنی باری کا دن کسی چیز کے معاوضہ میں نہیں دے سکتی، لیکن اگر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے راضی کر دیں تو میں اپنی باری کا دن آپ کو دیتی ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آمادگی ظاہر کی اور ایک دوپٹہ اوڑھا جو زعفرانی رنگ میں رنگا ہوا تھا،

---

[۱] ابو داؤد، رقم: ۵۲۷۲

پھر اس پر پانی کے چھینٹے دیئے کہ خوشبو خوب پھیلے۔ اس کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور خیمہ کا پردہ اٹھایا تو آپ نے فرمایا: ''عائشہ! یہ تمہاری باری کا دن نہیں ہے۔ بولیں[1]۔''

ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ[2]

''یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔''

تفویض الی الرسول ﷺ: عورت کیلئے نکاح کا مسئلہ سب سے اہم ہے لیکن صحابیات رضی اللہ عنہن نے اپنے آپ کو بالکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیدیا تھا، اس لیے آپ جس سے چاہتے تھے ان کا نکاح کر دیتے تھے اور وہ بخوشی اس کو قبول کر لیتی تھیں۔ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں جن سے ایک طرف تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جو نہایت دولت مند صحابی تھے، نکاح کرنا چاہتے تھے، دوسری طرف آپ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے متعلق ان سے گفتگو کی تھی لیکن حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے آپ کو اپنی قسمت کا مالک بنادیا تھا اور کہا کہ میرا معاملہ آپ کے ہاتھ میں ہے جس سے چاہیں نکاح کر دیجیے[3]۔

جُلَیبِیب رضی اللہ عنہ ایک ظریف الطبع صحابی تھے جو راستوں میں بھی ظرافت اور مذاق کی باتیں کرتے تھے، اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کو عموماً ناپسند کرتے تھے، ایک بار آپ نے ان کے لیے ایک انصاری لڑکی سے نکاح کا پیغام دیا، انہوں نے کہا کہ ماں سے مشورہ کرلوں، ماں نے جُلَیبِیب کا نام سنا تو انکار کیا لیکن لڑکی نے کہا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نامنظور نہیں کی جاسکتی، مجھے آپ کے حوالہ کر دو، خدا مجھے ضائع نہ کرے گا۔''[4]

ضیافتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اگر خوش قسمتی سے صحابیات رضی اللہ عنہن کو کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت کا موقع ملتا تو نہایت عزت، محبّت اور ادب کے ساتھ اس فرض کو بجالاتیں۔ ایک بار آپ حضرت اُمّ حرام رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے تو انہوں نے دعوت کی آپ نے

---

[1] مسند احمد بن حنبل، رقم: ۲۶۸۶۶ [2] سورہ مائدہ: ۵۴
[3] نسائی، رقم: ۳۲۳۹ [4] مسند احمد بن حنبل، رقم: ۱۹۷۸۴

قبول فرمائی اور وہیں قیلولہ فرمایا۔[۱]

ایک بار ایک صحابی نے آپ کی دعوت کی، دعوت کھا کر آپ روانہ ہوئے تو ان کی بی بی نے پردے سے سر نکال کر کہا: ''یارسول اللہ! مجھ پر اور میرے شوہر پر درود بھیجتے جایئے۔'' آپ نے فرمایا: ''خدا تم پر تمہارے شوہر پر رحمت نازل فرمائے۔''[۲]

بعض صحابیات رضی اللہ عنہن خود کوئی نئی چیز پکا کر آپ کی خدمت میں پیش کرتی تھیں۔ ایک بار حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا نے آٹا چھانا اور اس کی روٹیاں تیار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیں۔ آپ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ بولیں: ''ہمارے ملک میں اسی کا رواج ہے، میں نے چاہا کہ آپ کے لیے بھی اسی قسم کی روٹیاں تیار کروں۔'' لیکن آپ نے کمالِ زہد و تقشّف سے فرمایا: ''آٹے میں چوکر ملا کر پھر گوندھو۔''[۳]

محبّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: صحابیات رضی اللہ عنہن کے دل آپ کی محبّت سے لبریز تھے اور وہ اس کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتی تھیں۔ حضرت اُمّ عطیّہ ایک صحابیہ تھیں، وہ جب آپ کا ذکر کرتیں تو فرطِ محبّت سے کہتیں ''بِاَبَا یعنی میں آپ پر قربان۔'' آپ جب کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو صحابیات رضی اللہ عنہن فرطِ محبّت سے آپ کی واپسی اور سلامتی کے لیے نذریں مانتی تھیں۔ ایک بار آپ کسی غزوہ سے واپس آئے تو ایک صحابیہ نے کہا کہ ''یارسول اللہ! میں نے نذر مانی تھی کہ اگر خدا آپ کو صحیح و سالم واپس لائے گا تو آپ کے سامنے دف بجا بجا کر گیت گاؤں گی۔''[۴]

شوقِ محبّت رسول: صحابیات کے دل میں آپ کی صحبت سے مستفیض ہونے کا شوق نہایت رہتا تھا۔ حضرت قیلہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوگئیں تو بچوں کو ان کے چچا نے لے لیا اب وہ تمام دنیاوی جھگڑوں سے آزاد تھی، اس لیے ایک صحابی کے ساتھ خدمتِ مبارک میں حاضر ہوئیں اور آپ کی تعلیمات و تلقینات سے عمر بھر فائدہ اُٹھایا۔[۵]

---

[۱] ابوداود، رقم: ۲۴۹۰ — [۲] مسند احمد ابن حنبل، رقم: ۱۵۲۸۱ — [۳] سنن ابن ماجہ، رقم: ۳۳۳۶
[۴] ترمذی، رقم: ۳۶۹۰ — [۵] اصابہ، رقم: ۱۱۶۵۸

فضائلِ اخلاق

استعفاف: فیضِ تربیتِ نبوی نے صحابیات کے ایک ایک فرد کو غیرت، خودداری اور عزّتِ نفس کا مجموعہ بنا دیا تھا، اس لیے وہ کسی کے سامنے دستِ سوال نہیں پھیلاتی تھیں۔ ماں باپ سے مانگتے ہوئے کسی کو شرم نہیں آتی لیکن صحابیات رضی اللہ عنہن کی غیرت اس کو بھی گوارہ نہیں کرتی تھی کہ ماں باپ سے بھری محفل میں سوال کیا جائے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کے کام کاج سے تنگ آ گئی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ لونڈی غلام آئے حاضرِ خدمت ہوئیں کہ آپ سے ایک غلام مانگیں، دیکھا کہ آپ سے کچھ لوگ باتیں کر رہے ہیں شرم کے مارے واپس آئیں۔[۱]

ایثار: ایک اخلاقی وصف ہے، لیکن ایثار فیاضی کی اعلیٰ ترین قسم ہے اور وہ صحابیات میں بہ درجۂ اتم پائی جاتی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں اپنی قبر کے لیے جگہ مخصوص کر رکھی تھی لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے درخواست کی تو انہوں نے یہ تحفۂ جنّت ان کو دے دیا، اور فرمایا:

كُنْتُ اُرِيْدُهُ لِنَفْسِىْ وَلَاُوْثِرَنَّهُ بِهِ الْيَوْمَ عَلٰى نَفْسِىْ.[۲]

"میں نے خود اپنے لیے اس کو محفوظ رکھا تھا لیکن آج اپنے اوپر آپ (عمر رضی اللہ عنہا) کو ترجیح دیتی ہوں۔"

ایک دن وہ روزہ سے تھیں، گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا، ایک مسکین عورت آئی، انہوں نے لونڈی سے کہا کہ روٹی اس کو دے دو۔ اس نے کہا: افطار کس چیز سے کیجیے گا؟ بولیں: دے تو دو۔ شام ہوئی تو کسی نے بکری کا گوشت بھجوا دیا، لونڈی کو بلا کر کہا: یہ تیری روٹی سے بہتر ہے۔[۳]

فیاضی: صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح اسلام کو صحابیات رضی اللہ عنہن کی فیاضی سے بھی بہت کچھ ثبات و

۱۔ ابوداؤد، رقم: ۵۰۶۲ ۲۔ بخاری، رقم: ۳۷۰۰ ۳۔ موطأ امام مالک، رقم: ۱۹۴۳

استحکام حاصل ہوا، حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا نے اپنا نخلستان خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وقف کر دیا تھا۔[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس قدر فیاض تھیں کہ جو کچھ ہاتھ آجاتا تھا اس کو صدقہ کر دیتی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ان کو اس فیاضی سے روکنا چاہا تو اس قدر برہم ہوئیں کہ ان سے بات چیت نہ کرنے کی قسم کھالی۔[2] حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ان سے بھی زیادہ فیاض تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا معمول یہ تھا کہ جمع کرتی جاتی تھیں، جب معتدبہ سرمایا جمع ہوجاتا تھا تو اس کو تقسیم کر دیتی تھیں، لیکن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کل کے لیے کچھ نہیں رکھتی تھیں، روز کے روز خرچ کر دیا کرتی تھیں۔[3]

ایک بار حضرت منکدر بن عبداللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بولیں کہ ''تمہارا کوئی لڑکا ہے؟'' انہوں نے کہا: ''نہیں'' فرمایا: ''اگر میرے پاس دس ہزار درہم ہوتے تو میں تم کو دے دیتی۔'' حسنِ اتفاق سے شام ہی کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس روپے بھیجے۔ بولیں: ''کس قدر جلد میری آزمائش ہوئی۔'' فوراً آدمی بھیج کر اُن کو بلوایا اور دس ہزار درہم دے دیئے۔ انہوں نے اس رقم سے ایک لونڈی خرید لی، اس سے ان کے متعدّد بچّے پیدا ہوئے۔[4]

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نہایت فیاض تھیں، وہ اپنے ہاتھ سے چمڑے کی دباغت کرتی تھیں۔ اور جو کچھ آمدنی اس سے ہوتی تھی مساکین کو دے دیتی تھیں۔ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''تم میں جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہوگا وہ مجھ سے سب سے پہلے ملے گا۔'' اس بنا پر ازواجِ مطہّرات رضی اللہ عنہن اپنے ہاتھوں کو ناپتی تھیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاتھ سب سے چھوٹے تھے لیکن جب سب سے پہلے ان کا انتقال ہوا تو ازواجِ مطہّرات کو معلوم ہوا کہ لمبے ہاتھ سے فیاضی مراد تھی۔[5]

---

[1] بخاری، رقم: ۲۶۳۰ [2] بخاری، رقم: ۳۵۰۵ [3] الادب المفرد، رقم: ۲۸۳
[4] طبقات ابن سعد، رقم: ۶۱۰ [5] اصابہ، رقم: ۱۱۲۲۷

مخالف سے انتقام نہ لینا: اگر مخالف کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو انتقام لینے کا اس سے بہتر کوئی اور موقع نہیں مل سکتا، لیکن صحابیات رضی اللہ عنہن کے دل میں خدا اور رسول کی محبّت نے بغض و انتقام کی جگہ کب چھوڑی تھی؟ حضرت عائشہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہما میں باہم نوک جھونک رہتی تھی، لیکن جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اتّہام لگایا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ان کی اخلاقی حالت دریافت فرمائی تو بجائے اس کے کہ وہ انتقام لیتیں، بولیں کہ ”میں اپنے کان اور اپنی آنکھ کی پوری حفاظت کرتی ہوں، مجھے ان کی نسبت بھلائی کے سوا کچھ معلوم نہیں ہے۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خود اعتراف ہے کہ

وَهِيَ الَّتِي كَانَتْ تُسَامِيْنِي فَعَصَمَهَا اللّٰهُ بِالْوَرَعِ.[1]

”وہ اگرچہ میری حریف تھیں لیکن خدا نے تورّع کی وجہ سے ان کو بچا لیا۔“

انتقام تو بڑی چیز ہے، صحابیات اپنے مخالفوں سے بغض رکھنا بھی پسند نہیں کرتی تھیں۔ حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تھا، ایک بار وہ کسی فوج کے سپہ سالار تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک شخص سے پوچھا کہ اس غزوہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کا سلوک کیسا رہا؟ اس نے کہا: ”ان میں کوئی عیب نہ تھا، سب لوگ ان کے مدّاح رہے، اگر کوئی اونٹ ضائع ہو جاتا تھا تو وہ اس کی جگہ دوسرا اونٹ دے دیتے تھے، اگر کوئی گھوڑا مر جاتا تھا تو وہ اس کی جگہ دوسرا گھوڑا دے دیتے تھے، اگر کوئی غلام بھاگ جاتا تھا تو اس کی جگہ دوسرا غلام دیتے تھے۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سن کر کہا: ”استغفر اللہ! اگر میں ان سے بغض اس بنا پر رکھوں کہ انہوں نے میرے بھائی کو قتل کیا۔ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا کہ خدا! جو شخص میری اُمّت کے ساتھ ملاطفت کرے، تو بھی اس کے ساتھ ملاطفت کر اور جو شخص اس پر سختی کرے تو بھی اس پر سختی کر۔“[2]

مہمان نوازی: حضرت اُمّ شریک رضی اللہ عنہا نہایت دولت مند اور فیاض صحابیہ تھیں، انہوں نے اپنے مکان کو گویا مہمان خانہ بنا دیا تھا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باہر سے جو

---

[1] بخاری، رقم: ۲۶۶۱ [2] اسد الغابہ، رقم: ۴۹۸۰

مہمان آتے تھے وہ اکثر انہیں کے مکان پر ٹھہرتے تھے۔[۱]

عزّتِ نفس: صحابیات رضی اللہ عنہن عزّتِ نفس کا مجموعہ تھیں، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جس دن شہید ہوئے اس روز اپنی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے، انہوں نے ان کو دیکھا تو بولیں: ''بیٹا! قتل کے خوف سے ہرگز ایسی شرط قبول نہ کرلینا جس پر تم کو ذلّت برداشت کرنی پڑے، خدا کی قسم! عزّت کے ساتھ تلوار کھا کر مرجانا اس سے بہتر ہے کہ ذلّت کے ساتھ کوڑے کی مار برداشت کرلی جائے۔''

صبر وثبات: مُردوں پر نوحہ کرنا، بال نوچنا، کپڑے پھاڑ ڈالنا، مدّتوں مرثیہ خوانی کرنا عرب کا قومی شعار تھا، لیکن فیضِ تربیتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابیات رضی اللہ عنہن کو صبر کا اس قدر خوگر بنا دیا تھا کہ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کا لڑکا بیمار ہوا، وہ صبح کے وقت اس کو بیمار چھوڑ کر کام کاج کے لیے باہر چلے گئے اُن کی عدمِ موجودگی میں یہاں لڑکا جاں بحق تسلیم ہوگیا، لیکن ان کی بیوی نے لوگوں سے کہہ دیا کہ ''ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے نہ کہنا۔'' وہ شام کو پلٹے تو بیوی سے پوچھا کہ بچہ کیسا ہے؟ بولیں: ''پہلے سے زیادہ سکون کی حالت میں ہے۔'' یہ کہہ کر کھانا لائیں اور انہوں نے کھانا کھایا، صبح ہوئی تو کہا کہ ''اگر ایک قوم کسی کو کوئی چیز عاریۃً دے اور پھر اس کا مطالبہ کرے تو کیا اسکو اسکے رکھنے کا حق حاصل ہے؟'' بولے: نہیں۔ بولیں: ''تو پھر اپنے بیٹے پر بھی صبر کرو۔''[۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ اُحد سے واپس آئے تو تمام صحابیات رضی اللہ عنہن اپنے اپنے اعزّہ واقارب کا حال پوچھنے آئیں، انہی میں حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا بھی تھیں، وہ آئیں تو آپ نے فرمایا کہ ''حمنہ! اپنے بھائی عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ پر صبر کرو۔'' انہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ پڑھا اور ان کے لیے دعائے مغفرت کی۔ آپ نے پھر فرمایا کہ ''اپنے ماموں حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ پر بھی صبر کرو۔'' انہوں نے اس پر بھی اِنَّا لِلّٰہِ پڑھا اور دعائے مغفرت کر کے خاموش ہو رہیں۔[۳]

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جب حجّاج سے معرکہ آرا ہوئے تو ان کی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا

---

۱ نسائی، رقم: ۳۲۳۹　　۲ مسلم، رقم: ۵۶۱۳　　۳ طبقات ابن سعد، رقم: ۴۱۷۰

بیمار تھیں، وہ ان کے پاس آئے اور مزاج پرسی کے بعد بولے کہ ''مرنے میں آرام ہے۔'' بولیں: ''شاید تم کو میرے مرنے کی آرزو ہے؟ لیکن جب تک دو باتوں میں سے ایک نہ ہو جائے میں مرنا پسند نہ کروں گی، یا تو تم شہید ہو جاؤ اور میں تم پر صبر کرلوں یا فتح وظفر حاصل کرو کہ میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔''

چنانچہ جب وہ شہید ہو چکے تو حجّاج نے ان کو سولی پر لٹکا دیا، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا باوجود پیرانہ سالی کے یہ عبرت ناک منظر دیکھنے کے لیے آئیں اور بجائے اس کے کہ وہ روتی پیٹتیں حجّاج کی طرف مخاطب ہو کر کہا: ''اس سوار کے لیے ابھی تک وہ وقت نہیں آیا کہ اپنے گھوڑے سے نیچے اترے[۱]۔''

شجاعت: غزوات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس طرح دادِ شجاعت دی، صحابیات کے بہادرانہ کارنامے اس سے بھی حیرت انگیز ہیں۔ غزوۂ حنین میں کفّار نے اس زور شور سے حملہ کیا تھا کہ میدانِ جنگ لرز اٹھا تھا لیکن حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا کی شجاعت کا یہ حال تھا کہ ہاتھ میں خنجر لیے ہوئے منتظر تھیں کہ کوئی کافر سامنے آئے تو اس کا کام تمام کر دیں۔ چنانچہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھ میں خنجر دیکھ کر پوچھا کہ ''یہ کیا ہے؟'' بولیں کہ ''چاہتی ہوں کہ کوئی کافر قریب آئے تو پیٹ میں بھونک دوں[۲]۔''

غزوۂ خندق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عورتوں کو ایک قلعہ میں کر دیا تھا، ایک یہودی آیا اور قلعہ کے گرد چکر لگانے لگا۔ حضرت صفیّہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا تو حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ''یہ جاسوس معلوم ہوتا ہے، اس کو قتل کر دو۔'' بولے: ''تمھیں تو معلوم ہے کہ میں اس میدان کا مرد نہیں۔'' اب حضرت صفیّہ رضی اللہ عنہا خود اُتریں اور خیمہ کی ایک میخ اُکھاڑ کر اس زور سے مارا کہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا[۳]۔

زہد وتقشّف: صحابیات نہایت زاہدانہ اور متقشفانہ زندگی بسر کرتی تھیں۔ ایک بار ایک شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بولیں: ''ذرا ٹھہر جاؤ! میں اپنی نقاب سی

---

[۱] اسد الغابہ، رقم: ۲۹۴۹ [۲] ابوداؤد، رقم: ۲۷۱۸ [۳] اسد الغابہ، رقم: ۱۷۶۷

لوں۔" اس نے کہا: اگر میں لوگوں کو اس کی خبر کردوں تو لوگ آپ کو بخیل سمجھیں گے۔ بولیں:
"جو لوگ پرانا دھرانا کپڑا نہیں پہنتے ان کو آخرت میں نیا کپڑا نصیب نہ ہوگا۔"[1]

زندہ دلی: صحابیات کے جذبات کو اسلام نے تروتازہ اور شگفتہ کردیا تھا، اس لیے ان میں زندہ دلی پائی جاتی تھی۔ عید کے دن معمولاً لڑکے اور لڑکیاں رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہوکر باجے بجاتے اور مسرت کے ترانے گاتے تھے۔[2]

راز داری: صحابیات رضی اللہ عنہن کا سینہ راز کا مدفن تھا جس سے وہ قیامت تک باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ ایک دن آپ کی خدمت میں تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن جمع تھیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی اسی حالت میں آگئیں، آپ نے ان کو مرحبا کہا اور اپنے دائیں جانب بٹھالیا، اور آہستہ سے ان کے کان میں ایک بات کہی، وہ چیخ مار کر رو پڑیں، پھر آپ نے آہستہ سے ایک بات کہی جس سے وہ ہنس پڑیں۔ آپ جب دنیا سے رحلت فرمائے گئے تو تمام بیبیوں رضی اللہ عنہن نے اس کی وجہ پوچھی؟ بولیں: "میں آپ کی زندگی میں آپ کا راز فاش نہیں کرسکتی تھی۔"[3]

عفت و عصمت: اسلام نے پاکیزگیٔ اخلاق کی جو تعلیم دی ہے، اس نے صحابیات کو عصمت و عفت کا مجسّمہ بنادیا۔ ایک صحابیہ کو جن کی اخلاقی حالت زمانہ جاہلیت میں اچھی نہ تھی، ایک شخص نے اپنی طرف مائل کرنا چاہا، تو بولیں: "ہٹو! اب وہ زمانہ گیا، اور اسلام آیا۔"[4] اسلام کی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ لونڈیاں تک بدکاری سے نفرت کرنے لگیں، مسیکہ جو کہ ایک لونڈی تھی، جس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آکر شکایت کی کہ میرا آقا مجھ کو بدکاری پر مجبور کرتا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:[5]

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ۔[6]

"اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو۔"

---

[1] الادب المفرد، رقم: ۴۷۷ [2] بخاری، رقم: ۹۴۹ [3] مسلم، رقم: ۶۳۱۲
[4] مسند احمد بن حنبل، رقم: ۱۶۸۰۶ [5] ابوداود، رقم: ۲۳۱۱ [6] سورۂ نور: ۳۳

اس جرم کا ارتکاب تو صحابیات سے بہت بعید تھا، وہ اس کو گوارا بھی نہیں کرتی تھیں کہ کسی نامحرم کی نگاہ بھی ان پر پڑے۔ ایک بار حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے نکاح کرنا چاہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ طلب کیا آپ نے فرمایا کہ پہلے عورت کو جا کر دیکھ لو۔ اس غرض سے اس کے گھر گئے۔ عورت نے پردہ سے کہا: ''اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے تو خیر، ورنہ تمہیں خدا کی قسم۔''[1]

اس معصیت کا ارتکاب تو بڑی چیز ہے اگر خدانخواستہ صحابیات رضی اللہ عنہن پر کبھی اس قسم کا اتہام بھی لگ جاتا تھا تو ان کے خرمنِ عقل و ہوش پر بجلی گر پڑتی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کانوں میں جب واقعۂ افک کی بھنک پڑی تو بے ہوش ہو کر گر پڑیں، لرزہ بخار آ گیا اور آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔[2]

حسنِ معاشرت

مصالحت اور صفائی: اگر بہ مقتضائے فطرت انسانی صحابیات کسی سے ناراض ہو جاتی تھیں تو ان کو اس چند روزہ ناگواری پر نہایت افسوس ہوتا تھا۔ ایک معاملہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے ناراض ہو گئیں اور بات چیت نہ کرنے کی قسم کھالی۔ لیکن عفو تقصیر کے بعد جب ان کو یہ قسم یاد آتی تھی تو اس قدر روتی تھیں کہ دوپٹہ تر ہو جاتا تھا۔[3]

صلۂ رحمی: حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے اعزّہ و اقارب کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کرتی تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

وَلَمْ اَرَ امْرَاَةً قَطُّ خَيْرًا فِي الدِّيْنِ مِنْ زَيْنَبَ وَأَتْقَى لِلّٰهِ وَاَصْدَقَ حَدِيْثًا وَاَوْصَلَ لِلرَّحِمِ.[4]

''میں نے زینب سے زیادہ دیندار، زیادہ پرہیزگار، زیادہ سچی اور زیادہ صلہ رحمی کرنے والی عورت نہیں دیکھی۔''

---

[1] سنن ابن ماجہ، رقم: ۱۸۶۶ [2] بخاری، رقم: ۳۳۸۸
[3] بخاری، رقم: ۶۰۷۳ [4] مسلم، رقم: ۶۲۹۰

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ایک جائیداد وراثۃً پائی تھی اور ان کو ایک لاکھ کی رقم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دی تھی لیکن انہوں نے اس مال و جائیداد کو حضرت قاسم بن محمد اور ابن ابی عتیق پر جو اُن کے قرابت دار تھے، ہبہ کر دیا۔[۱]

صحابیات کی صلہ رحمی صرف مسلمان اعزّہ کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ وہ کافر قرابت داروں کی قرابت کا بھی لحاظ رکھتی تھیں۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ہجرت کر کے مدینہ آئیں تو ان کی والدہ کافرہ تھیں، ان کے پاس آئیں اور مالی مدد مانگی، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ کیا وہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، چنانچہ انہوں نے ان کی مدد کی۔[۲] حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ایک یہودی قرابت دار کے لیے جائیداد کی وصیّت کی تھی۔[۳]

ہدیہ دینا: حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہدیہ ازدیادِ محبّت کا ذریعہ ہے، اس لیے ایک دوسرے کے پاس عموماً ہدیہ بھیجا کرتی تھیں۔

حضرت نُسیبہ انصاریہ رضی اللہ عنہا اس قدر مفلس تھیں کہ ان پر صدقہ کا مال حلال تھا، تاہم اس حالت میں بھی وہ ازواجِ مطہّرات رضی اللہ عنہن کی خدمت میں ہدیہ بھیجتی تھیں۔ ایک بار ان کے پاس صدقہ کی بکری آئی تو انہوں نے اس کا گوشت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ہدیۃً بھیجا۔[۴] حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھی جو صدقہ آتا تھا وہ ازواجِ مطہّرات کو ہدیہ دے دیا کرتی تھیں۔[۵]

خادموں کے ساتھ سلوک: صحابیات خادموں کے ساتھ جیسا سلوک کرتی تھیں اس کا اندازہ صرف اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ ایک بار رات کو عبدالملک اُٹھا اور اپنے خادم کو آواز دی، اس نے آنے میں دیر کر دی تو اس نے اس پر لعنت بھیجی۔ حضرت اُمّ الدرداء رضی اللہ عنہا اس محل میں تھیں، صبح ہوئی تو کہا کہ تم نے رات اپنے خادم پر لعنت بھیجی حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[۱] بخاری: کتاب الهبة باب هبة الواحد للجماعة [۲] مسلم، رقم: ۲۳۲۴ [۳] مسند دارمی، رقم: ۳۳۴۱

[۴] بخاری، رقم: ۱۴۴۶ [۵] مسلم، رقم: ۲۴۸۷

فرمایا ہے کہ لعنت بھیجنے والے قیامت کے دن شفعاء یا شہداء نہ ہوں گے۔[۱]

باہمی اعانت: صحابیات رضی اللہ عنہن مصیبت میں دوسروں کی اعانت فرماتی تھیں اور ہمسایہ صحابیات اپنی پڑوسنوں کو ہر قسم کی مدد دیتی تھیں۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو روٹی پکانا نہیں آتی تھی لیکن ان کی پڑوسنیں ان کی روٹی پکایا کرتی تھیں۔[۲]

اگر عورتوں کو اپنے شوہروں سے شکایت پیدا ہوتی تو وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا درد و دکھ کہتی تھیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہایت پرزور طریقے سے ان کی سفارش کرتی تھیں۔ ایک بار ان کی خدمت میں ایک عورت سبز دوپٹہ اوڑھ کر آئی اور جسم کھول کر دکھایا کہ شوہر نے اس قدر مارا ہے کہ بدن پر نیل پڑ گئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ مسلمان عورتیں جو مصیبت برداشت کر رہی ہیں ہم نے ایسی مصیبت نہیں دیکھی۔ دیکھیے! اس کا چمڑا اس کے دوپٹہ سے زیادہ سبز ہو گیا ہے۔
بخاری کی اس روایت کے آخر میں عموماً عورتوں کی نسبت یہ الفاظ ہیں:

وَالنِّسَاءُ يَنْصُرُ بَعْضُهُنَّ بَعْضًا.[۳]

"عورتوں کی یہ فطرت ہے کہ ایک دوسری کی اعانت کرتی ہیں۔"

ایک شخص کی بیوی بیمار تھیں وہ حضرت اُمّ الدّرداء رضی اللہ عنہا کے پاس آئے، انہوں نے حال پوچھا تو انہوں نے کہا: بیوی بیمار ہے، اب انہوں نے ان کو بٹھا کر کھانا کھلایا اور جب تک ان کی بیوی بیمار رہیں، حال پوچھتیں اور کھانا کھلاتی رہیں۔[۴]

عیادت: صحابیات رضی اللہ عنہن ہر ممکن طریقہ سے مریضوں کی عیادت کرتی تھیں۔ ایک بار اہل صفہ میں سے ایک صحابی بیمار تھے، حضرت اُمّ الدّرداء رضی اللہ عنہا اونٹ پر سوار ہو کر آئیں اور ان کی عیادت کی۔[۵]

تیمارداری: صحابیات رضی اللہ عنہن نہایت دل سوزی سے مریضوں کی تیمارداری کرتی تھیں۔ حضرت

---

[۱] مسلم، رقم: ۶۶۱۰ [۲] مسلم، رقم: ۵۶۹۲ [۳] بخاری، رقم: ۵۸۲۵
[۴] الادب المفرد، رقم: ۵۲۲ [۵] الادب المفرد، رقم: ۵۴۰

عثمان بن مظعون بیمار ہوئے تو حضرت اُمّ العلاء رضی اللہ عنہا اور ان کے تمام خاندان نے ان کی تیمار داری کی، ان کا انتقال ہوگیا تو کفن پہنانے کے بعد حضرت اُمّ العلاء رضی اللہ عنہا نے محبت کے لہجے میں کہا: ''تم پر خدا کی رحمت ہو، میں شہادت دیتی ہوں کہ خدا نے تمہاری عزت کی۔''[۱]

حضرت زینب رضی اللہ عنہا مرض الموت میں بیمار ہوئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ازواجِ مطہرات سے پوچھوایا کہ کون ان کی تیمارداری کرے گا؟ تمام بیبیوں نے کہا: ''ہم۔'' ان کا انتقال ہوا تو پھر دریافت کیا کہ کون ان کو غسل و کفن دے گا؟ تمام بیبیوں نے کہا: ''ہم۔''[۲]

عزاداری: صحابیات رضی اللہ عنہن عزاداری کو اپنا فرض خیال کرتی تھیں۔ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی کو دفن کر کے آرہے تھے، راہ میں دیکھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جارہی ہیں، پوچھا گھر سے کیوں نکلیں؟ بولیں: اس گھر میں عزاداری کے لیے گئی تھی۔[۳]

عرب جاہلیت میں عزاداری کا یہ طریقہ تھا کہ عورتیں برادری میں جا کر باہم مردوں پر نوحہ کرتی تھیں لیکن اسلام نے جاہلیت کی اس رسم کو مٹادیا۔ چنانچہ جب عورتیں اسلام لاتی تھیں تو ان سے اس رسم کے چھوڑنے کا معاہدہ لیا جاتا تھا، ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا سے یہ معاہدہ لینا چاہا تو بولیں: فلاں خاندان نے زمانہ جاہلیت میں ہمارے مردے پر نوحہ کیا ہے، مجھے اس کا معاوضہ ادا کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ آپ نے ان کو اس کی اجازت دیدی۔[۴]

محبّتِ اولاد: صحابیات رضی اللہ عنہن اپنے بچوں سے نہایت محبت رکھتی تھیں۔ ایک بار ایک صحابی نے بیوی کو طلاق دیدی اور بچے کو اس سے لینا چاہا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ ''میرا پیٹ اس کا ظرف، میری چھاتی اس کا مشکیزہ اور میری گود اس کا گہوارہ تھا اور اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی اور اس کو مجھ سے چھیننا چاہتا ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''جب تک تم دوسرا نکاح نہ کرلو تم بچے کی سب سے زیادہ مستحق ہو۔''[۵] اگرچہ یہ وصف عموماً

---

[۱] بخاری، رقم: ۱۲۴۳　[۲] طبقات ابن سعد، رقم: ۴۱۲۴　[۳] ابو داؤد، رقم: ۳۱۲۳
[۴] مسلم، رقم: ۲۱۶۵　[۵] ابو داؤد، رقم: ۲۲۷۶

تمام صحابیات میں پایا جاتا تھا لیکن اس باب میں قریش کی عورتیں خاص طور پر ممتاز تھیں، چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس خصوصیت کی مدح فرمائی:

نِعْمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ قُرَیْشٍ اَحْنَاهُنَّ عَلَى الْوَلَدِ وَاَرْعَاهُنَّ عَلَى الزَّوْجِ۔[1]

"قریش کی عورتیں کس قدر اچھی ہیں! بچوں سے محبت رکھتی ہیں اور شوہروں کے مال واسباب کی نگرانی کرتی ہیں۔"

بھائی بہن سے محبت: صحابیات اپنے بھائی اور بہنوں سے نہایت محبت رکھتی تھیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کا مقام حبش میں انتقال ہوا اور لاش مکّہ میں دفن ہوئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرطِ محبت سے ان کی قبر تک آئیں اور ایک مشہور مرثیہ کے چند اشعار پڑھے:

وَكُنَّا كَنَدْمَانَیْ جَذِیْمَةَ حِقْبَةً مِنَ الدَّهْرِ حَتّٰی قِیْلَ لَنْ یَّتَصَدَّعَا

"ہم دونوں ایک مدت تک جذیمہ کے دونوں ہم نشینوں کی طرح ساتھ رہے، یہاں تک کہ لوگوں نے کہا کہ ان میں کبھی جدائی نہ ہوگی۔"

فَلَمَّا تَفَرَّقْنَا كَاَنِّیْ وَمَالِكًا لِطُوْلِ اجْتِمَاعٍ لَمْ نَبِتْ لَیْلَةً مَّعًا[2]

"لیکن جب جدائی ہوئی تو ایسی ہوئی کہ گویا ہم نے اور مالک نے باوجود طویل ملاقات کے ایک رات بھی ساتھ بسر نہیں کی تھی۔"

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ غزوہ اُحد میں شریک ہوئے تو ان کی بہن حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آئیں کہ مقتل میں ان کا پتہ لگائیں، لیکن لوگوں نے ان کی پریشانی کے خیال سے نہیں بتایا، بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ کو خوف پیدا ہوا کہ اس واقعہ سے ان کی عقل نہ جاتی رہے، اس لیے ان کے سینہ پر ہاتھ رکھا تو انہوں نے اِنَّا لِلّٰهِ پڑھا اور رونے لگیں۔[3]

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو تمام عورتیں رونے لگیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ان کی قبر کے پاس روتی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھوں سے ان کے آنسو پونچھتے تھے۔[4]

---

[1] وأصل اللفظ: خَیْرُ نِسَآءٍ رَكِبْنَ الْاِبِلَ صَالِحُ نِسَاءِ قُرَیْشٍ، اَحْنَاهُ عَلٰی وَلَدٍ فِیْ صِغَرِهٖ وَاَرْعَاهُ عَلٰی زَوْجٍ فِیْ ذَاتِ یَدِهٖ. رقم:۵۰۸۲ [2] ترمذی، رقم:۱۰۵۵ [3] طبقات ابن سعد، رقم:۲ [4] طبقات ابن سعد، رقم:۴۰۹۱

حمایتِ والدین: صحابیات والدین کی حمایت سے سخت موقعوں پر بھی اغماض نہیں کرتی تھیں۔ ایک بار کفار نے حالت نماز میں رسول اللہ ﷺ کی گردن میں اونٹ کی اوجھ ڈال دی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا دوڑ کے آئیں، اس کو آپ کی گردن سے نکال کر پھینک دیا اور کفّار کو بُرا بھلا کہا۔[1]

پرورشِ یتامیٰ: یتیموں کی پرورش بڑی نیکی کا کام ہے، حدیث شریف میں آیا ہے:

اَنَا وَ كَافِلُ الْيَتِيْمِ كَهَاتَيْنِ فِى الْجَنَّةِ.

''میں اور یتیموں کی پرورش کرنے والے جنّت میں اس قدر قریب ہوں گے جس قدر یہ دونوں انگلیاں قریب قریب ہیں۔''

اس لیے صحابیات یتیموں کی پرورش اپنا فرض سمجھتی تھیں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا متعدّد یتیموں کی پرورش کرتی تھیں۔ ایک بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور پوچھا کہ میں اپنے شوہر اور یتیموں پر صدقہ کروں تو جائز ہے؟ ایک دوسری صحابیہ بھی اسی غرض سے در دولت پر کھڑی تھیں، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اطلاع کی، تو آپ نے فرمایا کہ ان کو دوہرا ثواب ملے گا، ایک قرابت کا اور دوسرا صدقہ کا۔[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے بچے یتیم ہوگئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی پرورش فرماتی تھیں۔[3]

یتیموں کے مال کی نگہداشت: خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں یتیموں کے مال کی حفاظت ونگہداشت کے متعلق ایک نہایت مفصّل آیت نازل فرمائی ہے:

وَابْتَلُوا الْيَتَامٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ .....الاية

اس بنا پر صحابیات نہ صرف انکے مال کی حفاظت کرتی تھیں بلکہ اس کو ترقی دیتی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یتیموں کے مال لوگوں کو دیتی تھیں کہ تجارت کے ذریعہ سے ان کو ترقی دیں۔[4]

---

[1] بخاری، رقم: ۲۴۰　[2] بخاری، رقم: ۱۴۶۶

[3] موطأ امام مالک، رقم: ۵۸۷　[4] موطأ امام مالک، رقم: ۵۹۱

بچوں کی پرورش: صحابیات رضی اللہ عنہن بچوں کی پرورش میں اپنے عیش و آرام کو بھی فراموش کردیتی تھیں۔ حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا بیوہ ہوئیں تو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہا بچے تھے، اس لیے انہوں نے یہ عزم بالجزم کرلیا کہ جب تک ان کی نشوونما کامل طور پر نہ ہوجائے گی، وہ دوسرا نکاح نہ کریں گی۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ خود سپاس گزارانہ لہجے میں اعتراف کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ میری ماں کو جزائے خیر دے کہ اس نے میری ولایت کا حق ادا کیا۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابیات کو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب تھے لیکن بایں ہمہ جب آپ نے حضرت اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا سے نکاح کا پیام دیا تو انہوں نے معذرت کی کہ یارسول اللہ! آپ مجھے میری آنکھوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں لیکن شوہر کا حق بہت زیادہ ہے، اس لیے مجھے خوف ہے کہ اگر میں شوہر کا حق ادا کروں تو بچوں کی طرف سے بے پروائی کرنا پڑے گی اور اگر بچوں کی پرورش میں مصروف رہوں گی تو شوہر (یعنی آپ سے اگر نکاح کرلوں گی) کا حق ادا نہ کرسکوں گی۔[2]

شوہر کے مال و اسباب کی حفاظت: زن و شوہر کے معاشرتی تعلّقات پر اسکا نہایت عمدہ اثر پڑتا ہے کہ بیوی نہایت دیانت کے ساتھ شوہر کے مال و اسباب اور گھر بار کی حفاظت کرے اور صحابیات میں عموماً یہ دیانت پائی جاتی تھی۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی، وہ گھر میں تھیں کہ ایک غریب سوداگر آیا اور کہا کہ اپنے سایۂ دیوار کے نیچے مجھ کو سودا بیچنے کی اجازت دیجیے، وہ عجیب کشمکش میں مبتلا ہوئیں۔ فیاضی اور کشادہ دلی سے اجازت دینا چاہتی تھیں لیکن شوہر کی اجازت کے بغیر اجازت نہیں دے سکتی تھیں، بولیں: ''اگر میں اجازت دے دوں اور زبیر انکار کردیں تو مشکل پڑے گی۔ زبیر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں آؤ اور مجھ سے سوال کرو۔'' وہ اسی حالت میں آیا اور کہا یا اُمّ عبداللہ! میں محتاج آدمی ہوں آپ کی دیوار کے سایہ میں کچھ سودا بیچنا چاہتا ہوں؟ بولیں: تم کو مدینہ میں میرا گھر ہی ملتا تھا۔'' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا تمہارا کیا بگڑتا ہے جو ایک محتاج کو بیع و شراء سے روکتی ہو؟'' وہ تو چاہتی ہی

[1] اصابہ، رقم: ۱۲۰۷۷ [2] طبقات ابن سعد، رقم: ۴۱۳۷

تھیں، اجازت دیدی[1] وہ نہایت فیاض تھیں اس لیے صدقہ و خیرات کرنا بہت پسند کرتی تھیں، لیکن شوہر کے مال کے سوا انکے پاس اور کچھ نہ تھا اور شوہر کے مال میں بلا اجازت تصرف نہیں کرسکتی تھیں۔ مجبوراً رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ میں زبیر رضی اللہ عنہ کی آمدنی میں سے کچھ صدقہ کروں تو کیا کوئی گناہ کی بات ہے؟ ارشاد ہوا کہ جو کچھ ہو سکے، دو۔[2]

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے بیعت لی تو ان میں سے ایک خاتون اُٹھیں اور کہا کہ ''ہم اپنے باپ، بیٹے اور شوہر کے محتاج ہیں ان کے مال میں سے ہمارے لیے کس قدر لینا جائز ہے؟'' آپ نے فرمایا کہ ''اس قدر کہ کھاپی لو اور ہدیہ دو۔[3]''

اگرچہ یہ وصف عموماً تمام صحابیات میں پایا جاتا تھا لیکن اس باب میں قریش کی عورتیں خاص طور پر ممتاز تھیں، چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبانِ مبارک سے فرمایا اور اس خصوصیّت کو ان الفاظ میں نمایاں کیا:

نِعْمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ قُرَیْشٍ اَحْنَاھُنَّ عَلَی الْوَلَدِ وَاَرْعَاھُنَّ عَلَی الزَّوْجِ۔[4]

''قریش کی عورتیں کس قدر اچھی ہیں! بچوں سے محبّت رکھتی ہیں اور شوہر کے مال و اسباب کی نگرانی کرتی ہیں۔''

شوہر کی رضا جوئی: صحابیات اپنے شوہروں کی رضامندی اور خوشنودی کا نہایت خیال رکھتی تھیں۔ حضرت حَولاء رضی اللہ عنہا عطر فروش تھیں، ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آئیں اور کہا کہ میں ہر رات کو خوشبو لگاتی ہوں، بناؤ سنگار کر کے دلہن بن جاتی ہوں اور خالصۃً لوجہ اللہ اپنے شوہر کے پاس جا کر سو رہتی ہوں، لیکن اس پر بھی وہ متوجہ نہیں ہوتے اور منہ پھیر لیتے ہیں، پھر ان کو متوجہ کرتی ہوں اور وہ اعراض کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ آئے تو آپ سے بھی اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: جاؤ اپنے شوہر کی اطاعت کرتی رہو۔[5]

ایک روز آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ میں چاندی کے چھلے دیکھے تو فرمایا: عائشہ! یہ کیا

---

[1] مسلم، رقم: ۵۶۹۳ [2] مسلم، رقم: ۲۳۷۸ [3] ابوداؤد، رقم: ۱۶۸۶

[4] وأصل اللفظ: خَیْرُ نِسَآءٍ رَکِبْنَ الْاِبِلَ صَالِحُ نِسَاءِ قُرَیْشٍ، اَحْنَاہُ عَلٰی وَلَدٍ فِیْ صِغَرِہٖ وَاَرْعَاہُ عَلٰی زَوْجٍ فِیْ ذَاتِ یَدِہٖ. بخاری، رقم: ۵۰۸۲ [5] اسد الغابہ، رقم: ۶۸۶۷

ہے؟ بولیں: میں نے اس کو اس لیے بنایا ہے کہ آپ کے لیے بناؤ سنگار کروں۔[1]

ایک صحابیہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، ان کے ہاتھ میں سونے کے کنگن تھے، آپ نے ان کو پہننے سے منع کیا، بولیں: ''اگر عورت شوہر کے لیے بناؤ سنگار نہ کرے تو اس کی نگاہوں سے گر جائے گی۔[2]''

شوہر کی محبّت: صحابیات اپنے شوہروں سے نہایت محبّت رکھتی تھیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی ابوالعاص سے ہوئی تھی وہ حالتِ کفر میں تھے کہ بدر کا معرکہ پیش آ گیا اور وہ گرفتار ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیران جنگ کو فدیہ لے کر رہا کرنا چاہا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنا ایک یادگار ہار جس کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کو رخصتی کے وقت دیا تھا، ابوالعاص رضی اللہ عنہا کے فدیہ میں بھیج دیا۔[3]

حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کو اپنے شوہر کی شہادت کا حال معلوم ہوا تو فرطِ محبّت سے چیخ اُٹھیں۔[4]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اہل و عیال کے ساتھ بہت زیادہ شغف نہ تھا تاہم انکی بیوی حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا روزے کے دنوں میں بھی فرطِ محبّت سے ان کے سر کا بوسہ لیتی تھیں۔[5]

حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پہلے شوہر حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے نہایت محبّت تھی، چنانچہ جب وہ طائف میں شہید ہوئے تو حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا نے ایک پُر درد مرثیہ لکھا، جس کا ایک شعر یہ ہے:

فَآلَيْتُ لَا تَنْفَكُّ عَيْنِىْ حَزِيْنَةً عَلَيْكَ، وَلَا يَنْفَكُّ جِلْدِىَ اَغْبَرا

''میں نے قسم کھائی ہے کہ تیرے غم میں میری آنکھ ہمیشہ پرنم اور جسم ہمیشہ غبار آلود رہے گا۔''

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کی۔ دعوتِ ولیمہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی

---

[1] ابوداؤد، رقم: ۱۵۶۵ [2] نسائی، رقم: ۵۱۴۵ [3] ابوداؤد، رقم: ۲۶۹۲
[4] سنن ابن ماجہ، رقم: ۱۵۹۰ [5] موطا، رقم: ۶۵۳

شریک تھے، انہوں نے عاتکہ رضی اللہ عنہا کو یہ شعر یاد دلایا تو رو پڑیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو ان کا بھی نہایت پر درد مرثیہ لکھا۔ اس کے بعد ان سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے شادی کے اور وہ بھی شہید ہوئے تو عاتکہ رضی اللہ عنہا نے ان کا بھی مرثیہ لکھا۔[1]

شوہر کی خدمت: صحابیات رضی اللہ عنہن شوہر کی خدمت نہایت دلسوزی کے ساتھ کرتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمال طہارت کی وجہ سے مسواک کو بار بار دھلوایا کرتے تھے اور اس پاک خدمت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ادا فرماتی تھیں۔[2] ایک بار آپ کمبل اوڑھ کر مسجد میں آئے، ایک صحابی نے کہا: یارسول اللہ! اس پر دھبا نظر آتا ہے۔ آپ نے اس کو غلام کے ہاتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کٹورے میں پانی منگایا، خود اپنے ہاتھ سے دھویا اور خشک کیا، اور اس کے بعد آپ کے پاس بھیج دیا۔[3] جب آپ احرام باندھتے یا احرام کھولتے تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جسم مبارک میں خوشبو لگاتی تھیں۔[4]

جب آپ خانۂ کعبہ ہدی بھیجتے تھے تو وہ ان کے گلے کا قلادہ بٹتی تھیں۔[5]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب تمام دنیا کی خدمت و اعانت سے محروم ہو جاتے تھے تو اس بے کسی کی حالت میں صرف ان کی بیبیاں ان کا ساتھ دیتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تخلّفِ غزوۂ تبوک کی بنا پر حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوئے اور اخیر میں تمام مسلمانوں کی طرح ان کی بیوی کو بھی تعلّقات کے منقطع کر لینے کا حکم دیا تو وہ حاضرِ خدمت ہوئیں اور کہا کہ وہ بوڑھے آدمی ہیں ان کے پاس نوکر چاکر نہیں۔ اگر میں ان کی خدمت کروں تو آپ ناپسند فرمائیں گے؟ ارشاد ہوا: ''نہیں۔''[6]

عورت کتنی ہی اطاعت گزار اور فرماں بردار ہو لیکن اگر اس سے تعلّقات منقطع کر لیے جائیں تو وہ شوہر کی طرف مائل نہیں ہو سکتی، لیکن صحابیات نے اس فطرتی اصول کو بھی توڑ دیا تھا، ایک صحابی نے اپنی بیوی سے ظِہار کیا، یعنی ایک مدّت معینہ کے لیے ان کو اپنے اوپر حرام کر لیا تاہم

---

[1] اسد الغابہ، رقم: ۷۰۸۷ [2] ابوداود، رقم: ۵۲ [3] ابوداود، رقم: ۳۸۸ [4] ابوداود، رقم: ۱۷۴۵

[5] ابوداود، رقم: ۱۷۵۷ [6] بخاری، رقم: ۴۴۱۸

اس حالت میں بھی وہ ان کی خدمت گزاری میں مصروف رہتی تھیں۔

طرزِ معاشرت

غربت وافلاس: ابتدائے اسلام میں صحابیات نہایت فقر وفاقہ اور غربت وافلاس کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھیں، جس کا اثر ان کے لباس، مکان، اثاث البیت اور سامان آرائش غرض ہر چیز سے ظاہر ہوتا تھا۔

لباس: صحابیات رضی اللہ عنہن کو کپڑوں کی نہایت تکلیف تھی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جگر گوشۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر اس قدر چھوٹی تھی کہ ایک بار انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ادب وحیا سے جسم کے ہر حصّہ کو چھپانا چاہا لیکن ناکامی ہوئی، سر ڈھکتی تھیں تو پاؤں کھل جاتے تھے، پاؤں ڈھکتی تھیں تو سر کھل جاتا تھا۔[1]
بعض صحابیات کو تو چادر بھی میسّر نہیں تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابیات کو عیدگاہ میں جانے کی اجازت دی تو ایک صحابیہ نے کہا کہ اگر کسی عورت کے پاس چادر نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ ارشاد ہوا کہ اس کو دوسری عورت اپنی چادر اوڑھادے۔[2]
شادی بیاہ میں دلہن کے لیے غریب سے غریب آدمی بھی اچھا جوڑا بنواتا ہے، لیکن صحابیات کو معمولی جوڑا بھی میسّر نہ تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میرے پاس گاڑھے کی ایک کُرتی تھی، شادی بیاہ میں جب کوئی عورت سنواری جاتی تھی تو وہ مجھ سے اس کو مستعار منگوالیتی تھی۔[3]

مکان: غربت وافلاس کی وجہ سے صحابیات کے مکان نہایت مختصر، پست اور کم حیثیت کے ہوتے تھے۔ گھروں میں جائے ضرورت تک نہ تھی۔[4] اس لیے راتوں کو صحرا میں جانا پڑتا تھا، دروازوں پر پردے تک نہ تھے۔[5] راتوں کو جلانے کے لیے چراغ تک میسّر نہ تھا۔[6]

---

[1] ابوداود، رقم: ۴۱۰۶ [2] سنن ابن ماجہ، رقم: ۱۳۰۷ [3] بخاری، رقم: ۲۶۲۸ [4] بخاری، رقم: ۴۷۵۰
[5] ابوداود، رقم: ۵۱۹۲ [6] مستدرک حاکم، رقم: ۷۰۸۰

اثاث البیت: صحابیات کے گھروں میں نہایت مختصر سامان ہوتے تھے، یہاں تک کہ میاں بیوی دونوں کے لیے صرف ایک بچھونا ہوتا تھا[1] اور وہ بھی کھجور کے پتوں سے بنایا جاتا تھا۔

زیورات: صحابیات رضی اللہ عنہن نہایت معمولی اور سادہ زیور استعمال کرتی تھیں۔ احادیث کی کتابوں کے تتبع واستقراء سے بازو بند، کڑے، بالی، ہار، انگوٹھی اور چھلّے کا پتہ چلتا ہے۔ لونگ کا ہار بھی پہنتی تھیں جس کو عربی میں ''سخاب'' کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک ہار جو سفر میں گم ہوگیا تھا، وہ مہرۂ یمانی کا تھا۔[2]

سامانِ آرائش: صحابیات سرمہ اور مہندی کا استعمال بھی کرتی تھیں۔ زچہ خانے سے نکلتی تھیں تو منہ پر وَرْس (ایک قسم کی سرخ گھاس کا نام ہے) کا غازہ ملتی تھیں کہ چہرے سے داغ دھبے مٹ جائیں۔[3] خوشبو میں زعفران، عطر اور سک کا استعمال کرتی تھیں (سک ایک قسم کی خوشبو ہے جو ماتھے پر لگائی جاتی ہے)

اپنا کام خود کرنا: صحابیات خانہ داری کے کاموں کو خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں اور اس میں سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کرتی تھیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین صاحبزادی تھیں، لیکن چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے، مشکیزوں میں پانی لاتے لاتے سینہ داغ دار ہوگیا تھا، جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہوگئے تھے۔[4]
ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن باری باری گھر کا کام دھندا خود کرتی تھیں۔ ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری تھی، جَو پیسے اور اس کی روٹی پکائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار شروع کیا، آپ کے آنے میں دیر ہوگئی تو سوگئیں آپ آئے تو جگایا۔[5] حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں اور ان کی شادی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی، وہ اس قدر مفلس تھے کہ ایک گھوڑے کے سوا گھر میں کچھ نہ تھا، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا خود باغوں میں جا جا کر گھوڑے کی گھاس

---

[1] ابوداؤد، رقم: ۲۶۹ [2] ابوداؤد، رقم: ۳۲۰ [3] ابوداؤد، رقم: ۳۱۱

[4] ابوداؤد، رقم: ۲۹۸۸ [5] الادب المفرد، رقم: ۱۲۰

لاتی تھیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سائیسی کے لیے ایک غلام بھیجا تو انہوں نے اس خدمت سے نجات پائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ایک قطعِ زمین بطور جاگیر کے دیا تھا جو مدینہ سے تین فرسخ دور تھا، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا روز وہاں جاتیں اور وہاں سے کھجور کی گٹھلیاں اپنے سر پر لاتیں اور ان کو کوٹ کر ان کے پانی کھینچنے والی اونٹنی کو کھلاتی تھیں۔ گھر کے معمولی کاروبار ان کے علاوہ تھے، خود پانی لاتیں، مشک پھٹ جاتی تھی تو اس کو سی لیتیں، آٹا گوندھتیں، روٹی پکاتیں۔[1]

گھر کے کام دھندے کے علاوہ صحابیات بعض صنعتی کام بھی کرتی تھیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا طائف کی ادھوڑی بناتی تھیں جس کی وجہ سے ان کی مالی حالت تمام ازواجِ مطہرات سے بہتر رہتی تھی۔[2] بعض صحابیہ کپڑے بنتی تھیں۔[3]

پردہ: عہدِ نبوّت میں اگرچہ اس زمانہ کا ساسخت پردہ رائج نہ تھا، تاہم بالکل عورتیں بے پردہ اور آزاد بھی نہ تھیں۔

مِحَفَّہ (ہودج) میں سفر کرتی تھیں[4] نقاب پوش رہتی تھیں۔[5] اور غیر محرم سے پردہ کرتی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حَجۃُ الوِداع کے زمانے میں جب لوگ ہمارے سامنے سے گزرتے تھے تو ہم چہرے پر چادر ڈال لیتے تھے، لوگ گزر جاتے تو پھر منہ کھول دیتے تھے۔[6]

ایک بار حضرت افلح بن ابی القُعَیس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ملاقات کو آئے، وہ پردہ میں چھپ گئیں۔ بولے: ''تم مجھ سے پردہ کرتی ہو میں تمہارا چچا ہوں۔'' بولیں: ''کیوں؟'' بولے: ''میرے بھائی کی بیوی نے تم کو دودھ پلایا ہے۔'' بولیں: ''مرد نے تو نہیں پلایا۔''[7]

ایک صحابیہ کا بیٹا شہید ہوا، وہ نقاب پہن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو دیکھ کر کہا: ''بیٹے کی شہادت کا حال پوچھنے آئی ہو اور نقاب پوش ہو کر؟'' بولیں: میں نے اپنے بیٹے کو کھو دیا ہے شرم وحیا کو تو نہیں کھویا۔''[8]

---

[1] مسلم، رقم: ۵۶۹۲ [2] اصابہ، رقم: ۱۱۱۰۷ [3] بخاری، رقم: ۱۲۷۷ [4] ابوداود، رقم: ۱۷۳۶

[5] ابوداود، رقم: ۱۸۳۰ [6] ابوداود، رقم: ۱۸۳۳ [7] ابوداود، رقم: ۲۰۵۷ [8] ابوداود، رقم: ۲۴۸۸

ہمارے زمانے میں پردہ ایک رسمی چیز ہے، مثلاً ایک عورت کسی محرم سے رسماً پردہ کرتی ہے تو اس سے لازمی طور پر ہمیشہ پردہ کرے گی، لیکن دو چار بار کسی نامحرم کے سامنے آنے کا اتفاق ہو گیا تو پھر اس کے لیے پردہ کے تمام قیود ٹوٹ جائیں گے۔ لیکن صحابیات رسمی پردے کی پابند نہ تھیں اُن کا پردہ بالکل شرعی تھا، اگر شریعت اجازت دیتی تھی تو وہ کسی کے سامنے آتی تھیں اور جب شرعی موانع پیدا ہو جاتے تھے تو اس سے پردہ کرنے لگتی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مذہب ہے کہ غلاموں سے پردہ ضروری نہیں اس لیے وہ حضرت ابوعبداللہ سالم رضی اللہ عنہ کے سامنے جو نہایت متدین غلام تھے، آتی تھیں اور ان سے بے تکلف باتیں کرتی تھیں۔ ایک دن وہ آئے اور کہا کہ ”خدا نے آج مجھے آزاد کر دیا۔“ چونکہ اب وہ غلام باقی نہیں رہے، اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پردہ کروایا اور عمر بھر ان کے سامنے نہ ہوئیں۔[1]

معاملات

ادائے قرض کا خیال: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اکثر قرض لیا کرتی تھیں، ان سے پوچھا گیا کہ آپ قرض کیوں لیتی ہیں؟ بولیں کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ”جو بندہ قرض ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے، خدا اپنی جانب سے اس کے لیے مددگار مقرّر کر دیتا ہے، تو اسی مددگار کی جستجو کرتی ہوں۔[2]“

قرض کا ایک حصّہ معاف کر دینا: حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک غلام کو مکاتب بنایا، اس نے جب بدلِ کتابت ادا کرنا چاہا تو کہا کہ اس میں کچھ کمی کر دیجیے، انہوں نے کم کر دیا۔[3]

تقسیم وراثت میں دیانت: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر چند کھجور کے درخت ہبہ کیے تھے لیکن اب تک ان کا قبضہ نہیں ہوا تھا، اس لیے ہبہ نامکمّل تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہونے لگا تو کہا کہ میں نے تم پر جو درخت ہبہ کیے تھے، اگر تمہارا ان پر قبضہ ہو جاتا تو وہ تمہاری ملک ہو جاتے، لیکن آج وہ میرے ترکہ میں داخل ہیں، جس کے

---

[1] نسائی، رقم: ۱۰۰ [2] مسند احمد بن حنبل، رقم: ۲۴۶۷۹ [3] طبقات ابن سعد، تذکرہ مصباح بن سرحس

وارث تمہارے بھائی اور بہنیں ہیں اس لیے کتاب اللہ کے موافق باہم تقسیم کرلو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بولیں کہ اگر اس سے بھی زیادہ مال ہوتا تو میں چھوڑ دیتی۔[1]

خدمات

سیاسی خدمت میں صحابیات کی کوئی قابل الذکر خدمت نہیں ہے، صرف اصابہ میں تذکرہ شفاء بنت عدویہ رضی اللہ عنہا میں اس قدر لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی رائے کو مقدم سمجھتے تھے، ان کی عزّت کرتے تھے اور بازار کی بعض خدمتیں بھی ان سے متعلق تھیں، لیکن سیاسی خدمات کے علاوہ صحابیات نے اسلام کی ہر ممکن خدمت کی ہے جس کی تفصیل ذیل کے عنوانات سے معلوم ہوگی۔

مذہبی خدمات

اشاعتِ اسلام: مذہبی خدمات میں اشاعت اسلام سب سے اہم ہے اور اس میں ابتدائے اسلام ہی سے صحابیات رضی اللہ عنہن کی مساعئ جمیلہ کا کافی حصہ شامل ہے۔ چنانچہ حضرت اُمّ شریک رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں جو آغازِ اسلام میں مخفی طور پر قریش کی عورتوں کو اسلام کی دعوت دیا کرتی تھیں، قریش کو ان کی مخفی کوششوں کا حال معلوم ہوا تو ان کو مکّہ سے نکال دیا۔[2]

ایک غزوہ میں مسلمان پیاس سے بے تاب ہو کر نکلے تو حسن اتفاق سے ایک عورت مل گئی، جس کے ساتھ پانی کا ایک مشکیزہ تھا۔ صحابہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور آپ کی اجازت سے پانی کو استعمال کیا، اگرچہ آپ نے اسی وقت اس کو پانی کی قیمت دلوادی تھی، تاہم صحابہ پر اس کے احسان کا یہ اثر تھا کہ جب اس عورت کے گاؤں کے آس پاس حملہ کرتے تھے تو خاص اس کے گھرانے کو چھوڑ دیتے تھے۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس منت پذیری کا یہ اثر ہوا کہ اس نے اپنے تمام خاندان کو قبولِ اسلام پر آمادہ کیا اور وہ سب کے سب مسلمان ہوگئے۔[3]

---

[1] موطأ امام مالک، رقم: ۱۴۷۴ [2] اسد الغابہ، رقم: ۷۴۹۶ [3] بخاری، رقم: ۳۴۴

حضرت اُمّ حکیم بنت حارث رضی اللہ عنہا کی شادی عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل سے ہوئی تھی، وہ خود تو فتح مکّہ کے دن اسلام لائیں لیکن ان کے شوہر بھاگ کر یمن چلے گئے۔ حضرت اُمّ حکیم رضی اللہ عنہا نے یمن کا سفر کیا اور ان کو دعوتِ اسلام دی، وہ مسلمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑے۔[1]

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے حالتِ کفر میں حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنا چاہا، لیکن انہوں نے کہا کہ تم کافر ہو اور میں مسلمان، نکاح کیوں کر ہو سکتا ہے؟ اگر قبولِ اسلام کر لو تو وہی میرا مہر ہوگا اس کے سوا تم سے کچھ نہ مانگوں گی۔ چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے اور اسلام ہی ان کا مہر قرار پایا۔[2]

نومسلموں کا تکفل: ابتدائے اسلام میں جو لوگ اسلام لاتے تھے ان کو مجبوراً اپنے گھر بار، اہل و عیال اور مال و جائیداد سے کنارہ کش ہونا پڑتا تھا۔ اس بنا پر اس وقت اشاعتِ اسلام کے ساتھ اسلام کی سب سے بڑی خدمت یہ تھی کہ ان نومسلموں کی کفالت کی جائے اور صحابیات اس میں نمایاں حصّہ لیتی تھیں۔ چنانچہ حضرت اُمّ شریک رضی اللہ عنہا کا گھرانہ نومسلموں کے لیے گویا مہمان خانہ بن گیا تھا، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو ان کے یہاں صرف اس بنا پر عدّت بسر کرنے کی اجازت نہیں دی کہ ان کے گھر مہمانوں کی کثرت سے پردہ کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا۔[3] حضرت درّہ بنت ابی لہب رضی اللہ عنہا بھی نہایت فیاض تھی اور مسلمانوں کو کھانا کھلایا کرتی تھیں۔[4]

خدمتِ مجاہدین: جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہ شوق غزوات میں شریک ہوتے تھے، اسی طرح صحابیات بھی خدا کی راہ میں ان سے پیچھے رہنا نہیں چاہتی تھیں، ان کے لیے سب سے زیادہ موزوں کام زخمیوں کی مرہم پٹی اور مجاہدین کے آرام و آسائش کا سامان بہم پہنچانا تھا اور وہ اس خدمت کو نہایت خلوص اور دلسوزی سے انجام دیتی تھیں۔ غزوۂ خیبر میں متعدد صحابیات

---

[1] موطأ امام مالک، رقم: ۱۱۵۶ [2] اصابہ، رقم: ۱۲۰۷۷ [3] مسلم، رقم: ۳۶۹۷ [4] اصابہ، رقم: ۱۱۱۵۴

شریکِ جہاد ہوئیں، رسول اللہ ﷺ کو ان کا حال معلوم ہوا تو ناراضگی کے لہجے میں پوچھا کہ تم کس کے ساتھ اور کس کی اجازت سے آئی ہو؟ بولیں: یارسول اللہ! ہم اون کاتتے ہیں اور اس سے خدا کی راہ میں اعانت کرتے ہیں، ہمارے ساتھ زخمیوں کے دوا علاج کا سامان ہے، لوگوں کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتے ہیں اور ستو گھول گھول کر پلاتے ہیں۔[1]

حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات لڑائیوں میں شریک ہوئیں۔ وہ مجاہدین کے اسباب کی نگرانی کرتی تھیں، کھانا پکاتی تھیں، مریضوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔[2]

غزوۂ اُحد میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا شریک تھیں، وہ اور اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا اپنی پیٹھ پر مشک لاد لاد کر لاتی تھیں اور لوگوں کو پانی پلاتی تھیں۔[3]

حضرت رُبَیّعؒ بنت معوذ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ہم سب غزوات میں شریک ہوتے تھے، پانی پلاتے تھے، مجاہدین کی خدمت کرتے تھے اور مدینہ تک زخمیوں اور لاشوں کو اُٹھا اُٹھا کر لاتے تھے۔[4]

حضرت رفیدہ رضی اللہ عنہا نے مسجد نبوی میں خیمہ کھڑا کر رکھا تھا، جو لوگ زخمی ہو کر آتے تھے وہ اسی خیمہ میں ان کا علاج کرتی تھیں۔[5] چنانچہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ غزوۂ خندق میں زخمی ہوئے تو ان کا علاج اسی خیمہ میں ہوا۔[6]

صحابیات کی یہ خدمات خود صحابہ کرام کے زمانے میں نہایت قابل قدر خیال کی جاتی تھیں اور خود خلفاء بھی ان کا لحاظ رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی عورتوں میں چادر تقسیم فرمائی، ایک عمدہ چادر رہ گئی تو کسی نے کہا کہ اپنی بیوی اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا کو دے دیجیے، بولے اُمّ سلیط رضی اللہ عنہا اس کی زیادہ مستحق ہیں کیونکہ وہ غزوۂ اُحد میں مشک بھر بھر کر پانی لاتی تھیں اور ہم کو پلاتی تھیں۔[7]

---

[1] ابوداؤد، رقم: ۲۷۲۹ [2] مسلم، رقم: ۴۶۹۰ [3] مسلم، رقم: ۴۶۸۳ [4] بخاری، رقم: ۲۸۸۳
[5] اصابہ، رقم: ۱۱۱۸۱ [6] فتح الباری، تحت رقم: ۴۱۲۱ [7] بخاری، رقم: ۲۸۸۱

خدماتِ مساجد: صحابیات مساجد کی صفائی میں نہایت اہتمام کرتی تھیں، ایک بار کسی نے مسجدِ نبوی میں تھوک دیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو اس قدر برہم ہوئے کہ چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا، ایک صحابیہ اُٹھیں اور اس کو مٹادیا اور اس کی جگہ خوشبو لگائی، آپ نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ خوب کام کیا۔[۱]

ایک صحابیہ تھیں جو ہمیشہ مسجدِ نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھیں، یہ ایک ایسا نیک کام تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی نہایت قدر فرمائی۔ چنانچہ جب ان کا انتقال ہوگیا تو صحابہ کرام نے ان کو راتوں رات دفن کر دیا اور آپ کو اس کی اطلاع نہیں دی، آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ مجھے کیوں نہیں خبر کی؟ بولے: حضور استراحت فرما رہے تھے، ہم نے تکلیف دینا گوارہ نہیں کیا۔[۲]

بدعات کا استیصال: بدعت مذہب کے لیے بہ منزلہ گُھن کے ہے، اس لیے باثر صحابیات ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتی تھیں کہ نخلِ اسلام میں یہ گُھن نہ لگنے پائے، مثلاً مسلمانوں میں غلافِ کعبہ کی جو عزّت وحرمت قائم ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب نیا غلاف چڑھایا جاتا تو اس پرانے غلاف کو چُرا چھپا کر خادموں کو کچھ دے دلا کر لے لیتے ہیں، اسی کو تبرک سمجھ کر لے آتے ہیں اور مکانوں میں رکھتے ہیں، دوستوں کو بطور سوغات کے تقسیم کرتے ہیں، قرآن میں رکھتے ہیں، مسجدوں میں لٹکاتے ہیں، اور مریض کو اس سے ہوا دیتے ہیں لیکن قرنِ اوّل میں یہ حالت نہ تھی، متولیٔ کعبہ صرف یہ کرتا تھا کہ غلاف کو زمین میں دفن کر دیتا تھا کہ وہ ناپاک انسانوں کے کام کا نہ رہے۔ شیبہ بن عثمان نے جو اس زمانہ میں کعبہ کے کلید بردار تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس واقعہ کو بیان کیا تو انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ تعظیم غیر شرعی ہے، خدا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا حکم نہیں دیا اور ممکن ہے کہ آئندہ اس سے سوئے اعتقاد اور بدعات کا سرچشمہ پھوٹے، اس لیے شیبہ سے کہا کہ یہ اچھی بات نہیں، تم بُرا کرتے ہو۔ جب غلاف کعبہ سے اُتر گیا اور کسی نے اس کو ناپاکی کی حالت میں استعمال بھی کر لیا تو کوئی مضائقہ نہیں، تم کو چاہیے کہ اس کو بیچ ڈالا کرو اور اس کی قیمت غریبوں اور مسافروں کو دے دیا کرو۔[۳]

---

[۱] نسائی، رقم: ۷۲۹ [۲] سنن ابن ماجہ، رقم: ۱۵۲۸ [۳] السنن البیہقی، رقم: ۹۷۳۱

احتساب: جو چیز مذہب اور اخلاق کو صحیح اُصول پر قائم رکھتی ہے شریعت کی اصطلاح میں اس کا نام ''احتساب'' ہے اور خود رسول اللہ ﷺ نے اس کے تین درجے مقرّر فرما دیے ہیں:

مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانُ۔[1]

''تم میں سے جو شخص کسی بُرائی کو دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دے، اگر اس میں اس کی طاقت نہیں ہے تو زبان سے اس کا انکار کرے اور اگر یہ بھی نہیں کرسکتا تو دل سے اس کو بُرا سمجھے اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔''

اور باا ثر صحابیات نے پہلے دونوں طریقوں سے اس مذہبی خدمت کو انجام دیا ہے۔ ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک گھر میں مہمان اُتریں، میزبان کی دو لڑکیوں کو جو جوان ہو چکی تھیں دیکھا کہ بے چادر نماز پڑھ رہی ہیں، تاکید کی کہ آئندہ کوئی لڑکی بے چادر اوڑھے ہوئے نماز نہ پڑھے رسول اللہ ﷺ نے یہی فرمایا ہے۔[2]

ایک دفعہ ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما آئے اور معمولی جھٹ پٹ وضو کر کے چلے گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ٹوکا کہ عبدالرحمٰن! وضو اچھی طرح کیا کرو، رسول اللہ ﷺ کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ وضو میں جو عضو نہ بھیگے اس پر جہنّم کی پھٹکار ہو۔[3]

ایک بار انھوں نے ایک عورت کو دیکھا کہ اس کی چادر میں صلیب کے نقش و نگار بنے ہوئے ہیں، دیکھنے کے ساتھ ڈانٹا کہ یہ چادر اُتار دو، رسول اللہ ﷺ ایسے کپڑوں کو دیکھتے تھے تو پھاڑ ڈالتے تھے۔[4]

ایک بار ان کی بھتیجی حفصہ بنت عبدالرحمٰن نہایت باریک دوپٹہ اُوڑھ کر سامنے آئیں، دیکھنے کے ساتھ ہی غصّہ سے دوپٹہ کو چاک کر دیا۔ پھر فرمایا: ''تم نہیں جانتیں کہ سورۂ نور میں خدا نے کیا احکام نازل فرمائے ہیں؟ اس کے بعد گاڑھے کا دوسرا دوپٹہ منگوا کر اُوڑھایا۔''[5]

---

[1] مسلم، رقم: ۱۷۷ [2] مسند، رقم: ۲۴۶۴۶ [3] مسند، رقم: ۲۴۱۲۳

[4] مسند، رقم: ۲۵۰۹۱ [5] موطأ امام مالک، رقم: ۱۶۹۳

اخلاقی خدمات

نرد بازی کی روک ٹوک: فتوحاتِ عجم کے بعد عرب میں نرد بازی، شطرنج بازی اور مرغ بازی وغیرہ کا رواج ہوا تو صحابیات نے اس پر شدت کے ساتھ دارو گیر کی۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں کچھ کرایہ دار رہتے تھے، ان کی نسبت ان کو معلوم ہوا کہ وہ نرد کھیلتے ہیں تو سخت برافروختہ ہوئیں اور کہلا بھیجا کہ اگر نرد کی گوٹیوں کو میرے گھر سے باہر نہ پھینک دو گے تو میں اپنے گھر سے نکلوا دوں گی۔[1]

شراب خوری کی روک ٹوک: فتحِ عجم کے بعد اہل عرب شراب کے جدید اقسام و نام سے آشنا ہوئے، جن میں ایک باذق تھا (یعنی بادہ) چونکہ عربی میں شراب کو خمر کہتے ہیں اور اس کا اطلاق صرف انگوری شراب پر ہوتا ہے، اس بنا پر لوگوں کو شبہ ہوا کہ ان شرابوں کا کیا حکم ہے؟ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی مجلس میں باعلان کہہ دیا کہ شراب کے برتنوں میں چھوارے تک نہ بھگوئے جائیں۔ پھر عورتوں کی طرف خطاب کر کے کہا: اگر تمہارے مٹکوں کے پانی سے بھی نشہ آئے تو وہ بھی حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشئی چیز سے منع فرمایا ہے۔[2]

مصنوعی بال لگانے کی ممانعت: قدیم زمانہ میں یہودیہ عورتوں میں جو بداخلاقیاں پھیل گئی تھیں، ان میں ایک یہ تھی کہ جن عورتوں کے بال جھڑ جاتے تھے وہ مصنوعی بال لگا لیتی تھیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان عورتوں کو اس کی ممانعت فرما دی تھی۔ آپ کے بعد جب مسلمان عورتوں نے بھی یہی روش اختیار کی تو صحابیات رضی اللہ عنہن نے اس پر شدت سے روک ٹوک کی۔ چنانچہ ایک دفعہ کسی عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ میری بیٹی دلہن بنی ہے لیکن بیماری سے اس کے بال جھڑ گئے ہیں، کیا مصنوعی بال جوڑ دوں؟ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے۔[3]

---

[1] الادب المفرد، رقم: ۱۳۱۰ [2] سنن نسائی، رقم: ۵۵۹۴ [3] مسند، رقم: ۲۴۸۰۳

علمی خدمات

علم تفسیر: قرآن مجید ایک ایسی مقدس اور ایک ایسی بزرگ ترین کتاب ہے کہ اگر اس کی ایک آیت بھی کسی کی شان میں نازل ہو جائے تو وہ اسکے شرف کے لیے کافی ہے، چنانچہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے متعلق قرآن مجید کی جو آیت نازل ہوئی تھی اس پر وہ فخر کیا کرتی تھیں۔

ایک سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک ہار گم ہو گیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تلاش میں چند صحابہ کرام کو بھیجا، وہ اس کی تلاش میں نکلے تو راستے میں نماز کا وقت ہو گیا اور لوگوں نے بغیر وضو کے نماز پڑھی، واپس آئے تو آپ سے اس کی شکایت کی، اس پر آیتِ تیمّم نازل ہوئی۔ حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بڑی فضیلت سمجھا اور ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا:

جَزَاكِ اللّٰهُ خَيْرًا فَوَاللّٰهِ مَانَزَلَ بِكِ اَمْرٌ قَطُّ اِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ لَكِ مِنْهُ مَخْرَجًا وَجَعَلَ لِلْمُسْلِمِيْنَ فِيْهِ بَرَكَةً۔[1]

''خدا تم کو جزائے خیر دے تم کو کوئی ایسا حادثہ پیش نہیں آیا، جس سے خدا نے تمہارے نکلنے کا راستہ نہیں بنایا اور مسلمانوں کے لیے وہ ایک برکت بن گیا۔''

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ۔[2]

''خدا نے اس عورت کی بات سن لی جو تم سے جھگڑتی ہے۔''

اور اس نے ان کے رتبے کو اس قدر بلند کیا تھا کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد سے آ رہے تھے، راہ میں ان سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے ان کو سلام کیا۔ بولیں: ''اے عمر! میں نے تمہارا وہ زمانہ دیکھا ہے، جب تم کو لوگ بازارِ عکاظ میں عمر کہتے تھے اور اب تو تمہارا لقب امیر المومنین ہے۔ پس رعایا کے معاملے میں خدا سے ڈرو اور یقین کرو کہ جو شخص عذابِ الٰہی سے ڈرے گا اس پر بعید قریب ہو جائے گا اور جو موت سے ڈرے گا اس کو فوت ہونے کا خوف

[1] بخاری، رقم: ۵۱۶۴ [2] سورۂ مجادلہ: ۱

لگا رہے گا۔" ایک شخص جو ساتھ میں تھے، بولے: بی بی! تم نے تو امیر المومنین کو بہت کچھ کہہ ڈالا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جانے دو، یہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا ہیں اور عبادہ بن صامت کی بیوی ہیں۔ اللہ نے سات آسمانوں کے اوپر سے ان کی بات سن لی تھی، پھر عمر کو تو اور سننا چاہیے۔[1]

لیکن جس کتاب کی ایک آیت بھی انسانی شرف وعزّت کے لیے کافی ہے، اس کا ایک خاص حصّہ صحابیات کے متعلق نازل ہوا ہے یعنی ایک مستقل سورۂ (نساء) خاص طور پر صحابیات کے احکام ومعاملات کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ سورۂ نور کی متعدّد آیتیں بھی انہی کے ساتھ مخصوص ہیں، ان کے علاوہ اور بھی متعدّد آیتیں ان کی شان میں نازل ہوئی ہیں، اس بنا پر اگرچہ ان آیتوں اور ان سورتوں کے شانِ نزول اور ان کی تفسیر سے اکثر صحابیات کو تعلّق ہے تاہم عام طور پر تفسیر کے جو معنی سمجھے جاتے ہیں اور جس معنی کی رو سے ایک شخص مفسّر کہا جاسکتا ہے، اس کے لحاظ سے تمام صحابیات میں صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا علم تفسیر میں اکابر صحابہ کی ہمسر ہیں اور انہوں نے نہایت دقیق آیتوں کی تفسیریں کی ہیں۔ ان سے احادیث کی کتابوں میں جو تفسیری روایات مذکور ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ آیتیں ہیں جن کے متعلق ان کے دل میں کوئی بات کھٹکی ہے اور انہوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار فرمایا ہے اور آپ نے ان کی تفسیر کی ہے، مثلاً:[2] ایک دفعہ آپ نے بیان فرمایا کہ مَنْ حُوسِبَ عُذِّبَ قیامت میں جس کا حساب ہوگا اس پر عذاب ہوگیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یارسول اللہ! خدا تو فرماتا ہے:

فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝[3]

"اور اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔"

آپ نے فرمایا: "یہ اعمال کی پیشی ہے لیکن جس کے اعمال میں جرح قدح شروع ہوئی تو وہ برباد ہی ہوا۔ ایک دفعہ انہوں نے پوچھا، یارسول اللہ! خدا فرماتا ہے:

---

[1] اصابہ، رقم: ۱۱۱۱۸ [2] بخاری، رقم: ۱۰۳ [3] سورۂ انشقاق: ۸

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوَاتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ○[1]

''جس دن زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی بدل دیا جائے گا اور تمام مخلوق خدائے واحد قہار کے روبہ رو ہو جائے گی۔''

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ آیت پڑھی:

وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِيْنِهٖ[2]

''تمام زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے۔''

لیکن جب زمین و آسمان کچھ نہ ہوگا تو لوگ کہاں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: صراط پر۔

قرآن مجید کی ایک آیت پڑھی:

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رَاجِعُوْنَ○[3]

''اور جو لوگ کہ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل ڈر رہے ہیں اس لیے کہ ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو شک تھا کہ جو چور ہے، بدکار ہے، شرابی ہے لیکن خدا سے ڈرتا ہے کیا وہ بھی اس سے مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں عائشہ! اس سے وہ مراد ہے جو نمازی ہے، روزہ دار ہے، زکوٰۃ دیتا ہے اور پھر خدا سے ڈرتا ہے۔''

دوسری وہ آیتیں ہیں جن کے متعلق دوسروں کے دل میں کوئی شبہ پیدا ہوا ہے اور انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کے متعلق سوال کیا ہے جس کا انہوں نے نہایت خوبی کے ساتھ ازالہ کیا ہے۔ مثلاً:

(۱) اعمالِ حج میں سے ایک کوہ صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا بھی ہے، قرآن مجید میں اس کے متعلق حسب ذیل الفاظ ہیں:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا[4]

---

[1] سورۂ ابراہیم: ۴۸ [2] سورۂ زمر: ۶۷ [3] سورۂ مومنون: ۶۰ [4] سورۂ بقرہ: ۱۵۸

''صفا اور مروہ کی پہاڑیاں شعائرِ الٰہی میں سے ہیں، پس جو خانۂ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے، کچھ مضائقہ نہیں اگر وہ ان کا بھی طواف کرے۔''

عروہ نے کہا: خالہ جان! اس کے تو یہ معنی ہوئے ہیں کہ اگر کوئی طواف نہ کرے تو بھی کچھ حرج نہیں۔ فرمایا: بھانجے! تم نے ٹھیک کہا، اگر آیت کا مطلب وہ ہوتا جو تم سمجھ رہے ہو تو خدا یوں فرماتا:

لَا جُنَاحَ اَنْ لَا یَطَّوَّفَ بِهِمَا.

''اگر ان کا طواف نہ کرو تو کچھ حرج نہیں۔''

اصل میں یہ آیت انصار کی شان میں نازل ہوئی ہے، اوس و خزرج اسلام سے پہلے منات کو پکارا کرتے تھے، منات مشلّل میں نصب تھا، اس لیے صفا اور مروہ کے طواف کو وہ بُرا جانتے تھے، اسلام لائے تو آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ ہم لوگ پہلے ایسا کیا کرتے تھے، اب کیا حکم ہے؟ اس پر خدا نے ارشاد فرمایا کہ صفا اور مروہ کا طواف کرو اس میں کوئی مضائقہ کی بات نہیں۔

ابو بکر بن عبد الرحمٰن ایک محدّث تھے، ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ تقریر معلوم ہوئی تو انہوں نے کہا: ''علم اس کو کہتے ہیں۔''

(۲) قرآن مجید کی ایک آیت ہے:

حَتّٰی اِذَا اسْتَیْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْآ اَنَّهُمْ قَدْ کُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا.[۱]

''یہاں تک کہ جب پیغمبر نا امید ہو گئے اور ان کو خیال ہوا کہ وہ جھوٹے بولے گئے، تو ہماری مدد آ گئی۔''

عروہ نے پوچھا: کُذِبُوْا (جھوٹ بولے گئے) یعنی اُن سے جھوٹ وعدہ کیا گیا یا کُذِّبُوْا (وہ جھٹلائے گئے)؟ فرمایا: کُذِّبُوْا (جھٹلائے گئے)۔ عروہ نے کہا کہ اس کا تو ان کو یقین ہی تھا کہ وہ جھٹلائے گئے اور ان کی قوم نے ان کی نبوّت کی تکذیب کی، یہ ظن اور خیال تو نہ تھا، اس لیے کُذِبُوْا (ان سے جھوٹ وعدہ کیا گیا) صحیح ہے۔ بولیں: معاذ اللہ! پیغمبرانِ الٰہی خدا کی

---

[۱] سورۂ یوسف: ۱۱۰

نسبت یہ گمان نہیں کر سکتے کہ اس نے ان سے امداد و نصرت کا جھوٹا وعدہ کیا۔ عروہ نے پوچھا کہ پھر آیت کا مطلب کیا ہے؟ فرمایا کہ یہ پیغمبروں کے پیرووں کے متعلق ہے کہ جب انہوں نے ایمان قبول کیا اور نبوّت کی تصدیق کی اور ان کی قوم نے ان کو ستایا اور مددِ الٰہی میں ان کو تاخیر نظر آئی، یہاں تک کہ پیغمبر اپنی قوم کے منکرینِ ایمان سے ناامید ہوگئے تو ان کو خیال ہوا کہ شاید اس تاخیر کے سبب سے مومنین بھی ہماری تکذیب نہ کردیں کہ دفعۃً خدا کی مدد آگئی۔

(۳) جس آیت پاک میں چار بیویوں تک کی اجازت دی گئی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَاطَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ[۱]

''اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیموں کے بارے میں تم انصاف نہ کرسکو گے تو عورتوں میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کرلو۔''

بہ ظاہر آیت کے پہلے اور پچھلے ٹکڑوں میں ربط نہیں معلوم ہوتا، یتیموں کے حقوق میں عدمِ انصاف اور چار نکاح کی اجازت میں باہم کیا تعلّق ہے؟ چنانچہ ایک شاگرد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اس اشکال کو پیش کیا تو فرمایا کہ آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ بعض لوگ یتیم لڑکیوں کے ولی ہوجاتے تھے، ان سے موروثی رشتہ داری ہوتی تھی اور وہ اپنی ولایت کے زور سے چاہتے کہ ان سے نکاح کرکے ان کی جائیداد پر قبضہ کرلیں اور چونکہ ان کی طرف سے کوئی بولنے والا نہیں ہوتا، اس لیے مجبور پاکر اُن کو ہر طرح دباتے تھے۔ خدائے پاک انہی لوگوں کو خطاب کرتا ہے کہ اگر تم ان یتیم لڑکیوں کے معاملے میں انصاف سے پیش نہ آسکو تو ان کے علاوہ اور عورتوں سے دو، تین، چار نکاح کرلو مگر ان کو نکاح کرکے اپنے قابو میں نہ لے آؤ۔

(۴) اسی سورت میں ایک اور آیت ہے:

وَیَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَآءِ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِیْھِنَّ وَمَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ فِی الْکِتٰبِ فِیْ یَتٰمَی النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَاتُؤْتُوْنَھُنَّ مَاکُتِبَ لَھُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْکِحُوْھُنَّ[۲]

[۱] سورۂ نساء:۳ [۲] سورۂ نساء:۱۲۷

''ان لڑکیوں کی نسبت لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں، کہہ دے کہ خدا ان کے حق میں فیصلہ کرتا ہے، اس کتاب میں (قرآن) جو کچھ تم لوگوں کو پڑھ کر سنایا گیا ہے، ان یتیم لڑکیوں کی نسبت جن کو نہ تو تم ان کے مقررہ حقوق دیتے ہو اور نہ خود ان سے نکاح کرنا چاہتے ہو۔''

کسی سائل نے اس کے بعد اس آیت کا مطلب دریافت کیا تو فرمایا کہ اس آیت میں یہ جو ارشاد ہوا ہے کہ قرآن مجید میں پہلے جو کچھ ان کے بارے میں پڑھ کر سنایا گیا ہے، اس سے وہی پہلی آیت مراد ہے۔ یہ حکم ان اولیاء سے متعلق ہے جو یتیم لڑکیوں کو نہ خود اپنے نکاح میں لاتے ہیں کہ وہ حسن سے محروم ہیں اور نہ دوسروں سے ان کا نکاح کر دینا پسند کرتے ہیں کہ جائیداد مشترکہ کے ہاتھ سے نکل جانے کا خوف ہے۔

(۵) اس آیت کے مطلب میں لوگوں کو اختلاف ہے۔

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ.[۱]

''جو تونگر ہو اس کو اس سے بچنا چاہیے اور جو تنگ دست ہو، وہ قاعدہ کے مطابق اس سے لے لے۔''

یہ آیت اولیائے یتامیٰ کی شان میں ہے کہ وہ اگر محتاج ہوں تو یتیموں کے مال میں سے لے کر کھا سکتے ہیں۔ لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت حسب ذیل آیت سے منسوخ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتَامٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا.[۲]

''جو لوگ ظلم کر کے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ کھاتے ہیں۔''

لیکن اس آیت میں تو یہ سزا ان لوگوں کے لیے بیان کی گئی ہے جو ظلم کر کے یتیموں کا مال کھاتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس آیت میں کھانے کی اجازت ہے وہ ان لوگوں کے لیے ہے جو یتیموں کی جائیداد کی دیکھ بھال کرتے ہیں، ان کا کاروبار سنبھالتے ہیں۔ اگر

---

[۱] سورۂ نساء:۶ [۲] سورۂ نساء:۱۰

ولی صاحبِ استطاعت ہے تو اس کو اس خدمت کا معاوضہ نہ لینا چاہیے اور اگر وہ مفلس اور تنگ دست ہے تو قاعدے کے مطابق حسب حیثیت لے سکتا ہے، اس تفسیر کی بنا پر دونوں آیتوں میں کوئی تخالف نہیں ہے۔

(۶) عورت کو اگر شوہر سے شکایت ہو تو اس موقع کی آیت ہے:

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَّالصُّلْحُ خَيْرٌ۔[۱]

''اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے نارضامندی اور اعراض کا خوف ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ دونوں آپس میں صلح کر لیں اور صلح تو ہر حال میں بہتر ہے۔''

لیکن دفعِ ناراضی کے لیے صلح کرنا تو ایک عام ہے، اس کے لیے خدائے پاک کو اس حکم کے نازل کرنے کی کیا حاجت تھی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آیت اس عورت کی شان میں ہے جس کا شوہر اس کے پاس زیادہ آتا جاتا نہیں، یا بیوی سن سے اُتر گئی ہے اور شوہر کی خدمت گزاری کے قابل نہیں رہی ہے۔ زن وشوئی کے باہمی فرائض انجام دینا ایک فرض دینی ہے لیکن اس خاص حالت میں اگر بیوی طلاق لینا پسند نہ کرے اور اپنے عام حقوق سے شوہر کو سبکدوش کر دے تو یہ باہمی مصالحت بُری نہیں بلکہ قطعی علیحدگی سے بہتر ہے۔

ان آیات کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور آیتوں کی تفسیریں بھی مروی ہیں لیکن ہم نے جن آیتوں کی تفسیریں درج کی ہیں، اُن سے دقّتِ نظری کے علاوہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جو آیتیں عورتوں کے نکاح وطلاق کے معاملات سے تعلّق رکھتی ہیں، ان کا مطلب انہوں نے کس قدر سمجھا ہے اور کس طرح انکو یاد رکھا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اگر عورتیں اپنے حقوق کا تحفّظ کرنا چاہتی ہیں تو ان کو قرآن وحدیث کی صحیح تعلیم کی طرف خصوصیّت کے ساتھ توجہ کرنی چاہیے۔

علم اسرار الدین: علم اسرار الدین اس علم کو کہتے ہیں جن میں احکام شریعت کے علل واسباب اور ان کے حِکَم ومصالح بیان کیے جاتے ہیں اور یہ علم اس قدر دقیقہ سنجی پر مبنی ہے کہ صرف چند

---

[۱] سورۂ نساء: ۱۲۸

فقہائے صحابہ یعنی حضرت عمر، حضرت علی، حضرت زید اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہم نے اس کے اصول وقواعد ممہد کیے ہیں، باقی اس فن میں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی مساعیٔ جمیلہ کا حصّہ بہت کم شامل ہے، بالخصوص اس میں صحابیات رضی اللہ عنہن کے کارنامے تو بالکل نظر نہیں آتے لیکن تنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے شریعت کے جن رموز واسرار کی گرہ کشائی کردی ہے، وہ صحابیات کی اس کمی کو پورا کردیتی ہے بلکہ اس فن میں خود صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی ان کا پلہ بھاری نظر آتا ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس علم کے متفرق مسائل احادیث کی کتابوں میں مذکور ہیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مسائل کی تعداد اُن سے کئی گنا زیادہ ہے اور انہوں نے مذکورہ بالا صحابہ سے بہت زیادہ شریعت کے اسرار ومصالح کے پردہ کشائی کی ہے اور بکثرت مسائل کے علل و اسباب بیان کیے ہیں، مثلاً: عہدِ نبوّت میں عورتوں کی اخلاقی حالت چونکہ قابل اعتماد تھی، اس لیے ان کو حضورِ صلوٰۃ اور شرکتِ جماعت کی اجازت تھی لیکن جب اخیرِ زمانہ میں عورتوں کے نظامِ اخلاق میں انحطاط پیدا ہوگیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے صاف صاف کہہ دیا:

لَوْ اَدْرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا اَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسْجِدَ كَمَا مُنِعَهُ نِسَاءُ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ۔[1]

''عورتوں نے اپنی حالت میں جو تغیّرات پیدا کرلیے ہیں، اگر رسول اللہ ﷺ ان کو دیکھتے تو ان کو مسجد میں آنے سے روک دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں۔''

قرآن مجید کی مکّی اور مدنی سورتوں میں متعدّد فروق و امتیازات ہیں، مثلاً: جو سورتیں مکّہ میں نازل ہوئیں، ان میں زیادہ تر عقائد اور وقائعِ اخروی کا ذکر ہے اور مدنی سورتوں میں بتدریج اَوامر ونَواہی کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ اسلام ایک جاہل قوم میں آیا ہے اس لیے اس کو پہلے خطیبانہ وَاعظانہ طریقہ سے جنّت اور دوزخ کا حال سنایا گیا، جب اس سے لوگ متاثر ہوچکے تو اسلام کے احکام وقوانین اور اوامر ونواہی نازل ہوئے۔ اگر زنا وشراب خواری وغیرہ سے

---

[1] ابوداود، رقم: ۵۶۹

اجتناب کا پہلے ہی دن مطالبہ کیا جاتا تو دفعۃً کون اس نامانوس آواز کو سنتا؟ اس قسم کے امتیازات وفروق کے دریافت کرنے پر یورپ کے علمائے مستشرقین کو بڑا ناز ہے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پہلے ہی دن اس راز کو فاش کر دیا تھا، صحیح بخاری میں ان سے مروی ہے:

اِنَّمَا نَزَلَ اَوَّلَ مَانَزَلَ مِنْهُ سورةٌ من المُفَصَّلِ فِيُهَا ذِكُرُ الجَنَّةِ والنَّارِ حتى اذا ثَابَ النَّاسُ اِلَى الاِسُلَامِ نَزَلَ الُحَلَالُ وَالُحَرَامُ لو نَزَلَ اَوَّلَ شَيءٍ لَا تَشُرَبُوا الخمرَ، لَقَالُوُا: لا ندعُ الخَمُرَ ابداً، ولو نزَلَ لَاتَزُنُوا، لقالوا: لاندع الزنا ابداً. لَقَدُ نَزَلَ بِمَكَّة عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ واِنّى لَجَارِيَةٌ اَلُعَبُ ﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوُعِدُهُمُ وَالسَّاعَةُ اَدُهىٰ واَمَرُّ﴾ ومانزلت سورة البقرة والنساء الاو أنا عنده۔[1]

''قرآن کی سب سے پہلی سورت جو نازل ہوئی وہ مفصّل کی سورت ہے جس میں جنّت و دوزخ کا ذکر ہے، یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے تو پھر حلال وحرام اُترا، اگر پہلے یہ اُترتا کہ شراب مت پیو تو لوگ کہتے کہ ہم ہرگز شراب نہ چھوڑیں گے اور اگر یہ اُترتا کہ زنا نہ کرو تو کہتے کہ ہم ہرگز نہیں زنا چھوڑیں گے۔ مکّہ میں جب میں کھیلتی تھی تو یہ اُترا کہ ان کے وعدہ کا دن قیامت ہے اور قیامت نہایت سخت اور نہایت تلخ چیز ہے۔ سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء جب اُتریں تو میں آپ کی خدمت میں تھی۔''

اسلام کے ظہور سے پہلے مدینہ میں قبائل باہم خانہ جنگیوں میں مصروف تھے جن میں ان کے اکثر ارباب اِدّعا جو اپنے اقتدار کے تحفّظ کے لیے ہر نئی تحریک کی کامیابی میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں، قتل ہوگئے۔ انصار ان لڑائیوں سے اس قدر چُور ہوگئے تھے کہ اسلام آیا تو ان سب نے اس کو اپنے لیے رحمت سمجھا چونکہ ارباب ادعا کا طبقہ مفقود ہو چکا تھا، اس لیے ان کی راہ میں کسی نے موانع پیدا نہیں کیے۔ اس طریقہ سے خدائے پاک نے ہجرت سے پہلے ہی

---

[1] رقم الحدیث: ۴۹۹۳

مدینہ میں اسلام کی ترقی کے راستے صاف کردیئے تھے، یورپ کے فلسفۂ تاریخ نے آج اس نکتہ کو حل کیا ہے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے پہلے ہم کو بتادیا تھا:

كَانَ يومُ بُعاثَ يوماً قَدَّمَهُ اللّٰهُ لِرَسُولِه ﷺ فَقدِمَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ وَقَد افتَرَقَ مَلَؤُهُم و قُتِلَتْ سَرَوَاتهُم وَجُرِّحُوا، قَدَّمهُ اللّٰهُ لِرسوله ﷺ فِي دُخُولِهِم فِي الإسلام۔[1]

''جنگ بعاث وہ واقعہ تھا جس کو خدا نے اپنے رسول کے لیے پہلے ہی سے پیدا کردیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں آئے تو انصار کی جمعیت منتشر ہوگئی تھی اور ان کے سردار مارے جاچکے تھے، اس لیے خدا نے اپنے رسول کے لیے ان کے حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کے لیے یہ واقعہ پہلے ہی سے مہیا کردیا ہے۔''

جن نمازوں میں چار رکعتیں ہوتی ہیں، قصر کی حالت میں ان کی صرف دو رکعتیں ادا کی جاتی ہیں، بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ چار میں سے دو سہولت کی خاطر ساقط کردی گئی ہیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی وجہ یہ بتاتی ہیں:

فُرِضَتِ الصَّلٰوۃُ رَکعَتَینِ ثم ھَاجر النبیُّ ﷺ ففُرِضَتْ اَربعًا وتُرِکَتْ صلٰوۃُ السفرِ عَلَی الْاُولٰی۔[2]

''مکہ میں دو رکعتیں نمازیں فرض تھیں جب آپ نے ہجرت فرمائی تو چار فرض کی گئیں اور سفر کی نماز اپنی قدیم حالت پر چھوڑ دی گئی۔''

عبادت کا تو خدا نے ہر وقت حکم دیا ہے لیکن احادیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نمازِ عصر اور نمازِ فجر کے بعد کوئی نماز یعنی نفل وسنت بھی جائز نہیں، اس سے بہ ظاہر اس ممانعت کی کوئی وجہ نظر نہیں آئی لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی یہ وجہ بیان فرماتی ہیں:

وَھِمَ عُمَرُ اِنَّمَا نَھی رسُولُ اللّٰہِ ﷺ عَنِ الصلوۃِ ان یُّتحرّی طَلوعَ الشَّمسِ و غُرُوبُھا۔[3]

''عمر کو وہم ہوا، آپ نے صرف اس طرح نماز سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص آفتاب

---

[1] بخاری، رقم: ۳۸۴۶ [2] بخاری، رقم: ۳۹۳۵ [3] مسند احمد، رقم: ۲۴۹۳۱

کے طلوع یا غروب کے وقت کو تاک کر نماز نہ پڑھے۔“

یعنی آفتاب پرستی کا شبہ نہ ہو، آفتاب پرستوں کے ساتھ وقتِ عبادت میں تشابہ نہ ہو۔ احادیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھ کر نفل پڑھتے تھے، اس بنا پر لوگ بغیر کسی عذر کے بھی بیٹھ کر نفل پڑھنا مستحب سمجھتے ہیں، ایک شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ کیا آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے؟ جواب دیا:

حِيْنَ حَطَمَهُ النَّاسُ۔[1]

”یہ اس وقت تھا جب لوگوں نے آپ کو توڑ دیا، یعنی آپ کمزور ہو گئے۔“

ابوداؤد اور مسلم میں ان سے اس قسم کی اور روایتیں بھی مروی ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کبرِ سنی اور ضُعف کی وجہ سے ایسا کرتے تھے۔

ہجرت کے بعد جب نمازوں میں دو رکعتوں کے بجائے چار رکعتیں ہوگئیں تو مغرب میں یہ اضافہ کیوں نہیں کیا گیا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کا جواب یہ دیتی ہیں:

فَاِنَّهَا وِتْرُ النَّهَارِ.

”مغرب میں اضافہ نہ ہوا کیونکہ وہ دن کی وتر ہے۔“

یعنی جس طرح رات کی نمازوں میں تین رکعتیں وتر کی ہیں، اسی طرح دن کی نمازوں میں وتر کی یہ تین رکعتیں ہیں۔

نماز فجر میں تو اطمینان زیادہ ہوتا ہے اس لیے اس میں رکعتیں اور زیادہ ہونی چاہئیں لیکن اور نمازوں سے کم ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی وجہ یہ بیان فرماتی ہیں:

وَصَلٰوةُ الْفَجْرِ لِطُوْلِ قِرَاءَ تِهَا.[2]

نماز فجر میں رکعات کا اضافہ اس لیے نہیں ہوا کہ دونوں رکعتوں میں لمبی سورتیں پڑھی جاتی ہیں۔“

یعنی رکعتوں کی کمی کو طولِ قرأت نے پورا کر دیا۔

اہلِ جاہلیت عاشورا کا روزہ رکھتے تھے اور وہ فرضیتِ صوم سے پہلے اسلام میں بھی واجب رہا۔

---

[1] ابوداؤد، رقم: ۹۵۶ [2] مسند، رقم: ۲۶۰۴۲

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے اسی قسم کی روایت احادیث میں مذکور ہے لیکن وہ نہیں بیان کرتے کہ جاہلیت میں اس دن کیوں روزہ رکھا جاتا تھا؟ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کا سبب یہ بیان فرماتی ہیں:

كَانُوا يَصُومُونَ يَوْمَ عَاشُوْرَاء قَبْلَ اَنْ يُفْرَضَ رَمْضَانُ وَ كَانَ يَوْمًا فِيهِ تُسْتَرُ الكَعْبَة.[1]

''اہل عرب رمضان کی فرضیت سے پہلے عاشورا کے دن کا روزہ رکھتے تھے کیونکہ اس روز کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا۔''

باوجودیکہ آپ ہمیشہ تہجد پڑھتے تھے لیکن رمضان کے پورے مہینے میں آپ نے تراویح نہیں پڑھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی یہ وجہ بیان فرماتی ہیں کہ پہلے دن جب آپ نے مسجد میں نمازِ تراویح ادا فرمائی تو کچھ اور لوگ بھی شریک ہوگئے، دوسرے دن اور زیادہ مجمع ہوا، تیسرے دن اور بھی جمع ہوئے، چوتھے دن اتنا مجمع ہوا کہ مسجد میں جگہ نہ رہی لیکن آپ باہر تشریف نہ لائے اور لوگ مایوس ہو کر چلے گئے۔ صبح کو آپ نے لوگوں کو فرمایا:

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّهُ لَم يَخفَ عَلَيَّ شَانُكُم اللَّيلَة وَلٰكِنِّي خَشِيتُ اَنْ تُفرَضَ عَلَيكُم صَلاةُ اللَيلِ فَتَعجِزُوا عَنهَا.

''رات تمہاری حالت مجھ سے پوشیدہ نہ تھی لیکن مجھے ڈر ہوا کہ کہیں تم پر تراویح فرض نہ ہو جائے اور تم اس کے ادا کرنے سے قاصر رہو۔''

حج کے بعض ارکان مثلاً طواف کرنا، بعض مقامات میں دوڑنا، کہیں کھڑا ہونا، کہیں کنکری پھینکنا بظاہر فعل عبث معلوم ہوتے ہیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

اِنَّمَا جُعِلَ الطَّوَافُ بِالبَيتِ و بَالصَّفَا وَالمَرْوَةَ وَرَمْيِ الجِمَارِ لِاِقَامَةِ ذكر اللّٰه عَزّو جَلّ.[2]

''خانۂ کعبہ صفا مروہ کا طواف کنکریاں پھینکنا تو صرف خدا کے یاد کرنے کیلئے ہے۔''

قرآن مجید کے اشارات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں یہ بھی

---

[1] مسند، رقم: ۲۶۰۶۸ [2] مسند احمد بن حنبل، رقم: ۲۴۳۵۱

ایک طرزِ عبادت تھا۔ چونکہ حج یادگارِ ابراہیمی ہے، اس لیے وہی طرزِ عبادت قائم رکھا گیا۔ مکہ معظمہ کے پاس مُحَصَّبْ نامی ایک وادی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے ایامِ حج میں قیام فرمایا تھا اور آپ کے بعد خلفائے راشدین بھی اس میں قیام فرماتے رہے، اس بنا پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس کو سُنَنِ حج میں شمار کرتے تھے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کو سنت نہیں سمجھتی تھیں اور آپ کے قیام کی وجہ بیان فرماتی تھیں:

اِنَّمَا نَزَلَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِاَنَّهٗ كَانَ مَنْزِلًا اَسْمَحَ لِخُرُوْجِهٖ.

''آپ نے یہاں صرف اسلیے قیام کیا تھا کہ یہاں سے چلنے میں آسانی ہوتی ہے۔''

حضرت ابن عباس اور ابورافع رضی اللہ عنہما بھی اس مسئلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہم زبان ہیں۔[1]

ایک دفعہ آپ نے حکم دیا تھا کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ رکھا جائے، بہت سے صحابہ کرام اس حکم کو دائمی سمجھتے تھے لیکن متعدد صحابہ کے نزدیک یہ حکم وقتی تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ان ہی لوگوں میں ہیں اور اس وقتی حکم کا سبب یہ بتاتی ہیں:

لَا، وَلٰكِنْ لَمْ يَكُنْ يُضَحِّي مِنْهُنَّ اِلَّا قَلِيْلٌ فَفَعَلَ ذٰلِكَ لِيُطْعِمَ مَنْ ضَحّٰى مَنْ لَمْ يُضَحِّ.[2]

''یہ نہیں ہے کہ قربانی کا گوشت تین دن کے بعد حرام ہو جاتا ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں کم لوگ قربانی کر سکتے تھے اس لیے آپ نے یہ حکم دیا کہ جو لوگ قربانی کریں وہ ان لوگوں کو کھلائیں جنہوں نے قربانی نہیں کی ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہی حدیث امام مسلم نے ایک خبر کی صورت میں بیان کی ہے یعنی یہ کہ ایک سال مدینہ کے آس پاس دیہاتوں میں قحط پڑا، اس سال آپ نے یہ حکم دیا اور دوسرے سال جب قحط نہیں رہا، اس کو منسوخ فرما دیا۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے۔[3]

کعبہ کے ایک طرف کی دیوار کے بعد کچھ حصّہ چھوڑا ہوا تھا، جس کو حطیم کہتے ہیں اور طواف میں اس کو بھی اندر داخل کر لیتے ہیں۔ لیکن ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جو حصّہ

---

[1] مسلم، رقم: ۳۱۶۹ [2] مسند، رقم: ۲۴۷۰۷ [3] مسلم، رقم: ۵۱۰۳

کعبہ کے اندر داخل نہیں اس کو طواف میں کیوں شامل کرتے ہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: یارسول اللہ! یہ دیواریں بھی خانۂ کعبہ میں داخل ہیں؟ ارشاد ہوا: ''ہاں۔'' عرض کی کہ پھر بناتے وقت لوگوں نے ان کو اندر کیوں نہیں کرلیا؟ فرمایا: ''تیری قوم کے پاس سرمایا نہ تھا اس لیے اتنا کم کردیا۔'' پھر عرض کی کہ اس کا دروازہ اتنا بلند کیوں کر رکھا؟ فرمایا: ''یہ اس لیے تاکہ وہ جس کو چاہیں اندر جانے دیں اور جس کو چاہیں روک دیں۔''

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت صحیح ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اسی لیے ادھر کے دونوں رکنوں کا بوسہ نہیں دیا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوا کہ خانۂ کعبہ اپنے اصلی اساس پر قائم نہیں ہے تو شریعتِ ابراہیمی کے مجدد کی حیثیت سے آپ کا فرض تھا کہ اس کو ڈھا کر نئے سرے سے تعمیر کرتے، لیکن آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے خود اس کی وجہ یہ بیان فرمادی کہ ''عائشہ! تیری قوم اگر کفر کے زمانہ سے قریب نہ ہوتی تو میں کعبہ کو ڈھا کر اساسِ ابراہیم پر تعمیر کراتا۔''[1]

آج کل ہجرت کے یہ معنی سمجھے جاتے ہیں کہ گھر بار چھوڑ کر مدینہ جا کر آباد ہوجانا خواہ وہ پہلے جہاں آباد تھے، کیسے ہی امن وامان کا ملک ہو لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہجرت کی حقیقت یہ بتائی ہے:

لَاھِجْرَۃَ الیومَ، کَانَ الْمُؤمِنُوْنَ یَفِرُّ اَحَدُھم بِدِیْنِہٖ اِلَی اللّٰہِ وَاِلٰی رَسُوْلِہٖ مَخَافَۃً اَنْ یُفْتَنَ عَلَیْہِ فَاَمَّا الیومُ فقَدْ اَظْھَرَ اللّٰہُ الْاِسْلَامَ والیوم یَعْبُدُ رَبَّہٗ حَیْثُ شَاءَ، وَلٰکِنْ جِھَادٌ وَنِیَّۃٌ۔[2]

''اب ہجرت نہیں ہے، ہجرت اس وقت تھی جب مسلمان اپنے مذہب کو لے کر خدا اور اس کے رسول کے پاس اس ڈر سے دوڑا آتا تھا کہ اس کو تبدیلِ مذہب کی بنا پر ستایا نہ جائے۔ لیکن اب خدا نے اسلام کو غالب کردیا، اب مسلمان جہاں چاہے اپنے خدا کو پوج سکتا ہے۔ ہاں! جہاد اور نیت کا ثواب باقی ہے۔''

---

[1] مسلم، رقم: ۳۲۴۰ [2] بخاری، رقم: ۳۹۰۰

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلاف پیدا ہوا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے؟ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پیغمبر جہاں مرتے ہیں وہیں دفن ہوتے ہیں، لیکن اس کا اصل سبب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

قَالَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ مَرضِهِ الَّذِی لَم یَقُم مِنهُ: لَعَنَ اللّٰهُ الیهودَ والنَّصارٰی اتَّخذُوا قُبُورَ اَنۡبِیَائِهِم مَسَاجِدَ. لَولَا ذٰلِكَ اُبرزَ قَبرُهٗ غَیرَ اَنَّه خَشِیَ أو خُشِیَ اَن یُتَّخَذَ مَسۡجِداً۔[1]

''آپ نے مرض الموت میں فرمایا کہ خدا یہود و نصاریٰ پر لعنت بھیجے کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں) کہ اگر یہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر کھلے میدان میں ہوتی لیکن چونکہ اس کا خوف تھا کہ وہ بھی سجدہ گاہ نہ بن جائے اس لیے آپ حجرے ہی کے اندر مدفون ہوئے۔''

علم حدیث: محدثین نے روایتِ حدیث کے لحاظ سے صحابہ کے پانچ طبقے قرار دیئے ہیں اور تقریباً ہر طبقے میں صحابہ کے ساتھ صحابیات بھی شامل ہیں۔

اوّل طبقہ: یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں ہزار یا ہزار سے زیادہ ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا شمار اسی طبقے میں ہے۔

دوسرا طبقہ: یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں پانچ سو یا پانچ سو سے زیادہ ہیں، اس میں کوئی صحابیہ شامل نہیں۔

تیسرا طبقہ: یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں سو یا سو سے زیادہ ہیں مگر پانچ سو سے کم ہیں، حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا اسی میں محسوب ہیں۔

چوتھا طبقہ: یعنی وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جن کی تعدادِ روایت چالیس سے سو تک ہے، اس طبقہ میں بکثرت صحابیات رضی اللہ عنہن شامل ہیں مثلاً: اُمّ المومنین اُمّ حبیبہ، اُمّ المومنین میمونہ، اُمّ عطیّہ انصاریہ، اُمّ المومنین حفصہ، اسماء بنت ابی بکر، اُمّ ہانی رضی اللہ عنہن۔

---

[1] بخاری، رقم: ۱۳۹۰

پانچواں طبقہ: یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں چالیس یا چالیس سے کم ہیں، اس طبقہ میں بکثرت صحابیات شامل ہیں مثلاً: حضرت اُمّ قیس، حضرت فاطمہ بنت قیس، حضرت ربیع بنت مسعود، حضرت سبرہ بنت صفوان، حضرت کلثوم بنت حصین غفاری، حضرت جدامۃ بنت وہب رضی اللہ عنہن وغیرہم۔

فنِ درایت: روایت کے علاوہ حدیث کے متعلق درایت کی ابتدا صحابیات رضی اللہ عنہن سے ہی ہوئی یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بعض روایتوں پر درایۃً تنقید کی، اور اس سے درایت کے خاص خاص اُصول قائم ہوئے مثلاً: ان کے سامنے جب یہ روایت[1] کی گئی کہ مردے پر اس کے اہل وعیال کے رونے سے عذاب ہوتا ہے تو انہوں نے درایۃً اس روایت کے قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ خود قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔[2]

''ایک کے گناہ کا بوجھ دوسرا نہیں اُٹھا سکتا۔''

رونا اہل وعیال کا گناہ ہے، اس کا عذاب مردے پر کیوں ہوگا؟ اس سے یہ اُصول قائم ہوا کہ جو روایت نصوص قرآنیہ کے خلاف ہو، وہ قبول نہیں کی جاسکتی، چنانچہ اس اُصول کی رو سے انہوں نے متعدّد روایتوں پر تنقید کی ہے مثلاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں یہ خیال پھیل گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج میں خدا کو دیکھا تھا، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اس کا ذکر آیا تو بولیں: جو شخص یہ روایت کرے، وہ دروغ گو ہے۔ اس کے بعد یہ آیت پڑھی:

لَاتُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۝[3]

''خدا کو کوئی نگاہ پا نہیں سکتی اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے وہ لطیف اور خبیر ہے۔''

ان کے سامنے جب یہ روایت کی گئی کہ نحوست عورت، گھوڑے اور گھر میں ہے تو انہوں نے اس کا انکار کیا اور یہ آیت پڑھی:

---

[1] یہ روایتیں بہ ترتیب عین الاصابہ فیما استدرکتہ السیدۃ عائشۃ علی الصحابۃ: ص ۸، ۱۷، ۱۸، ۲۱، میں موجود ہیں، اخیر روایت کے علاوہ اور روایتیں بخاری میں بھی ہیں۔ [2] سورۂ انعام: ۱۶۴ [3] سورۂ انعام: ۱۰۳

مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِيبَةٍ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِىۡ اَنۡفُسِكُمۡ اِلَّا فِىۡ كِتَابٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡرَاَهَا[1]

''زمین میں یا تمہارے اندر تمہیں جو مصیبتیں پہنچتی ہیں، وہ پہلے سے لکھی ہوتی ہیں۔''

غزوۂ بدر میں جو مارے گئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کے مدفن پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا:

فَهَلۡ وَجَدۡتُّمۡ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمۡ حَقًّا[2]

''خدا نے جو تم سے وعدہ کیا تم نے اس کو پالیا؟''

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ مُردوں کو پکارتے ہیں؟ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:

مَا اَنۡتُمۡ بِاَسۡمَعَ مِنۡهُمۡ وَلٰكِنۡ لَا يُجِيبُوۡنَ.

''تم ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے جب یہ روایت کی گئی تو انہوں نے کہا کہ آپ نے یہ نہیں بلکہ یہ ارشاد فرمایا تھا:

اِنَّهُمۡ لَيَعۡلَمُوۡنَ الۡاٰنَ اَنَّ مَا كُنۡتُ اَقُوۡلُ لَهُمۡ حَقٌّ.

''وہ اس وقت یقینی طور پر جانتے ہیں کہ میں ان سے جو کچھ کہتا تھا وہ سچ تھا۔''

اس کے بعد انہوں نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی:

اِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰى[3]

''اے پیغمبر تو مردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتا۔''

وَمَآ اَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِى الۡقُبُوۡرِ ۝[4]

''اور نہ ان کو جو قبر میں ہیں۔''

مطلب یہ ہے کہ اس آیت کی رو سے کفار آپ کی آواز سن ہی نہیں سکتے تھے۔

عام طور پر لوگ متعہ کی حرمت میں احادیث پیش کرتے ہیں لیکن حضرت عائشہ کے ایک شاگرد نے جوازِ متعہ کی روایت کی نسبت ان سے پوچھا تو انہوں نے اس کا جواب حدیث سے نہیں دیا

---

[1] سورۂ حدید: ۲۲ [2] سورۂ اعراف: ۴۴ [3] سورۂ نمل: ۸۰ [4] سورۂ فاطر: ۲۲

بلکہ فرمایا: میرے تمہارے درمیان خدا کی کتاب ہے، پھر یہ آیت پڑھی:

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ○[1]

"جو لوگ کہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، بجز اپنی بیویوں یا لونڈیوں کے ان پر کوئی ملامت نہیں۔"

اس لیے ان دو صورتوں کے علاوہ کوئی اور صورت جائز نہیں۔[2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ حرامی لڑکا تینوں میں (ماں، باپ، بچہ) بدتر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو فرمایا یہ صحیح نہیں ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایک منافق تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا بھلا کہا کرتا تھا۔ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس کے علاوہ وہ ولدالزنا بھی ہے، آپ نے فرمایا کہ "وہ تینوں میں بدتر ہے۔" یعنی اپنے ماں باپ سے زیادہ بُرا ہے، یہ ایک خاص واقعہ تھا، عام نہ تھا۔ خدا خود فرماتا ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی.[3]

"کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اُٹھاتا۔"

یعنی قصور تو ماں کا ہے، بچہ کا کیا گناہ ہے جس کی بنا پر وہ ان سے بُرا قرار دیا جائے۔[4]

علم فقہ: عہدِ نبوّت میں علم فقہ کوئی مدوّن و مرتّب علم نہ تھا کہ صحابہ باقاعدہ اس کی تعلیم حاصل کرتے، سوال و استفسار کے ذریعہ بے شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے مسائل دریافت کیے جاسکتے تھے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کچھ تو فرطِ ادب سے اور کچھ اس لیے کہ قرآن نے سوال کی ممانعت کردی تھی آپ سے بہت کم مسائل دریافت کرتے تھے۔ مسند دارمی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف تیرہ مسائل دریافت کیے جو کل کے کل قرآن مجید میں مذکور ہیں۔[5] اس بنا پر آپ سے فقہی تعلیم حاصل

---

[1] سورۂ مومنون: ۵، ۶ [2] مستدرک، رقم: ۳۱۹۳ [3] سورۂ انعام: ۱۶۴
[4] مستدرک، رقم: ۲۸۵۵ [5] مسند دارمی، رقم: ۱۲۷

کرنے کا صرف یہ طریقہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے تمام اعمال مثلاً وضو، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا بغور مطالعہ کرتے تھے اور قرائن و امارات سے ان اعمال کے شروط و ارکان کو مباح، واجب اور منسوخ وغیرہ قرار دیتے تھے[1] لیکن صحابیات رضی اللہ عنہن کو اس طرح سے فائدہ اُٹھانے کا بہت کم موقع ملتا تھا اس کے ساتھ جو فقہی مسائل عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں وہ عام طور پر بیان بھی نہیں کیے جاسکتے تھے، اس لیے صحابیات رضی اللہ عنہن کو زیادہ تر آپ سے سوال و استفسار کی ضرورت پیش آتی تھی، چنانچہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

نِعْمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ الْاَنْصَارِ لَمْ یَکُنْ یَمْنَعُهُنَّ الْحَیَاءُ اَنْ یَّتَفَقَّهْنَ فِی الدِّیْنِ[2]

''انصار یہ عورتیں کس قدر اچھی تھیں کہ تفقہ فی الدین سے ان کو حیا باز نہیں رکھ سکتی تھی۔''

غرض اس طریقۂ تعلیم سے صحابہ رضی اللہ عنہم اور صحابیات رضی اللہ عنہن کو مختلف فوائد پہنچے اور اس طرح ان کے تین طبقے قرار پائے۔

(۱) مکثرین یعنی وہ لوگ جن سے بکثرت مسائل منقول ہیں۔

(۲) مُقلّین یعنی وہ لوگ جن سے بہت کم مسائل مروی ہیں۔

(۳) متوسطین یعنی وہ لوگ جو ان دونوں طبقوں کے بین بین ہیں اور ان تینوں طبقوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جو صحابیات شامل ہیں ان کے نام حسب ذیل ہیں: مکثرین میں جن کے متعلق علامہ ابن حزم نے لکھا ہے کہ اگر ان کے فتاویٰ جمع کیے جائیں تو ہر ایک کے فتاویٰ سے ضخیم جلدیں تیار ہوسکتی ہیں، اِن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا داخل ہیں۔

متوسطین میں جن کے فتاوے رسالوں کی صورت میں جمع ہوسکتے ہیں، حضرت اُمّ سلمہ شامل ہیں۔ مقلین میں جن سے صرف چند مسائل منقول ہیں، ان میں بکثرت صحابیات شامل ہیں مثلاً: حضرت اُمّ عطیہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت حفصہ، حضرت اُمّ حبیبہ، حضرت لیلیٰ بنت قائف، حضرت اسماء، حضرت اُمّ شریک، حضرت حولاء، حضرت عاتکہ بنت زید، حضرت سہلہ، حضرت جویریہ، حضرت میمونہ، حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہن وغیرہم۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مصر: ص ۱۱۲ [2] مسلم، رقم: ۷۵۰

خاتمہ

مناقبِ صحابیات رضی اللہ عنہن

یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے افضل کون ہے؟ عام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ خلفائے راشدین تمام صحابہ میں افضل ہیں اور خود خلفاء میں فضیلت کے مدارج ترتیبِ خلافت کی رو سے قائم ہوئے ہیں، لیکن علامہ ابن حزم ظاہری کے نزدیک ازواجِ مطہرات تمام صحابہ سے افضل ہیں اور اس مسئلہ کو انہوں نے اپنی کتاب ''الملل والاھواء والنحل'' میں نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور اسی سلسلہ میں ان آیات وحدیث کے جوابات بھی دیئے ہیں جن سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کا درجہ عموماً مردوں سے کم ہے، لیکن اس وقت ہم ان مباحث میں پڑنا نہیں چاہتے بلکہ مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے جو وجوہِ فضیلت قائم ہوسکتی ہیں ان کو پیش نظر رکھ کر صحابیات کے مناقب میں صحیح حدیثیں نقل کردیتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوگا کہ جن وجوہ کی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل کی بنیاد قائم ہوئی ہے، ان میں ان کے ساتھ صحابیات رضی اللہ عنہن بھی شامل ہیں۔

اسلام میں سب سے بڑی فضیلت تقدم فی الاسلام ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس فضائل میں یہ فضیلت سب سے نمایاں ہے، لیکن اس فضیلت میں ان کے ساتھ دو عورتیں بھی شامل ہیں، یعنی حضرت خدیجہ اور حضرت سمیہ یا امّ ایمن رضی اللہ عنہن۔ چنانچہ صحیح بخاری مناقب ابی بکر میں حضرت عمّار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

رَأیتُ رسولَ اللّٰہِ ﷺ وَمَا مَعَہٗ اِلَّا خَمسَۃُ اَعبُدٍ وَامرأتَانِ وأبُوبَکرٍ۔[1]

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ آپ کے ساتھ صرف پانچ غلام دو عورتیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔''

تقدم فی الاسلام کے بعد سب سے بڑی فضیلت تقدم فی الھجرۃ ہے اور اس فضیلت میں تمام مہاجرات اوّلات صحابہ کی شریک ہیں، چنانچہ علامہ ابن حزم ظاہری الفصل فی الملل

---

[1] رقم الحدیث، ۳۶۶۰

والاھواء والنحل میں لکھتے ہیں:

فَلَسنَانَشُكُّ اَنَّ المُهَاجِرَات الاوَّلَاتِ من نِسَاءِ الصَحَابَةِ رضى الله عنهن يُشَارِكنَ الصَحَابَةَ فِى الفَضلِ فَفَاضِلَةٌ وَمَفضُولَةٌ وَفَاضِلٌ وَمَفضُولٌ فَفِيهِنَّ مَن يَفضُلُ كثيراً مِنَ الرِّجَالِ وفِى الرِّجَالِ مَن يَفضُلُ كَثِيراً مِنهُنَّ وما ذَكَرَ اللّٰهُ تَعَالىٰ مَنزِلَةً مِن الفَضلِ اِلَّا وَقَرَنَ النِّسَاءَ مَعَ الرِجَّالِ فِيهَا كَقَولِهٖ تَعَالىٰ: اِنَّ المُسلِمِينَ و المُسلِمَاتِ۔[1]

''ہم کو اس میں شک نہیں ہے کہ صحابہ کی بیویوں میں مہاجرت اوّلات فضیلت میں صحابہ کے شریک ہیں، ان میں کسی عورت کو عورت پر اور کسی مرد کو مرد پر فضیلت حاصل ہے، عورتوں میں بعض عورتیں بہت سے مردوں پر فضیلت رکھتی ہیں اور اسی طرح مردوں میں بعض مرد بہت سی عورتوں پر فضیلت رکھتے ہیں، خدا نے فضیلت کا کوئی درجہ ایسا نہیں بیان کیا جس میں مردوں کے ساتھ عورتوں کو شامل نہ کیا ہو، مثلاً خدا کا یہ قول کہ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں۔''

اسلام میں سب سے پہلی ہجرت حبشہ کی ہجرت ہے اور اس ہجرت میں ایک صحابیہ کو ایک ایسا شرف حاصل ہوا جس پر تمام مہاجرینِ حبشہ کو ناز تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم کو مدینہ کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا سال معلوم ہوا تو ہم نے بھی اپنی قوم کے ۵۳ یا ۵۲ آدمی کے ساتھ ہجرت کا ارادہ کیا اور اس غرض سے کشتی پر سوار ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، سوئے اتفاق سے کشتی حبش میں جا پڑی اور ان لوگوں کی ملاقات حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کے رفقاء سے ہوگئی۔ چنانچہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے کہا کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں بھیجا ہے اور یہیں اقامت کا حکم دیا ہے، تم لوگ بھی ہمارے ساتھ اقامت کرو۔ ان لوگوں نے وہاں اقامت اختیار کی، یہاں تک کہ جب خیبر فتح ہوا تو سب کے سب ایک ساتھ آئے اور خیبر ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے، اس موقع پر ان لوگوں کو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ جو لوگ غزوہ خیبر میں شریک نہ تھے، ان میں ان کے سوا

---

[1] ج ۴، ص ۱۲۶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو مال غنیمت میں حصّہ نہیں دیا، ان لوگوں سے بعض صحابہ نے کہا کہ ہم نے تم سے پہلے ہجرت کی ہے۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بھی ان ہی لوگوں کے ساتھ ہی حبشہ سے آئی تھیں، وہ ایک روز حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی ملاقات کو گئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آگئے اور انکو دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا۔ اُنکا نام سنکر حضرت عمر نے فرمایا: یہ حبشیہ ہے؟ یہ بحریہ (یعنی سمندر کی رہنے والی) ہے؟ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس نے کہا کہ ہاں! ہم ہیں، اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے تم سے پہلے ہجرت کی ہے، ہم تم سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مستحق ہیں۔ یہ سنکر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا برہم ہوئیں اور کہا کہ عمر! تم غلط کہتے ہو، خدا کی قسم! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ رہتے تھے اور آپ بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے اور آپ جاہل کو نصیحت کرتے تھے۔ اور ہم، حبش کے دور ترین مبغوض زمین میں پڑے ہوئے تھے، ہم کو ایذا دی جاتی تھی، ہم خائف رہتے تھے اور یہ سب کچھ صرف خدا اور خدا کے رسول کی ذات کیلئے تھا۔ خدا کی قسم! تم نے جو کچھ کہا ہے، جب تک اسکا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ کرلوں گی نہ کھاؤں گی، نہ پانی پیوں گی۔ خدا کی قسم! کسی قسم کا جھوٹ نہ بولوں گی، کجروی نہ اختیار کروں گی اور اس واقعہ میں کوئی اضافہ نہ کروں گی۔ چنانچہ جب آپ تشریف لائے تو انہوں نے اس واقعہ کو بیان کیا اور آپ نے اسکو سنکر فرمایا: وہ تم سے زیادہ میرے مستحق نہیں ہیں، عمر اور انکے اصحاب کی صرف ایک ہجرت ہے اور تم اہل کشتی کی دو ہجرتیں ہیں۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اور دوسرے کشتی والے جوق در جوق میرے پاس آتے تھے اور اس حدیث کو پوچھتے تھے، ان کے لیے دنیا کی کوئی چیز اس سے زیادہ مسرّت خیز اور باعظمت نہ تھی۔ حضرت ابو موسیٰ بار بار مجھ سے اس حدیث کو پوچھتے تھے۔[1]

فضیلت کی ایک بڑی وجہ محبّتِ رسول ہے اور اس محبّت کی وجہ سے بعض صحابیات کو وہ درجہ تقرّبِ رسول حاصل ہوا جو صرف مخصوص صحابہ کو حاصل تھا۔ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے سوا بجز حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا (حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ماں) کے کسی عورت کے پاس تشریف نہیں لے جاتے تھے، چنانچہ آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے

---

[1] مسلم، رقم: ۶۴۱۱

فرمایا: مجھے ان پر رحم آتا ہے کیونکہ ان کے بھائی میرے ساتھ شہید ہوئے تھے۔[1]
جس لطف و محبّت کے ساتھ آپ ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے، اسی لطف و محبّت کے ساتھ وہ آپ کی خدمت گزاری بھی کرتی تھیں۔ بخاری کتاب الاستیذان میں ہے کہ جب آپ ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے تو وہ آپ کے لیے بچھونا بچھا دیتیں، آپ آرام فرماتے، جب سو کر اٹھتے تھے تو وہ آپ کا پسینہ ایک شیشی میں جمع کر لیتیں، مرتے وقت وصیّت کی کہ کفن میں حنوط کے ساتھ عرق مبارک بھی شامل کر لیا جائے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خالہ اُمّ حرام رضی اللہ عنہا کو بھی اکثر یہ شرف حاصل ہوتا تھا، چنانچہ معمول تھا کہ جب آپ قبا کو تشریف لے جاتے تو ان کے پاس ضرور جاتے وہ اکثر کھانا لا کر پیش کرتیں اور آپ نوش فرماتے، آپ سو جاتے تو وہ آپ کے بالوں سے جوئیں نکالتیں۔[2]
مخصوص صحابیات کے علاوہ قومی حیثیت سے بھی بعض صحابیات کو بعض معاشرتی فضائل حاصل ہیں اور ان فضائل میں اس قبیلے کی تمام صحابیات رضی اللہ عنہن شامل ہیں مثلاً: ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا سے نکاح کی خواہش کی تو انہوں نے یہ معذرت کی کہ میرا سن زیادہ ہو گیا اور میرے لڑکے ہیں۔ جن کی پرورش میرے لیے ضروری ہے اس موقع پر آپ نے عموماً قریشی عورتوں کی یہ فضیلت بیان کی:

خَيۡرُ نِسَاءٍ رَكِبۡنَ الۡاِبِلَ نِسَاءُ قُرَيۡشٍ اَحۡنَاه عَلَى وَلَدٍ فِىۡ صِغَرِهٖ وَاَرۡعَاهُ على زوجٍ فى ذاتِ يَدِهٖ۔[3]

"شتر سوار عورتوں میں سب سے بہتر قریش کی عورتیں ہیں، بچپن میں اپنے بچے سے محبّت رکھتی ہیں اور اپنے شوہر کے مال کی بہت زیادہ حفاظت کرتی ہیں۔"

انصار کا قبیلہ اسلام میں ایک خاص درجۂ فضیلت رکھتا ہے اور اس قبیلہ کے مرد اور عورت دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یکساں محبوب تھے۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار انصار کی عورتیں اور انصار کے لڑکے ایک شادی کی تقریب سے واپس آرہے تھے۔ آپ نے ان کو دیکھا تو کھڑے ہو گئے اور تین بار فرمایا کہ "تم لوگ میرے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو۔"[4]

---

[1] مسلم، رقم: ۶۳۱۹ [2] بخاری، رقم: ۲۷۸۸ [3] مسلم، رقم: ۶۴۵۹ [4] بخاری، رقم: ۳۷۸۵

دوسری روایت میں ہے کہ ایک انصاریہ صحابیہ اپنے بچے کو ساتھ لے کر آئیں اور آپ نے ان سے گفتگو فرمائی اور اسی سلسلہ میں دوبارہ فرمایا کہ ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم تمام لوگوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو[1]۔''

ان فضائل کی بنیاد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی صحابیات کی قدر و منزلت کو قائم رکھا، چناں چہ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کی ملاقات کو تشریف لے جایا کرتے تھے، آپ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آؤ چلیں، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ملاقات کو جایا کرتے تھے اسی طرح ہم بھی ان کی ملاقات کر آئیں۔ چنانچہ جب ان کے پاس پہنچے تو وہ رو پڑیں، ان لوگوں نے کہا کیوں روتی ہو؟ خدا کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو درجہ ہے وہ نہایت بہتر ہے۔ بولیں: میں اس لیے نہیں روتی کہ میں اس سے ناواقف ہوں بلکہ اس لیے روتی ہوں کہ وحی کا آسمانی سلسلہ ٹوٹ گیا، اس پر یہ دونوں بزرگ بھی رو پڑے[2]۔

عام صحابیات رضی اللہ عنہن کے علاوہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو جو عزّت حاصل تھی، عورتوں کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حرم محترم کا انتقال ہوا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سجدے میں گر پڑے۔ لوگوں نے کہا کہ آپ اس وقت سجدہ کرتے ہیں؟ بولے: جب قیامت کی کوئی نشانی دیکھو تو سجدہ کرلیا کرو، پھر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی موت سے بڑھ کر قیامت کی کون سی نشانی ہوگی[3]۔

مقام سرف میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی ساتھ تھے، بولے کہ یہ میمونہ ہیں، ان کا جنازہ اُٹھاؤ تو مطلقاً حرکت و جنبش نہ دو[4]۔''

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم عزّت و محبت کی وجہ سے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن پر اپنی جائیدادیں وقف کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے باغ کی وصیّت کی تھی جو چار ہزار پر فروخت کیا گیا[5]۔

---

[1] بخاری، رقم: ۳۷۸۶ [2] مسلم، رقم: ۶۳۱۸ [3] ابوداود، رقم: ۱۱۹۷

[4] نسائی، رقم: ۳۱۹۸ [5] ترمذی، رقم: ۳۷۵۰

خلفاء ازواجِ مطہّرات رضی اللہ عنہن کا نہایت ادب واحترام کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ازواجِ مطہّرات رضی اللہ عنہن کی تعداد کے لحاظ سے نو پیالے تیار کرائے، جب ان کے پاس کوئی میوہ یا اور کوئی کھانے کی عمدہ چیز آتی تو ان پیالوں میں کر کے تمام ازواجِ مطہّرات رضی اللہ عنہن کی خدمت میں بھیجتے تھے۔[1]

۲۳ ہجری میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ امیر الحاج بن گئے تو ازواجِ مطہّرات رضی اللہ عنہن کو بھی نہایت عزّت کے ساتھ ہمراہ لے گئے۔ حضرت عثمان اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کو سواریوں کے ساتھ کر دیا تھا، یہ لوگ آگے پیچھے چلتے تھے اور کسی کو سواریوں کے قریب آنے نہیں دیتے تھے۔ ازواجِ مطہّرات رضی اللہ عنہن منزل پر اُترتی تھیں تو حضرت عثمان اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کسی کو قیام گاہ کے متّصل آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔[2]

عام مسلمان ازواجِ مطہّرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ جو حسنِ عقیدت رکھتے تھے اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ لوگ عام طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو لاتے تھے اور وہ ان کے لیے دعائے برکت فرماتی تھیں۔[3] عائشہ بنت طلحہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دامنِ تربیت میں پرورش پائی تھی ان کا بیان ہے کہ لوگ دور دور سے میرے پاس آتے تھے اور چونکہ مجھ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تقرب حاصل تھا اس لیے بوڑھے بوڑھے لوگ میرے پاس آتے تھے، جوان لوگ مجھ سے بھائی چارہ کرتے تھے اور مجھ کو ہدیہ دیتے تھے اور اطرافِ ملک سے خطوط بھیجتے تھے۔[4]

غرض ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے عورت اور مرد دونوں کا درجہ یکساں بلند کیا اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور عام مسلمانوں نے اس درجہ کو قائم رکھا لیکن صحابیات کو یہ درجہ صرف مذہب، اخلاق، اور حسنِ معاشرت کی بنا پر حاصل ہوا تھا اور آج بھی ان ہی چیزوں سے عورتیں اپنے درجے کو بلند کر سکتی ہیں۔

تمت بالخیر

---

[1] موطا امام مالک، رقم: ۶۹۰ [2] طبقات ابن سعد، رقم: ۳۸

[3] الادب المفرد، رقم: ۹۳۸ [4] الادب المفرد، رقم: ۱۱۵۱

طبع شدہ

رنگین مجلد

تفسیر عثمانی (۲ جلد)
خطبات الاحکام لجمعات العام
حصن حصین
الحزب الاعظم (مہینے کی ترتیب پر مکمل)
الحزب الاعظم (ہفتے کی ترتیب پر مکمل)
لسان القرآن (اول)
لسان القرآن (دوم)
لسان القرآن (سوم)
خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی
تعلیم الاسلام (مکمل)
بہشتی زیور (تین حصے)

مفتاح لسان القرآن (سوم)
عربی زبان کا آسان قاعدہ
فارسی زبان کا آسان قاعدہ
علم الصرف (اولین)
علم الصرف (آخرین)
عربی صفوۃ المصادر
جوامع الکلم مع چہل ادعیہ مسنونہ
عربی کا معلّم (اوّل)
عربی کا معلّم (دوم)
عربی کا معلّم (سوم)
نام حق

تاریخ اسلام
بہشتی گوہر
فوائد مکیہ
علم النحو
جمال القرآن
تسہیل المبتدی
تعلیم العقائد
سیر الصحابیات
کریما
پندنامہ
آسان اُصولِ فقہ

کارڈ کور / مجلد

اکرام مسلم
مفتاح لسان القرآن (اول)
مفتاح لسان القرآن (دوم)
مفتاح لسان القرآن (سوم)

فضائل اعمال
منتخب احادیث

رنگین کارڈ کور

حیات المسلمین
تعلیم الدین
خیر الاصول فی حدیث الرسول
الحجامہ (پچھنا لگانا) (جدید ایڈیشن)
الحزب الاعظم (مہینے کی ترتیب پر) (جیبی)
الحزب الاعظم (ہفتے کی ترتیب پر) (جیبی)
مفتاح لسان القرآن (اول)
مفتاح لسان القرآن (دوم)

آداب المعاشرت
زاد السعید
جزاء الاعمال
روضۃ الادب
فضائل حج
معین الفلسفہ
معین الاصول
تیسیر المنطق

زیر طبع

عربی کا معلّم (چہارم)
صرف میر
تیسیر الابواب

معلّم الحجاج
نحو میر

مكتبة البشرى

المطبوعة

ملونة مجلدة

الصحيح لمسلم (٧ مجلدات)
الموطأ للإمام محمد (مجلدين)
الهداية (٨ مجلدات)
مشكاة المصابيح (٤ مجلدات)
التبيان في علوم القرآن
تفسير البيضاوي
شرح العقائد
تيسير مصطلح الحديث
تفسير الجلالين (٣مجلدات)
المسند للإمام الأعظم
مختصر المعاني (مجلدين)
الحسامي
الهدية السعيدية
نور الأنوار (مجلدين)
القطبي
كنز الدقائق (٣مجلدات)
أصول الشاشي
نفحة العرب
شرح التهذيب
مختصر القدوري
تعريب علم الصيغه

نور الإيضاح
البلاغة الواضحة

ملونة كرتون مقوي

شرح عقود رسم المفتي
متن العقيدة الطحاوية
المرقاة
زاد الطالبين
عوامل النحو
هداية النحو
إيساغوجي
شرح مائة عامل
السراجي
الفوز الكبير
تلخيص المفتاح
دروس البلاغة
الكافية
تعليم المتعلم
مبادئ الأصول
مبادئ الفلسفة

هداية النحو (مع الخلاصة والتمارين)
متن الكافي مع مختصر الشافي

ستطبع قريبا بعون الله تعالى

ملونة مجلدة/ كرتون مقوي

الموطأ للإمام مالك
ديوان الحماسة
التوضيح والتلويح
شرح الجامي
الجامع للترمذي
ديوان المتنبي
المعلقات السبع
المقامات الحريرية

Other Languages

Riyad Us Saliheen (Spanish)(H. Binding)
Fazail-e-Aamal (German)

To be published Shortly Insha Allah

Al-Hizb-ul-Azam(French) (Coloured)

Books in English

Tafsir-e-Uthmani(Vol. 1, 2, 3)
Lisaan-ul-Quran(Vol. 1, 2, 3)
Key Lisaan-ul-Quran(Vol. 1, 2, 3)
Al-Hizb-ul-Azam (Large) (H. Binding)
Al-Hizb-ul-Azam (Small) (Card Cover)
Secret of Salah